رئیس المفسرین، استاذ اورنگ زیب عالمگیر حضرت ملا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی
حیات و خدمات اور محاسن و کمالات کا ایک تحقیقی، سوانحی اور دستاویزی مجموعہ

ناشر
دار العلوم اہل سنت ملا احمد جیون
قصبہ امیٹھی، لکھنؤ (یوپی)

رئیس المفسرین، استاذ اورنگ زیب عالم گیر،
حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی حیات و خدمات
اور محاسن و کمالات کا ایک تاریخی، سوانحی اور دستاویزی مجموعہ

ملّا احمد جیون امیٹھوی

حیات اور خدمات

مصنف:
محمد طفیل احمد مصباحی
سب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ (یوپی)

ناشر: مولانا محمد غلام جیلانی رضوی مصباحی
مقام بیر گاچھی، پوسٹ پرانا گنج، ضلع پورنیہ بہار

نام کتاب: ملّا احمد جیون امیٹھوی: حیات اور خدمات
مصنّف: محمد طفیل احمد مصباحی
پروف ریڈنگ: محمد طفیل احمد مصباحی
حسبِ فرمائش: مولانا غلام جیلانی مصباحی / مولوی محمد اعجاز سلمہٗ
(متعلّم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
کمپوزنگ: پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور، اعظم گڑھ
Mob:-09235647041
طباعت واشاعت: ستمبر ۲۰۱۵ء / ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
صفحات: ۲۷۲
ناشر: مولانا محمد غلام جیلانی رضوی مصباحی
مقام بیر گاچھی، پوسٹ پرانا گنج، ضلع پورنیہ (بہار)

کتاب ملنے کے پتے:

(۱)- دار العلوم اہلِ سنت ملّا احمد جیون، قصبہ امیٹھی، لکھنؤ (یوپی)
(۲)- محمد طفیل احمد مصباحی، ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)
(۳)- المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)
(۴)- مکتبہ حافظ ملت، انصاری مارکیٹ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)
(۵)- نوری کتاب گھر، جامعہ اشرفیہ کے سامنے، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

نوٹ: کتاب حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کریں:
مصنف: 8416960925 - 8853765636

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعائیہ کلمات

محدثِ جلیل حضرت علامہ **عبدالشکور** صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ

رئیس المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ، سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے عہد کے ایک جیّد عالم دین، بے مثال مفسر، مایۂ ناز اصولی، بلند پایہ مصنف اور صوفی بزرگ تھے۔ اورنگ زیب عالم گیر خود آپ کے شاگرد رشید اور آپ کے علم وفضل کے بڑے قدر داں تھے۔ دین و دانش کے فروغ واستحکام میں آپ کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں۔ اصولِ فقہ کی بہترین کتاب "نور الانوار" آج بھی مدارسِ اسلامیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

علم تفسیر میں آیاتِ احکام سے متعلق کتاب "تفسیراتِ احمدیہ" آپ کی وسعتِ علم کی دلیل ہے۔ ایسے جلیل القدر عالمِ دین، مفسر اور اصولی کی سوانحِ حیات اور حالاتِ زندگی مرتب کر کے تاریخ کے سینے میں محفوظ کرنا بہت ضروری تھا، تاکہ نئی نسل آپ کی حیات و خدمات سے کما حقہ واقف ہو سکے۔

عزیز القدر مولوی **محمد طفیل احمد** مصباحی زید مجدہ نے ملّا جیون کے حالاتِ زندگی لکھ کر ایک اچھا اور عمدہ کام کیا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی اور دل سے دعائیں نکلی۔ مولانا نے اس سلسلے میں بڑی محنت کی ہے اور صرف مواد کی فراہمی میں ایک سال کا قیمتی وقت صرف کیا ہے اور بڑے سلیقے سے **"ملّا احمد جیون: حیات وخدمات"** کے نام سے کتاب تیار کی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ عزیزم طفیل احمد سلمہ کو زیادہ سے زیادہ دینِ متین کی خدمت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں اور برکتوں سے مالا مال کرے۔ آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

عبدالشکور عفی عنہ

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ

تقریظِ جلیل

از: مفکرِ اسلام حضرت علامہ **عبدالمبین نعمانی** دام ظلہ العالی

باسمہ و حمدہ و الصلاۃ علیٰ نبیہ و آلہٖ

زیرِ نظر کتاب "ملّا احمد جیون: حیات و خدمات" کا سرسری مطالعہ کیا، مصنّفِ کتاب عزیزی مولانا طفیل احمد مصباحی زید علمہ نے بڑی محنت سے اس تذکرے کو مرتب کیا ہے۔ مراجع سے متعلق ناچیز راقم الحروف سے بھی بار بار استصواب و استفسار کیا، مجھے امید نہ تھی کہ مولانا اتنی ضخیم کتاب لکھ پائیں گے۔ مگر جب کتاب دیکھا تو بے حد خوشی ہوئی کہ مولانا نے بڑی جاں کاہی کا ثبوت فراہم کیا ہے اور کتاب کو بہتر سے بہتر بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اللّٰھُمَّ زِد فَزِد۔

مفسر قرآن حضرت ملّا جیون علیہ الرحمۃ پر اب تک ایسی کوئی کتاب نظر سے نہیں گزری تھی، اس لیے اس سے بڑی کمی بھی پوری ہوئی۔ حضرت ملّا احمد جیون علیہ الرحمۃ کی کتاب "نور الانوار" سارے مدارس عربیہ اسلامیہ میں پڑھائی جاتی ہے اور "تفسیراتِ احمدیہ" بھی بعض مدارس میں داخلِ نصاب ہے، اس لیے بھی آپ کی شخصیت کا بھرپور تعارف ضروری تھا۔

دارالعلوم اہلِ سنت ملّا احمد جیون امیٹھی کے سنگِ بنیاد کے وقت جب ناچیز امیٹھی پہلی بار حاضر ہوا، اور آپ کے آستانے پر حاضری و فاتحہ خوانی کی سعادت حاصل ہوئی تو اسی وقت سے میں اس فکر اور تلاش میں تھا کہ حضرت علیہ الرحمۃ پر سوانحی انداز سے کچھ لکھا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں عزیزی مولانا حافظ سید نذر عالم سیوانی نے بھی کچھ مواد جمع کیا تھا، مگر اب تک وہ منظر عام پر آیا، نہ حافظ صاحب کا ہی کچھ پتہ کہ کہاں ہیں۔ ایسے میں مولانا طفیل احمد مصباحی صاحب کے کام سے تسکین خاطر فراہم ہوئی۔

مولانا موصوف سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، ان کے کئی کام منظر عام پر آ چکے ہیں اور بہت سے منظر عام پر آنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اللہ عزوجل موصوف کو مزید دینی، علمی اور تصنیفی

خدمات کی توفیق بخشے اور علم وعمل میں ترقی دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ وصحبہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

عزیزم طفیل احمد سلمہ کے رشحاتِ قلم میں "ضعیف اور موضوع احادیث کا علمی جائزہ" اور "قربانی صرف تین دن" بڑی اچھی کتابیں ہیں۔ "موبائل فون کے ضروری مسائل" بھی مفید کوشش ہے اور بروقت اس کی شدید ضرورت بھی ہے، جو جلد ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والی ہے۔

۲۳/ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ — دعا گو: **محمد عبدالمبین نعمانی قادری**

۱۲/ فروری ۲۰۱۵ء — دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو (یوپی)

موبائل اور ٹیلیفون سے متعلق ایک سو سے زائد جدید فقہی احکام اور شرعی مسائل کا گراں قدر مجموعہ

موبائل فون کے ضروری مسائل

مصنّف

محمد طفیل احمد مصباحی

سب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی

کتاب ملنے کا پتہ

محمد طفیل احمد مصباحی، ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

Mob:8416960925 :

تأثرات

از: ادیب عصر حضرت مولانا **اختر حسین فیضی** مصباحی دام ظلہ العالی

کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ بات آتی تھی کہ ملّا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات و خدمات پر کوئی تفصیلی کتاب آنی چاہیے، کیوں نہ ہو کہ میں ہی یہ کام کر ڈالوں۔ ابھی میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے نائب مدیر محب گرامی مولانا طفیل احمد مصباحی زید مجدہ نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ حضرت ملّا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سیرت و سوانح کے تعلق سے کچھ مواد اکٹھا کیا ہے۔ مزید کی ضرورت ہے تاکہ ان کی خدمات اور کارناموں کا صحیح ڈھنگ سے تعارف ہو سکے۔ مولانا کی زبان سے یہ سننے کے بعد میری طبیعت باغ باغ ہو گئی۔ میں نے کہا: "جوئندہ یابندہ" آپ ہمت بلند رکھیں، انشاء اللہ مطلوبہ مواد تک رسائی ہو جائے گی۔ مولانا تقریباً سال بھر تک مراجع و مآخذ کی تلاش میں رہے اور اب ان کی محنت کا ثمرہ "ملّا احمد جیون: حیات و خدمات" کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مضامین و مواد اور اسلوبِ بیان کے اعتبار سے یہ ایک عمدہ کتاب ہے۔

اس کتاب میں حضرت کی حیات اور خدمات کے تمام گوشوں کو سمیٹنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور آسان لب و لہجہ میں بات پیش کی گئی ہے تاکہ قاری کو مطلب تک پہنچنے میں دشواری نہ ہو۔ امید ہے کہ یہ کتاب سوانح حیات کے باب میں بہترین اور مستند اضافہ ہوگی۔

حضرت ملّا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عہد اورنگ زیب کے ان صاحبانِ فضل و کمال میں سے تھے جن کے علم و عمل اور زہد و ورع کے سب معترف تھے، تدریس اور تصنیف آپ کا محبوب مشغلہ تھا، تصانیف تو آپ کی بہت ہیں جن میں تفسیراتِ احمدیہ اور نور الانوار شہرت پذیر ہیں اور اعتبار کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کی تدریس کی مقبولیت ایسی تھی کہ طالبانِ علومِ نبوی آپ کے درس میں شریک ہونا باعث فخر سمجھتے۔ تدریس کے سلسلے میں آپ کی مستعدی، علومِ دینیہ اور طالبین

علوم دینیہ سے محبت کا عالم یہ تھا کہ کبھی سبق کا نقصان گوارا نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے شاگرد رشید، بادشاہِ ہندوستان اورنگ زیب عالم گیر نے آپ کو دہلی مدعو کیا تو طلبہ کے سبق کا نقصان کر کے درمیان سال میں نہ گئے بلکہ رمضان المبارک کے مہینے میں تشریف لے گئے۔ اس لیے کہ ان دونوں اسباق بند رہتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے واضح ہوا کہ آپ علم کے کتنے بڑے قدر داں تھے اور ایسے قدر داں کہ اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ تعلیم و تعلّم اور تبلیغ وارشاد میں لگایا، یہاں تک کہ وصال کے دن بھی کارِ تدریس انجام دیا جب کہ نقاہت زوروں پر تھی۔

آپ کی حیات و خدمات، محاسن و کمالات اور اوصاف و خصوصیات پر بہت کچھ مولانا طفیل احمد مصباحی نے اس کتاب میں لکھ دیا ہے اور مزید بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔

دعا ہے مولا تعالیٰ اس سعی جمیل کو محمود بنائے اور مصنف کو صحت و فراوانیِ رزق کے ساتھ مزید کام کی توفیق بخشے۔ آمین۔

اختر حسین فیضی مصباحی
جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

مورخہ: ۲۸؍ ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ
۱۸؍ فروری ۲۰۱۵ء

ہدیۂ تبریک

بقیۃ السلف حضرت علامہ مفتی **محمد ظل الرحمٰن** ضیائی عزیزی
شیخ الحدیث دار العلوم خیریہ، سہسرام (روہتاس)

قصبہ امیٹھی، اودھ کا ایک علمی و روحانی خطہ ہے۔ یہاں سیکڑوں علما و مشائخ، اسلافِ امت، اولیاے کرام اور بزرگانِ دین آسودۂ خاک ہیں۔

رئیس المفسرین حضرت شیخ ملا احمد جیون امیٹھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی علمی خطہ کے ایک نامور اور قابلِ فخر سپوت گزرے ہیں۔ ملّا احمد جیون، بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے استاذ اور محسن و مربّی تھے۔ آپ کی حیات و خدمات اور ہمہ جہت دینی و علمی کارنامے ہم سب کے لیے نمونۂ عمل اور درس ہدایت ہیں۔ آپ کی شخصیت جتنی عظیم تھی، آپ کی سوانحِ حیات اتنی عظیم اور تفصیلی انداز میں نہیں لکھی گئی، جو حد درجہ افسوس کی بات ہے۔

خدا بھلا کرے حضرت مولانا محمد طفیل احمد مصباحی دام ظلہ کا کہ آپ نے ملّا احمد جیون کی حیات و خدمات اور آپ کے محاسن و کمالات کے موضوع پر قلم اٹھایا اور سچ پوچھیے تو موضوع کا حق ادا کر دیا۔ مولانا کی اس تصنیفی کاوش پر مجھے بے حد مسرت ہوئی اور دل سے دعا نکلی۔ راقم الحروف دل کی گہرائی سے مولانا طفیل احمد مصباحی کو مبارک باد دیتا ہے اور ان کی صحت و سلامتی، دینی و قلمی خدمات میں ترقی اور ان کے علم و عمل اور اخلاص میں برکت کی دعا کرتا ہے۔

اللہ عزوجل انھیں دارین کی سعادتوں سے مالا مال کرے۔ آمین۔

فقط:
محمد ظل الرحمٰن عفی عنہ
۲۷/ اگست ۲۰۱۵ء

مقامِ مسرّت

از: حضرت مولانا محمد غلام جیلانی مصباحی دام ظلہ العالی

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عمدۃ المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی پر بہار شخصیت سے اہلِ علم خوب اچھی طرح واقف ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ کے در و دیوار آج بھی آپ کی علمی عظمت، تدریسی مہارت اور فنّی لیاقت کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ بر صغیر ہند و پاک کا کوئی دینی مدرسہ ایسا نہیں جہاں آپ کی مایۂ ناز اور معرکۃ الآرا کتاب ''نور الانوار'' داخلِ نصاب نہ ہو۔

حضرت ملّا احمد جیون بے شمار اوصاف و کمالات کے حامل تھے۔علم و حکمت، دین و دانش، فکر و فن، تدبّر و تفکر، فقہ و افتا، ادب و شاعری اور زہد و تقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ آپ شہنشاہِ ہند حضرت اورنگ زیب عالم گیر کے باکمال استاذ اور اورنگ زیب عالم گیر آپ کے شاگردِ رشید تھے۔ استاذ و شاگرد کے مابین یہ علمی و روحانی رشتہ بڑا گہرا تھا۔ آپ عہدِ عالم گیری کے فقید المثال عالم دین اور یگانۂ روزگار صوفی صافی بزرگ تھے۔ ہر میدان میں آپ کی امتیازی شان اور انفرادی مقام تاریخی مسلّمات میں سے ہے۔ آپ کی علمی جلالت اور فنِ تفسیر میں مجتہدانہ بصیرت کی سب سے مضبوط دلیل آپ کی کتاب ''تفسیراتِ احمدیہ'' ہے، جو ہند و پاک میں علمِ تفسیر میں لکھی جانے والی کتابوں میں شاہ کار اور بدر بین النجوم کا درجہ رکھتی ہے۔

اللہ اللہ! ''تفسیراتِ احمدیہ'' کیا ہی عمدہ اور بہترین کتاب ہے۔ کتاب کی سطر سطر سے آپ کی علمی جلالت مترشّح ہوتی ہے اور خود کتاب آپ کے مفسرانہ کمال کی گواہی دیتی ہے۔ ایسے باکمال انسان کو فراموش کر دینا اور ان کے حالاتِ زندگی سے غفلت برتنا احسان فراموشی کی دلیل اور اسلاف فراموشی کی ایک بد ترین مثال ہے۔ علمائے ملت، مشائخِ امت اور اسلاف کرام کی حیات و خدمات اور ان کے محاسن و کمالات کو تاریخ کے سینے میں محفوظ کرنا ہماری دینی ضرورت بھی ہے اور

اخلاقی تقاضا بھی۔ ہماری غفلت شعاری اور تغافل کیشی کی بدولت بے شمار ہیرے جواہرات ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی غفلت سے بچائے اور اسلاف کے کارناموں کو محفوظ کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔

دارالعلوم ملّا احمد جیون، قصبہ امیٹھی، لکھنؤ کے ایک خادمِ تدریس ہونے کی حیثیت سے احقر کی دلی خواہش تھی کہ حضرت ملّا احمد جیون کی ایک مبسوط سوانح اور تفصیلی حالاتِ زندگی سامنے آئے، تاکہ آپ کی حیات و خدمات، محاسن و کمالات، افکار و احوال اور آپ کی ہمہ جہت دینی، علمی اور ادبی خدمات سے اہلِ جہاں کما حقہٗ متعارف ہو سکے۔ آپ کے حالاتِ زندگی مختلف سوانحی کتب میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ لیکن یہ تذکرہ اتنا مختصر ہے کہ تشنگی باقی رہ جاتی ہے اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے جملہ پہلو اجاگر نہیں ہو پاتے ہیں۔

راقم آثم کو جب یہ مژدۂ جاں فزا ملی کہ محب گرامی حضرت مولانا محمد طفیل احمد مصباحی دام ظلہ العالی سب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی) حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی علیہ الرحمۃ کی سوانحِ حیات لکھ رہے ہیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بے پناہ قلبی مسرت ہوئی۔ میں مولانا سے اور برابر اصرار کرتا رہا کہ کسی بھی صورت میں ملّا جیون کے حالاتِ زندگی سے متعلق اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ برادرِ صغیر عزیزم محمد اعجاز سلمہٗ متعلّم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور بھی مسلسل مولانا سے رابطے میں رہے۔

الحمدللہ! "ملّا احمد جیون امیٹھوی: حیات اور خدمات" کے نام سے حیاتِ ملّا جیون کے یہ زرّیں اوراق آپ کے سامنے ہیں۔ مطالعہ کیجیے اور ملّا موصوف کی قابلِ رشک زندگی سے درسِ نصیحت حاصل کیجیے اور ان کے سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھالنے کی سعیِ بلیغ فرمائیے۔

محبّ گرامی جناب مولانا طفیل احمد مصباحی دام ظلہ کے ہم شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل، اخلاص میں برکتیں عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال کرے۔ آمین۔

احقر العباد

محمد غلام جیلانی مصباحی

مقام بیر گاچھی، پوسٹ پرانا گنج، ضلع پورنیہ (بہار)

۱۹/ اگست ۲۰۱۵ء بروز بدھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ سید المرسلین
و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین و علیٰ من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین

عرضِ حال

از: **محمد طفیل احمد** مصباحی عفی عنہ، خادم ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

۲۰۰۶ء کی بات ہے جب راقم الحروف ازہرِ ہند جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں زیر تعلیم تھا، دیگر کتابوں کے ساتھ ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی کتاب ''نور الانوار'' بھی درس میں شامل تھی۔ نور الانوار بڑی محنت سے پڑھتا تھا اور ملّا جیون کی علمی جلالت اور اصولی مہارت کی داد دیتا تھا۔ درس گاہ میں نور الانوار کا درس جاری تھا کہ اسی درمیان استاذ محترم نے بتایا کہ حضرت ملّا احمد جیون نے آیاتِ احکام سے متعلق ''تفسیراتِ احمدیہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جو نہایت عمدہ، بے نظیر اور لاجواب کتاب ہے۔ تفسیراتِ احمدیہ کا پہلی بار نام سن کر میں پھڑک اٹھا۔ کیوں کہ قرآنیات اور خاص طور سے آیاتِ احکام میرے پسندیدہ موضوع ہیں۔ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، میں فضیلت کے بعد ''تحقیق فی الفقہ'' کے شعبے میں ''تفسیراتِ احمدیہ'' بھی داخلِ نصاب ہے۔ جماعتِ خامسہ کا طالب علم ہونے کے باوجود (جب کہ اس وقت عربی عبارات اور مطالب فہمی کی زیادہ شُدبُد بھی نہیں تھی۔)

میں نے لائبریری سے ''تفسیراتِ احمدیہ'' نکال لیا اور اسے اپنے مطالعے میں رکھ لیا اور آج بھی یہ کتاب اکثر احقر کے مطالعے میں رہتی ہے۔ کتاب کے مشمولات و مندرجات نے ذہن و دماغ پر ایک خوش گوار اثر ڈالا اور ملّا جیون کی عظمت میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اب سوچنے لگا کہ جو عالمِ دین ''نور الانوار'' اور ''تفسیراتِ احمدیہ'' جیسی بلند پایہ کتابوں کے مصنف اور شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالم گیر کے استاذ ہیں، ان کی سوانحِ حیات اور حالاتِ زندگی کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ پھر کیا تھا! تذکرہ و سوانح کی کتابوں کی ورق گردانی شروع کر دی اور ملّا موصوف کی کتابِ زندگی کے زرّیں ابواب کی تلاش و جستجو جاری رہی۔

آپ کی حالاتِ زندگی سے متعلق ایک درجن سے زائد کتابیں کھنگالنے کے بعد یہ دیکھ کر بڑی حیرت

اور افسوس ہوا کہ اتنی عظیم اور تہ دار شخصیت کی حیات و خدمات اور محاسن و کمالات کا تذکرہ دو ڈھائی صفحہ سے زیادہ کہیں نہیں ملتا۔ اور وہ بھی اتنا مختصر کہ تشنگی باقی رہ جائے۔

یہ تو غنیمت ہے کہ ملّا موصوف کا تذکرہ کم از کم دو صفحہ میں تذکرہ و سوانح کی کتابوں میں مل جاتا ہے۔ ورنہ حال یہ ہے کہ ہماری غفلت اور تساہلی نے بے شمار علما و مشائخ اور خیارِ اُمت کو گم نامی کے قبرستان میں دفن کر دیا ہے، یہاں تک کہ آج ہمیں ان کی تاریخ ولادت وفات تک کا علم نہیں ہے۔ ملّا احمد جیون امیٹھوی کے محاسن و کمالات اور کارناموں کو پڑھ کر بے پناہ مسرت ہوئی اور آپ کے تفصیلی حالاتِ زندگی معلوم کرنے کی خواہش ہوئی۔ مطالعہ برابر جاری رہا اور آپ کے حالات جہاں کہیں دستیاب ہوتے رہے، ان کو جمع کرتا رہا۔ تقریباً ۱۵؍ کتابوں میں آپ کے مختصر تذکرے دیکھنے کو ملے۔ خیال ہوا کہ ان قطروں کو جمع کر کے سمندر نہ سہی ایک نہر ہی تیار کر دی جائے تاکہ آپ کی حیات و خدمات کا ایک مختصر سا تاریخی اور سوانحی دستاویز محفوظ ہو جائے اور نئی نسل کے لیے مینارۂ نور ثابت ہو سکے۔

ایک سال کی لمبی مدت صرف مواد کی فراہمی میں گزر گئی، فراہم کردہ مواد و معلومات اتنے کم اور مختصر تھے کہ انھیں کتابی شکل دینا بھی دشوار تھا۔ ۲؍ سال تک یہ مواد فائل میں پڑا رہا۔ دریں اثنا قومی کونسل اردو، دہلی کی موبائل وین (کتابوں کی گاڑی) جامعہ اشرفیہ، مبارک پور آئی، جس میں بہت ساری نادر و نایاب کتابیں تھیں۔ ان کتابوں کے ہجوم میں ملّا احمد جیون امیٹھوی کے حالاتِ زندگی پر پروفیسر خلیل احمد مشیؔر صدیقی کی ایک کتاب نظر آئی۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ایسا لگا جیسے کسی تشنہ لب کو ''آبِ حیات'' مل گیا ہو۔ کتاب فوراً خرید لی۔ مطالعے کے بعد بہت سارے بنیادی ماخذ کا علم ہوا۔ مشیؔر صدیقی صاحب کو اندور خط لکھا اور اصل ماخذ کی فوٹو کاپی (زیراکس) بھیجنے کی گزارش کی۔ پروفیسر خلیل احمد مشیؔر صدیقی خاندانِ ملّا جیون سے تعلق رکھنے والے ایک باصلاحیت، ذی علم اور علم دوست انسان ہیں۔ موصوف نے راقم کی گزارش پر لبیک کہتے ہوئے مطلوبہ ماخذ کی زیراکس کاپی بھیج دی۔ نیز ہمارے عزم و حوصلے کی داد دی۔ دعاؤں سے نوازا اور یہاں تک فرمایا کہ ''آپ ملّا احمد جیون امیٹھوی پر کام کیجیے۔ میں ہر ممکنہ تعاون کے لیے تیار ہوں۔'' ہم پروفیسر مشیر صدیقی صاحب کے شکر گزار ہیں۔

بہر کیف! اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ ''السعی منی و الاتمام من اللہ'' کا عملی ظہور اور محسوس مثال آپ حضرات کے سامنے ہے۔

شکر کہ جمّازہ بہ منزل رسید
زورقِ امّید بہ ساحل رسید

الحمد للہ حمدًا طیبًا کثیرًا مبارکًا علیٰ ذلك.

راقم الحروف طفیل احمد مصباحی عفی عنہ اپنی کاوشوں میں کہاں تک کامیاب ہے، اس کا فیصلہ قارئین ہی کریں گے۔ مجھے نہ ستائش کی تمنا ہے اور نہ صلہ کی آرزو ہے۔ حضرت ملّا احمد جیون کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا یہ قلمی خراج مقبول ہوجائے، بس یہی آرزو ہے اور محنت وصول ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ زیرِ نظر کتاب "ملّا احمد جیون امیٹھوی: حیات و خدمات" کو مرحلۂ تکمیل و اشاعت تک پہنچانے میں محبِّ گرامی حضرت مولانا غلام جیلانی مصباحی دام ظلہ العالی، صدر المدرسین، دار العلوم اہلِ سنت ملّا احمد جیون، قصبہ امیٹھی لکھنؤ (یوپی) اور آپ کے برادرِ صغیر عزیزم مولوی محمد اعجاز سلمہٗ القوی متعلّم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی خواہشوں اور کاوشوں کو بہت بڑا دخل ہے۔ کثرتِ کار اور ہجومِ افکار کے سبب جب بھی تصنیفی سلسلہ منقطع ہوتا یا کام میں تاخیر ہوتی، یہ دونوں حضرات اس مرحلۂ شوق کی تکمیل کے لیے برانگیختہ کرتے، اصرار اور تقاضا کرتے اور میں دوبارہ کام شروع کر دیتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا غلام جیلانی مصباحی اور مولوی محمد اعجاز سلمہٗ کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال کرے۔ ان کے علم و عمل اور اقبال میں برکت دے اور حضرت ملّا احمد جیون کے فیوض و برکات سے وافر حصہ عطا کرے۔ آمین۔

محدثِ جلیل حضرت علامہ حافظ عبد الشکور صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، مفکرِ اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی دام ظلہ العالی، ادیبِ شہیر حضرت مولانا اختر حسین فیضی دام ظلہ کے تاثرات نے میری کتاب کو زینت اور اعتبار و افتخار بخشا ہے۔

راقم الحروف ان بزرگوں کا شکریہ ادا کرتا ہے اور ان کی صحت و سلامتی کے لیے مولیٰ عزوجل سے دعا کرتا ہے۔

دعاؤں کا طالب

محمد طفیل احمد مصباحی عفی عنہ

خادم ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

تاریخ: ۲۷؍ شوال المکرم ۱۴۳۶ھ

مطابق: ۱۳؍ اگست ۲۰۱۵ء بروز جمعرات

پہلا باب

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم و علیٰ آله و صحبه و علماء أمته أجمعین

سلطنتِ مغلیہ:-

ہندوستان جنت نشان میں مسلمانوں نے مجموعی اعتبار سے ایک ہزار سال تک حکومت کی ہے۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کو شکست دے کر ۷۱۱ء میں سندھ میں مسلم حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد سے ہی ہندوستان میں مسلم حکومت واقتدار کا دور شروع ہوا، اور اس کا رقبہ دن بدن وسیع تر ہوتا گیا۔ ۱۲۰۶ء سے لے کر ۱۵۲۶ء تک پانچ بڑے مسلم خاندان اور قبیلے نے ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی پر حکومت کی ہے۔ تفصیل ملاحظہ کریں۔

(۱)-البری ترک یعنی خاندان غلامان ---------- [۱۲۰۶ء- ۱۲۹۰ء]
(۲)-خلجی خاندان -------------------- [۱۲۹۰ء- ۱۳۲۰ء]
(۳)-خاندانِ تغلق -------------------- [۱۳۲۰ء- ۱۴۱۳ء]
(۴)-سید خاندان -------------------- [۱۴۱۴ء- ۱۴۵۱ء]
(۵)-لودھی خاندان -------------------- [۱۴۵۱ء- ۱۵۲۶ء]
(۶)-بیدر بریدی خاندان -------------------- [۱۵۰۴ء- ۱۶۱۹ء]
(۷)-عماد شاہی خاندان -------------------- [۱۵۱۰ء- ۱۵۷۴ء]
(۸)-نظام شاہی خاندان -------------------- [۱۵۱۰ء- ۱۶۳۶ء]
(۹)-عادل شاہی خاندان -------------------- [۱۴۸۹ء- ۱۶۸۶ء]
(۱۰)-قطب شاہی خاندان -------------------- [۱۵۱۲ء- ۱۶۸۷ء]

شمالی ہند کی ریاستوں میں مالوہ، جون پور، گجرات، سندھ، ملتان، بنگال، کشمیر، قابلِ ذکر ہیں، جہاں مسلمان اپنی حکومت کا پرچم لہراتے رہے۔ فاروقی خاندان [۱۳۸۲ء- ۱۶۰۱ء] الیاس سلاطین [۱۳۴۲ء- ۱۴۵۹ء] حبشی سلاطین [۱۴۸۷ء- ۱۴۹۳ء] سوری خاندان [۱۵۶۴ء- ۱۵۷۵ء] [(۱)]

(۱) اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد اول، ص: ۵۴۸ - ۵۵۵، قومی کونسل، دہلی۔

اقتدار و حکومت کے لحاظ سے ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے آخری سلطنت مغلوں کی ہے۔

دیگر مسلم سلطنتوں کے مقابل ''سلطنت مغلیہ'' ہندوستان کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ ہندوستان میں مغل سلطنت کے بانی مبانی اور معمارِ اول ظہیر الدین محمد بابر ہے۔ مغلوں کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ملک چین کے شمالی پہاڑوں سے چنگیز خان کی قیادت میں مغلوں یا تاتاریوں کے گروہ طوفان کی طرح اُٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، آذر بائیجان، اصفہان، افغانستان، فارس، عراق، شام، روس، آسٹریا، اور ایشیائے کوچک تک پھیل گئے۔ لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت کا بازار گرم کرتے ہوئے سیکڑوں سلطنتوں کو تہس نہس کرڈالا اور بے شمار خاندانوں کو صفحۂ دہر سے مٹا دیا۔ ۶۵۶ء میں ہلاکو خان نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کرڈالا۔ ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کی تباہی و بربادی دیکھ کر پوری دنیا چیخ پڑی۔ شیرازِ ہند حضرت شیخ سعدی شیرازی نے بغداد کی تباہی کا مرثیہ لکھا اور یوں گویا ہوئے۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ ملک مستعصم امیر المومنیں

۶۲۴ء میں چنگیز خان کے فوت ہونے کے بعد مغلوں کی حکومت متعدّد ٹکڑوں میں بٹ گئی اور چنگیز خان کی اولاد کا ایک حصہ چین میں حکمراں ہوا، ایک حصہ ترکستان اور ماوراء النہر پر قابض ہوا۔ ایک حصہ نے خراسان میں اپنی حکومت قائم کی، ایک حصہ نے ایران پر اپنا تسلط جمایا اور بعض آلِ چنگیز بحر قزوین کے شمالی و مغربی حصے میں فرماں روا ہوئے۔ چند سالوں میں ان مغلوں کی اکثر حکومتیں اسلامی حکومت میں تبدیل ہوگئیں۔ کیوں کہ مغلوں نے اسلام قبول کرلیا اور ایک بدّو وحشی قوم اسلام کے سایۂ رحمت میں آکر پوری دنیا کی مسیحا بن گئی۔ تقریبًا دو صدی بعد مغلوں کی حکومتیں کمزور ہوگئیں اور مغلوں کا عروج، زوال میں تبدیل ہونے لگا۔

مغلوں کے اس دور انحطاط میں ۸۰۰ء کے قریب مشہور مغل شہنشاہ تیمور لنگ پیدا ہوا، جس نے اپنی ملک گیریوں اور فتح مندیوں سے پورے برّاعظم ایشیا میں ایک تہلکہ برپا کردیا اور دنیا کو ایک

بار پھر چنگیز اور ہلاکو خان کی جرأت وہمت اور جاہ وجلال کا تماشا دکھادیا۔

اسی تیمور کی نسل میں محمد ظہیر الدین بابر پیدا ہوئے جو آگے چل کر ہندوستان میں مغل سلطنت کے بانی ٹھہرے۔ بابر نے اپریل ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں عظیم الشان حکومت ''سلطنت مغلیہ'' کی بنیاد رکھی۔

سلطنت مغلیہ یعنی مغلوں کا دورِ حکمرانی تاریخ ہند کا ایک درخشاں باب اور ہندوستانی تہذیب وثقافت کا ایک شان دار مرقع ہے۔ ملک کے کونے کونے میں مغل حکمرانوں کے پر شکوہ دور حکومت کے انمٹ نقوش آج بھی ہمیں اپنے شاندار ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔

دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ اور تاج محل وغیرہ سلاطین مغل کے تعمیری کارناموں کی زندہ مثال اور پائدار ثبوت ہیں۔

ہند کو ناز ہے جس پہ وہ نشانی ہم ہیں
لال قلعہ، تاج محل کے یہاں بانی ہم ہیں

مغل سلطنت کی عمدہ کارگزاریوں اور قابل تعریف سرگرمیوں کے حوالے سے مسز بیسنٹ کا یہ قول سند کا درجہ رکھتا ہے۔

''ہندوستان پہلے سے زیادہ مالدار ہوگیا، یہ دور (مغل دورِ سلطنت) علم پروری، طاقت و جبروت، مذہبی رواداری، مشترکہ تمدن، قومی یک جہتی اور خوش حالی میں خاص شہرت رکھتا ہے اور یہی وہ امور ہیں جن کے باعث مغل اعظم کی سطوت وجبروت کا سکہ شاہان یورپ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مختلف علوم وفنون نے اس زمانے میں بے انتہا ترقی کی۔ عوام کی تعلیم کے لیے مدارس کھولے گئے۔'' (۱)

بابر سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک ہندوستان میں مغل سلطنت کی مدتِ حکمرانی ۱۵۲۶ء تا ۱۷۰۷ء یعنی کل ایک سو اکیاسی سال ہے۔ حضرت اورنگ زیب عالم گیر کے بعد سلطنت مغلیہ کی طنابیں ٹوٹنے لگیں اور بالآخر ۱۸۵۷ء میں مغل سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ بابر، ہمایوں، جہاں گیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کا شمار باکمال مغل سلاطین میں ہوتا ہے۔ ان مغل حکمرانوں نے جس

(۱) مغل شہزادیاں، ص:۱۱، ایم، آر، پبلشر، دہلی۔

تدبر و سیاست اور کمال ہوش مندی سے ہندوستان کی سر زمین پر حکومت کی ہے، وہ تاریخ ہند کا ایک سنہرا عنوان ہے۔ مغلوں کے آبا و اجداد نے گو کہ سلطنت عباسی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے مگر ان کے بلند حوصلہ جاں نشینوں نے آگے چل کر اپنے زیر حکومت ملکوں میں وہ عظیم الشان کارنامے انجام دیے کہ لوگ چنگیز اور ہلاکو خان کی داستان جبر و ہلاکت کو بھول گئے۔ خصوصیت کے ساتھ اورنگ زیب عالم گیر کا دور [۱۶۵۸ء–۱۷۰۷ء] مغل سلطنت کا ایک زریں اور تاریخ ساز دورِ حکومت ہے۔ عالم گیری دورِ حکومت میں ہندوستان نے بے پناہ ترقی کی۔

رشید احمد جالندھری کے بقول "اورنگ زیب عالمگیر خاندان تیموریہ کا آخری اولو العزم حکمراں ہے، جس کی بیدار مغزی، جفاکشی اور درویشانہ زندگی مغل تاریخ میں ایک ضرب المثل بن چکی ہے۔ وہ اپنے مورثِ اعلیٰ ظہیر الدین بابر کی طرح تلوار اور قلم دونوں کا دھنی تھا۔ ان امور کا اعتراف ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو نہ صرف اورنگ زیب کے بعض سیاسی فیصلوں سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ انھیں مغل سلطنت کے انحطاط و زوال کا سبب بھی گردانتے ہیں۔ یہ اورنگ زیب ہی کی فولادی شخصیت تھی جس نے انحطاط و زوال اور معاندانہ طاقتوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔" (۱)

اورنگ زیب عالم گیر کے عہدِ ہمایونی نے اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز اور عباسی حکمراں مامون بن ہارون رشید کے دور کی یاد تازہ کر دی تھی۔ حضرت اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات کا مفصل تذکرہ ہم "ملّا احمد جیون کے تلامذہ" کے ضمن میں کریں گے۔

عمدۃ المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہٗ [متوفیٰ: ۱۱۳۰ھ] عالم گیر کے استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ عہد عالم گیر کے جامع شریعت و طریقت عالمِ دین تھے۔ عہد اورنگ زیب کے جن عظیم المرتبت فضلا اور جلیل القدر علما نے اپنی علمی کارناموں سے پورے عہد کو متاثر کیا، ان میں ملّا احمد جیون کا نام بھی سرِ فہرست ہے۔

حضرت ملّا احمد جیون کی پیدائش شاہ جہاں بادشاہ کے دور میں ۱۶۴۳ء میں ہوئی اور مروجہ علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت پانے کے بعد جب آپ نے علمی میدان میں قدم رکھا تو اس وقت شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالمگیر مسند حکومت پر متمکّن تھے اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ مغل

(۱) احکامِ عالم گیری، ص:۵، مکتبہ الحسنات، دہلی۔

سلطنت کے عروج واستحکام میں منہمک تھے۔

قصبہ امیٹھی: علم وروحانیت کا گہوارہ:

اے شمعِ امیٹھیؔ تو کتنی سراپا سوز ہے
تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز ہے
تجھ میں یوں اللہ کے مقبول ہیں بکھرے ہوئے
گلشنِ ہستی میں جیسے پھول ہیں بکھرے ہوئے

قصبہ امیٹھی کی دھرتی ہمیشہ اس بات پر ناز کرے گی کہ اس کے معدنِ خیرات وبرکات میں بڑے بڑے اساطینِ ولایت، شہبازانِ طریقت اور اولوالعزم اولیائے امت محوِ خواب ہیں۔

افراد واشخاص مندرجہ ذیل طریقوں سے پہچانے جاتے ہیں:

(۱)-علم وفضل (۲)-اساتذہ وتلامذہ (۳)-خاندان (۴)-عہد (۵)-ملک ووطن۔

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، استاذ اپنے شاگرد سے اور کبھی اس کے برعکس شاگرد اپنے استاذ کی بدولت پہچانے جاتے ہیں۔ افراد شناسی میں خاندان، عہد وماحول اور ملک ووطن اہم ہوا کرتے ہیں۔ تاہم کچھ شخصیتیں اپنے عہد، خاندان، اپنے وطن اور اپنے ماحول سے بڑی ہوتی ہیں، اتنی بڑی کہ وہ اپنے اپنے عہد وماحول، خاندان اور وطن سے نہیں بلکہ خود ان کے عہد، خاندان اور وطن کی شناخت ان کے ناموں اور تاریخی کارناموں سے ہوتی ہے۔

عمدۃ المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہٗ انھیں عہد ساز شخصیات میں سے ایک ہیں، جن کی وجہ سے ان کا خاندان، ان کا عہد، ان کے معاصرین اور ان کا وطن مالوف ”امیٹھی“ پہچانا گیا۔ ملّا احمد جیون کی بدولت امیٹھی اس قدر مشہور ومعروف ہوا کہ جب بھی ملّا جیون کا تذکرہ ہوتا ہے تو آپ کے نام کے ساتھ امیٹھی کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، یعنی ”ملّا احمد جیون امیٹھوی“

ملّا احمد جیون نے اپنے خاندان اور ملک کے ساتھ اپنی جائے پیدائش امیٹھی کو نیک نام اور شہرتِ دوام عطا کیا۔

حضرت ملّا احمد جیون کا وطن مالوف اور جائے پیدائش ”امیٹھی“ زمانۂ قدیم سے شریعت و

طریقت اور علم و روحانیت کا گہوارہ رہا ہے۔ کمیت یعنی آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے اودھ کا یہ خطہ اگرچہ مختصر ہے، لیکن کیفیت اور معنویت کے اعتبار سے بڑا زرخیز ہے۔ یہاں کی خاک سے ان گنت صوفیہ و مشائخ، علما و فقہا، ادبا و شعرا اور علم حکمت کے دانائے راز پیدا ہوئے اور سپہرِ علم و معرفت کے بدرِ کامل بن کر چمکے۔ گدڑی میں لعل (ہیرے جواہرات) والا محاورہ امیٹھی پر بھی صادق آتا ہے۔ اس چھوٹی سی آبادی میں علم و ادب اور فکر و دانش کا ایک جہاں آباد ہے۔

تجھ میں اہلِ دین کی اک انجمن آباد ہے
علم و حکمت، فکر و دانش کا چمن آباد ہے
یوں تو جسمِ ملک کا تو ایک چھوٹا عضو ہے
علم و عرفاں کا مگر مثلِ ہمالہ عضو ہے

(تحسینؔ بھاگل پوری)

امیٹھی کی عظمت سے متعلق یہ کوئی ہوائی فائرنگ، مبالغہ آرائی یا محض عقیدت مندانہ غلو نہیں بلکہ ایک تاریخی سچائی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل اور ہمارے دعویٰ کی دلیل ملاحظہ کریں۔

اورنگ زیب عالم گیر کے والد شاہ جہاں بادشاہ کا یہ مشہور شاہانہ جملہ ہے ”پورب شیرازِ مملکت ما است“ یعنی ہندوستان کا پوربی خطہ (علم و حکمت اور زرخیزی کے لحاظ سے) ہمارے ملک کا شیرازؔ ہے۔ ایک بادشاہِ وقت کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ عرب کی مشہور کہاوت ہے: ”كلام الملوك ملوك الكلام“ یعنی بادشاہ کا کلام اپنی معنویت کے اعتبار سے کلام کا بادشاہ (پُر مغز کلام) ہوا کرتا ہے۔

پورب سے کون سا ہندوستانی خطہ مراد ہے؟

زمانۂ ماضی بالخصوص مغل دورِ حکومت میں جب پوربؔ بولا جاتا تو اس سے مندرجہ ذیل تین صوبے (خطے) مراد ہوتے تھے۔ (۱) صوبۂ اودھ (۲) صوبۂ الہ آباد (۳) صوبۂ عظیم آباد (یعنی موجودہ بہار کا علاقہ) یہ تینوں خطّہ ہر دور میں علم و حکمت کا مرکز رہا ہے۔

حسان الہند علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب ”سُبحة المرجان“ میں لکھتے ہیں:

"الفورب عبارة عن ثلاث صوب، صوبة أودھ و صوبة إلٰه آباد و صوبة عظیم آباد."[۱]

ترجمہ: پورب سے تین صوبے، صوبۂ اودھ، صوبۂ الہ آباد، اور صوبۂ عظیم آباد (پٹنہ، بہار) مراد ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عہدِ مغلیہ میں اودؔھ، الہ آبادؔ اور عظیم آبادؔ (پٹنہ) علوم و فنون کے مراکز اور حکمت و دانش کے گہوارے تھے اور آج بھی ان علاقوں کا علمی و ادبی تفوق برقرار ہے۔

آزاد بلگرامی اپنی دوسری کتاب "مآثر الکرام تاریخ بلگرام" میں رقم طراز ہیں:

"نفس و آفاق میں حقائق کی تلاش کرنے والوں پر روشن ہے کہ سرزمین پورؔب زمانۂ قدیم سے علم اور علما کی کان رہ چکی ہے.........اگرچہ ہندوستان کے تمام صوبہ جات حاملانِ علوم (علما) کی وجہ سے قابلِ افتخار ہیں۔ خصوصًا سلطنت کا پایۂ تخت (دہلی) کا علاقہ جہاں مرکزیت کی وجہ سے ہر قسم کے صاحبِ کمال مل سکتے ہیں۔ پھر جہاں بھی ہجومِ افکار و اجتماعِ عقول فراہم ہو، وہاں ہر زمانے کے لوگ نفسِ ناطقہ کے کمالات کو خواہ علومِ عقلیہ و نقلیہ ہوں یا اور کچھ، بلند درجوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ مگر صوبہ اودؔھ (لکھنؤ اور اس کے اطراف کے قصبات) اور الہ آباد ایسی خصوصیت رکھتے ہیں جو کسی بھی صوبہ کو میسر نہیں....... جہاں معلّمین عصر ہر مقام پر علوم کے دروازے متعلّمین کے لیے کھولے ہوئے ہیں اور اطلبو العلم کی صدائیں لگاتے ہیں۔ طالبانِ علوم جوق در جوق شہر بہ شہر جاتے ہیں اور جہاں بھی بن پڑا تحصیل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔"[۲]

شبلی نعمانی کا یہ صداقت آمیز تبصرہ ملاحظہ کریں:

"لکھنؤ ہندوستان کے تمام شہروں سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ وہ یہ کہ اس کے اطراف و جوانب میں جو مردم خیز بستیاں ہیں، انھوں نے جس درجے کے علما و فضلا پیدا کیے، دلی ایک طرف کل ہندوستان نے اس پایہ کے اہل کمال پیدا نہیں کیے۔ سہالیؔ، گوپامئوؔ، نیوتنیؔ، موہانؔ گو خود عالمِ شہرت میں روشناس نہیں لیکن انھوں نے جو علمی جواہر پیدا کیے، آج تمام ہندوستان ان کے نام

(۱) سبحة المرجان فی آثار ہندوستان، ص: ۵۵، علی گڑھ.
(۲) مآثر الکرام تاریخ بلگرام، ص: ۳۳۱، جامعة الرضا، بریلی.

سے گونج رہا ہے۔"(۱)

خلاصۂ کلام یہ کہ شاہ جہاں بادشاہ نے جن قصبات وصوبہ جات کو علمی وروحانی اعتبار سے اپنے ملک کا "شیراز" کہا ہے، ان میں "صوبۂ اودھ" بھی ہے اور صوبۂ اودھ میں موجودہ لکھنؤ اور اس کے اطراف وجوانب کے علاقے مثلاً سہالی، بلگرام، گوپامئو، نیوتنی، موہان، خیرآباد اور امیٹھی بھی داخل وشامل ہیں۔

قصبہ امیٹھی کے صوبۂ اودھ یعنی شیرازِ ہند میں داخل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ علمی خطہ امیٹھی، لکھنؤ سے پورب کی جانب ۲۸ر کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے اور ظاہر سی بات ہے کہ صوبۂ اودھ کا اطلاق خاص شہر لکھنؤ پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے اطراف وجوانب کے قصبات وقریات بھی اودھ میں داخل ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"أصله من سادات أميتهى قصبة من قصبات بورب."

یعنی علامہ قطب الدین شمس آبادی کا اصل مولد ومسکن امیٹھی ہے، جو پورب کے خطوں میں سے ایک خطہ ہے۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی قصبہ امیٹھی بھی شیرازِ ہند کے اعزاز وافتخار میں برابر کے شریک ہے۔

ابوالحسنات ندوی کے بقول "اودھ نسبتاً اور صوبوں سے اس خاص وصف میں ممتاز تھا کہ یہاں پانچ پانچ، دس دس کوس پر شرفا اور نجبا کے دیہات آباد تھے، جن میں اچھے اچھے علما وفضلا درس دیتے تھے اور دور دور سے طلبہ آکر تحصیل علوم کیا کرتے تھے۔"(۲)

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی نے بعینہٖ یہی بات "مآثر الکرام"، ص:۲۳۱ر میں لکھی ہے۔

مذکورہ اقتباس کے مطابق "اودھ" کے پانچ پانچ دس دس کوس پر شرفا اور نجبا کے جو دیہات آباد تھے اور ان میں علما وفضلا درس دیتے تھے۔ تو ان شرفا ونجبا میں حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی کا بھی ایک شریف علمی قبیلہ اور نجیب خاندان تھا جو لکھنؤ قیصر باغ سے تقریباً ۲۸ر کلومیٹر کی دوری پر

(۱) مقالاتِ شبلی، ج:۵، ص:۹۰، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔
(۲) ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، ص:۲۸، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

امیٹھی میں آباد تھا۔ ملّا احمد جیون کے آباد واجداد امیٹھی میں مسند علم و روحانیت بچھائے ہوئے تھے اور ہزاروں افراد کو علم شریعت و طریقت سے مالا مال کر رہے تھے۔ خود حضرت ملّا احمد جیون نے ایک زمانے تک امیٹھی میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔"

محمد عارف اعظمی عمری لکھتے ہیں:

"ملّا احمد جیون نے تعلیم سے فراغت کے بعد ۲۲ر سال کی عمر میں اپنے وطن امیٹھی میں مسند درس آراستہ کی اور اس کا سلسلہ ۱۰۸۷ء/۱۶۷۶ھ تک برقرار رہا۔"[1]

سید عبد الحی رائے بریلوی (والد ابو الحسن ندوی) نے قصبہ امیٹھی کی علمی حیثیت کو ان الفاظوں میں اجاگر کیا ہے:

"اودھ کے ایک ایک قریہ میں علم کا چرچا پھیلا ہوا تھا اور مشکل سے کوئی بد نصیب مقام ایسا ہو گا، جس میں علم کی شعائیں نہیں پہنچی ہوں۔ سب سے زیادہ مشہور اور نامور مقامات یہ تھے۔ جائس، امیٹھی (ملّا احمد جیون کا گاؤں) ہرگام، نیوتنی، گوپا مئو، بلگرام، سندیلہ، کاکوری وغیرہ۔ ان مقامات میں اس قدر کثرت کے ساتھ علما پیدا ہوئے جن کی نظیر دوسرے ملکوں میں بمشکل مل سکتی ہے۔"[2]

امیٹھی کی اسی عظمت و رفعت کے باعث ملّا احمد جیون نے اسے "مدینۃ الاولیا" لکھا ہے۔ (دیکھیے: تذکرہ بزرگان امیٹھی فارسی نسخہ، ص:۵)

خلاصۂ کلام یہ کہ علم و روحانیت کے اعتبار سے امیٹھی کی عظمت تاریخی مسلمات سے ہے۔ لیکن افسوس! ہمارے مورخین نے اس کی عظمت کو کما حقہ اجاگر نہیں کیا، جس کی وجہ سے امیٹھی شہرت و مقبولیت کا وہ مقام نہ پا سکا جس کا وہ مستحق تھا۔ یقیناً فرزندانِ امیٹھی اور اس کے جیّد علما و مشائخ اس لائق ہیں کہ ان کی حیات و خدمات پر پی ایچ ڈی کی جائے اور ان کے کارناموں کو منظرِ عام پر لایا جائے تاکہ نئی نسل کو امیٹھی کی قرار واقعی حیثیت کا اندازہ ہو سکے۔

علم و روحانیت کا گہوارہ امیٹھی میں بے شمار اہل اللہ مدفون ہیں اور ان پاکبازانِ امت کے

(۱) تذکرہ مفسرین ہند، ج:۱، ص:۱۱۹، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

(۲) اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں، ص:۲۴، ۲۵، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

وجودِ نازنین سے آج بھی امیٹھی کا ذرّہ ذرّہ رشک آفتاب بنا ہوا ہے۔

امیٹھی:- یہ وہ پاک سرزمین ہے جسے بحکمِ خداوندی مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا نے آباد کیا۔

امیٹھی:- وہ معدنِ فیوض و برکات ہے، جہاں سے خانقاہِ رشیدیہ جون پور کے بانی شیخ عبد الرشید دیوان (مصنف مناظرۂ رشیدیہ) کے والد مکرم شیخ مصطفیٰ جمال الحق کو شیخ محمد بن شیخ نظام الدین امیٹھوی کے ذریعے روحانی فیض ملا۔ (۱)

امیٹھی:- یہ وہ مطلعِ انوار ہے جس سے ملّا احمد جیون امیٹھوی جیسے عالمِ شریعت و طریقت کے وجود کا آفتاب طلوع ہوا۔

امیٹھی:- یہیں کی خاک سے قاضی محب اللہ بہاری (مصنف مسلم الثبوت وسلم العلوم) کے مایۂ ناز استاذ علامہ قطب الدین امیٹھوی شمس آبادی پیدا ہوئے۔ (۲)

امیٹھی:- وہ مادرِ علم و حکمت ہے جو کبھی عقیم نہیں رہی۔ ہندوستان کے نقشے پر جب سے یہ مبارک خطہ آباد ہے تب سے یہاں علم و حکمت کے قافلے آباد ہیں اور ہر دور میں یہاں کے علما و فضلا نے دین و دانش اور احسان و تصوف کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ماضی قریب کے مشہور عالم و مناظر حضرت علامہ حشمت علی خاں امیٹھوی ثم پیلی بھیتی، اسی امیٹھی کے نامور سپوت تھے۔

غرض کہ علوم و فنون کی ترویج و توسیع، دین کی نشر و اشاعت، سلوک و معرفت کے فروغ، تجلیاتِ ربانی کے ظہور اور کفر و الحاد کی قوتوں کے ساتھ تصادم کی ایک عظیم تاریخ امیٹھی کے علما و مشائخ کے ذواتِ قدسی صفات سے وابستہ ہے۔ بزرگانِ امیٹھی کے گہوارۂ قدس سے معرفت و سلوک کا جو چشمہ جاری ہوا اور علمائے امیٹھی کی بافیض درس گاہوں سے علم و حکمت کا جو دریا رواں ہوا، وہ آگے چل کر کئی سمتوں میں پھیل گیا اور اس طرح مشائخ امیٹھی اور علمائے امیٹھی کے دینی، علمی اور روحانی فیضان سے پورا ملک سیراب اور مالا مال ہوا۔

مخدو بہاء الحق خاصۂ خدا، شیخ سعد اللہ، شیخ عبد الرزاق، شیخ علیم اللہ، شیخ ابو تراب، شیخ روح

(۱) تحفۃ الابرار، ص: ۳۹۱.

(۲) نزھۃ الخواطر، ج: ٦، ص: ۲۳۳.

اللہ، شیخ عبید اللہ، شیخ ابو سعید (ملّا جیون کے والد) ملّا احمد جیون، شیخ بدھن (ملّا جیون کے بھائی)، شیخ محمد بن نظام الدین، ملّا عبد القادر، ملّا عبد الباسط، ملّا عبد الصمد۔

(آخر الذکر تینوں حضرات ملّا احمد جیون کے فرزند ہیں۔)

یہ سارے علما و مشائخ ملّا احمد جیون کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان کے علاوہ علامہ قطب الدین امیٹھوی ثم شمس آبادی، ملّا فقیہ الدین امیٹھوی، شیخ عاصم امیٹھوی، عبد الباسط امیٹھوی، شیخ ابو یوسف امیٹھوی، شیخ نجم الہدیٰ امیٹھوی، شیخ موسیٰ بن عبد الرقیب امیٹھوی، شیخ یٰسین بن جنید امیٹھوی، شیخ ابو نجیب امیٹھوی۔ مفتی امتیاز احمد امیٹھوی (قاضی شمس الدین جونپوری کے استاذ) یہ تمام حضرات بلاشبہ آسمان امیٹھی کے وہ نجوم و کواکب ہیں، جن کی تابانیوں سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہے۔ ان حضرات کا مختصر تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ انشاء اللہ العظیم۔

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی لکھتے ہیں:

”حضرت شیخ ملّا احمد جیون کا وطن امیٹھی تھا، جس کو ان کے اجداد میں سے حضرت شیخ بہاء الحق (خاصۂ خدا) نے اپنا مسکن بنایا اور راہِ ہدایت کی شمع روشن کی۔ بعد ازاں اس خاندان سے روحانی فیض کے سر چشمے پھوٹے۔ بے شمار اہل اللہ پیدا ہوئے۔ خانقاہ کی تعمیر ہوئی، دینی مدرسے قائم ہوئے اور دھیرے دھیرے قصبہ امیٹھی روحانیت کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔ جہاں سے اسلامی طرزِ فکر کی تبلیغ و توسیع ہوئی۔ ہندوستان میں اس خاندان کے ذریعے روحانیت کا پیغام عام ہوا۔ مختلف روحانی خرقوں سے اکتسابِ فیض کے باعث ملّا جیون کے خاندان میں بلند پایہ صوفی اور غایت درجے کے عالمِ دین پیدا ہوئے۔“[1]

اگر مندرجہ بالا جلیل القدر علما و مشائخ امیٹھی کی دھرتی پر پیدا نہ بھی ہوتے تو صرف ایک ملّا احمد جیون ہی امیٹھی کی عظمت و رفعت دوبالا کرنے کے لیے کافی ہوتے۔ ملّا احمد جیون کے ناتواں پیکر میں علمی رسوخی اور عارفانہ جاہ و جلال کی جو قوت پوشیدہ تھی، اس نے صحیح معنوں میں امیٹھی کو علم و فن کا دار السلطنت بنا دیا تھا اور حضرت ملّا احمد جیون اس دار السلطنت کے بادشاہ تھے۔

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۱۷، مطبوعہ اندور۔

ملّا احمد جیون کے آباو اجداد:

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی کے آباو اجداد اور ان کے خاندانی حالات کا بنیادی ماخذ ’’مناقب اولیا‘‘ ہے۔ ملّا احمد جیون نے اپنے آباو اجداد کی حیات و خدمات اور اپنی زندگی کے اہم واقعات اس میں قلم بند کیے ہیں۔ اسی کتاب کی روشنی میں ’’تذکرہ بزرگانِ امیٹھی‘‘ فارسی نسخہ تیار کیا گیا ہے۔ خادم حسین علوی نے ’’صبحِ بہار‘‘ کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، جس کا کچھ حصہ راقم الحروف کو بڑی مشکل سے حاصل ہوا ہے۔

جناب ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی نے بھی ’’تذکرہ بزرگان امیٹھی‘‘ فارسی کا ترجمہ کیا ہے اور ان کی تازہ ترین کتاب ’’مشائخ امیٹھی‘‘ غالباً اسی ’’تذکرہ بزرگان امیٹھی‘‘ فارسی کا اردو خلاصہ ہے۔

اس سلسلے میں یہ اقتباس ملاحظہ کریں۔ ڈاکٹر خلیل احمد مشیر لکھتے ہیں:

’’میرا خاندانی تعلق ملّا جیون اور ان کے آباو اجداد و خاندان سے براہِ راست ہے۔ میرے خاندانی بزرگوں سے ایک فارسی قلمی نسخہ بعنوان ’’رسالہ تذکرہ بزرگان امیٹھی‘‘ محفوظ چلا آرہا ہے، جس کا راقم نے ترجمہ بھی کیا ہے۔ جہاں تک میری تحقیق ہے یہ نسخہ ملّا جیون کی مشہور کتاب ’’مناقبِ اولیا‘‘ سے ماخوذ ہے۔‘‘(۱)

اس تمہید سے محض اتنا بتانا مقصود ہے کہ ’’تذکرہ بزرگانِ امیٹھی‘‘ جو کہ ’’مناقب اولیا‘‘ سے ماخوذ و مستنبط ہے اور جس میں بشمول ملّا احمد جیون ان کے آباو اجداد کا تذکرہ موجود ہے، اس کی صحت و ثقاہت پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے اور راقم الحروف (طفیل احمد مصباحی) نے اپنی کتاب ’’ ملّا احمد جیون امیٹھوی: حیات اور خدمات‘‘ کو خاص طور سے اسی ’’تذکرہ بزرگانِ امیٹھی فارسی‘‘ اور اس کے اخیر میں شامل ملّا احمد جیون کی خود نوشت سوانح حیات کی روشنی میں تیار کیا ہے۔

اس وقت راقم الحروف کے پیش نظر ملّا احمد جیون کی کتاب ’’مناقب اولیا‘‘ سے ماخوذ رسالہ ’’تذکرہ بزرگانِ امیٹھی فارسی، مشائخ امیٹھی اردو اور صبحِ بہار اردو‘‘ کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں ہیں۔

---

(۱) مشائخ امیٹھی، ص:۵، مطبوعہ اندور۔

(۱)-نزھۃ الخواطر عربی۔(۲)-سبحۃ المرجان عربی (۳)-مآثر الکرام اردو (۴)-ابجد العلوم عربی (۵)-ظفر المحصّلین (۶)-ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں (۷)-تذکرہ مفسرینِ ہند (۸)-قصرِ عارفاں (۹)-گلشنِ قلندریہ (۱۰)-اردو زبان و ادب: عہد مغلیہ میں وغیرہ۔

ان کتابوں کی روشنی میں ملّا احمد جیون کی حیات و خدمات اور ان کے آبا و اجداد کے مختصر احوال و کوائف کتاب کے اخیر میں پیش کیے جائیں گے۔

صحابیِ رسول حضرت عبد اللہ مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت ملّا احمد جیون قدس سرہ کا خاندانی سلسلہ شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا ابن خضر تک پہنچتا ہے۔ مخدوم خاصۂ خدا، ملّا جیون کے جد امجد اور مورثِ اعلیٰ ہیں اور مخدوم خاصۂ خدا کا شجرۂ نسب علم برادرِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت عبد العزیز مکی (عبد اللہ مکی) تک پہنچتا ہے۔

ملّا احمد جیون نے اپنے مورثِ اعلیٰ شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا کا شجرۂ نسب یوں بیان کیا ہے:

”مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا ابن خضر بن گدن بن خیر الدین بن مکرم بن عبید اللہ بن عارف بن عبد الحفیظ بن نصر بن معروف بن غلام اللہ بن ابی تراب بن عبد الکریم بن منصور بن معین الدین بن عبد القادر بن عبد العزیز بن ابی المکرم بن ابی الیسر بن شیخ عبد اللہ (عبد العزیز) المکی المنسوب الی مہتر صالح نبی اللہ و رسولہ علیہ السلام۔“(۱)

چار واسطوں سے ملّا احمد جیون کا سلسلۂ نسب مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا تک پہنچتا ہے اور وہ اس طرح ہے:

شیخ احمد جیون بن ابی سعد بن شیخ عبید اللہ بن شیخ عبد الرزاق بن شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا.....

.... تو اس اعتبار سے حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی اور ان کا خاندان ایک صحابیِ رسول سے وابستہ ہے۔ بعض اہلِ علم نے ملّا احمد جیون کو خلیفۂ اول حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان سے بتایا ہے اور آپ کو صدیقی لکھا ہے۔

موضوع کی مناسبت سے حضرت عبد اللہ مکی علم بردارِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، فارسی، ص:۱، ۲، قلمی نسخہ۔

میں ہلکی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ کتاب کے آخر میں شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا (ملّا جیون کے مورثِ اعلیٰ) اور دیگر افرادِ خاندان کے بارے میں ہم تفصیلی گفتگو کریں گے۔

حضرت عبداللہ مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار معمّرین صحابہ (لمبی عمر پانے والے صحابہ) میں ہوتا ہے۔ تاریخ وسیر اور اسمائے رجال کی کتابوں میں آپ کے فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں۔

"قصرِ عارفاں" میں مرقوم ہے کہ: "یہ چاروں حضرات (رتن ہندی، عبداللہ گجراتی، ابو محمد معمر مغربی اور عبداللہ مکی) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے۔"(۱)

ملّا احمد جیون امیٹھوی فرماتے ہیں:

"حضرت عبداللہ مکی، شاہ بدیع الدین مدار کے پیر ومرشد ہیں اور حضرت عبداللہ مکی کا سلسلۂ بیعت بلا واسطہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق عبداللہ مکی کو شیخ رمع مقدسی سے اور شیخ رمع مقدسی کو شیخ بدر الدین شامی سے اور بدر الدین شامی کو امام حسن بن علی بن ابی طالب سے بیعت وروحانیت حاصل ہے اور بعض روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ مکی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خلافت حاصل ہے۔"(۲)

ملّا احمد جیون مزید لکھتے ہیں:

"واز بعضے رسائل معلوم می گردد کہ شیخ عبدالعزیز مکی کہ علم برادرِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اند وسر حلقۂ سلسلہ قادریہ اند، ہمیں شیخ عبداللہ مکی کہ ملقب بدو لقب بود۔"(۳)

ترجمہ: بعض رسائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالعزیز مکی جو کہ علم بردارِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سلسلۂ قادریہ کے پیشوا ہیں، وہ در اصل یہی عبداللہ مکی (مخدوم خاصۂ خدا کے مورث اعلیٰ) ہیں، کیوں کہ آپ دو لقب (عبداللہ اور عبدالعزیز) سے ملقّب تھے۔

ملّا احمد جیون کی یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تذکرہ وسوانح کی متعدّد کتابوں میں عبداللہ مکی نام کے ساتھ عبدالعزیز مکی اور عبدالعزیز مکی نام کے ساتھ عبداللہ مکی کا سابقہ

(۱) قصرِ عارفاں، جلد اول، ص: ۱۰۷، مکتبہ نبویہ، لاہور۔
(۲) رسالہ تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۲۔
(۳) رسالہ تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۲۔

ولاحقہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

نزہۃ الخواطر میں عبداللہ مکی کا تذکرہ عبدالعزیز مکی کے نام کے ساتھ درج ہے۔

صحابیِ رسول حضرت عبداللہ مکی کو سلسلۂ قلندریہ کے بانی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

سید اعجاز احمد جعفری اشرفی لکھتے ہیں:

"بزرگانِ سلسلۂ قلندریہ کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے یہ لقب (قلندر) حضرت عبدالعزیز مکی الشیخ عبداللہ علم بردارِ رسول ﷺ کو خود سرکار رسالت ﷺ سے عطا ہوا............سلسلۂ قلندریہ کے جد اعلیٰ حضرت شاہ قطب بینا دل قلندر قدس سرہ اگرچہ نویں صدی کے بزرگ ہیں۔ لیکن آپ کے اور سرکار دوعالم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں (اور وہ اس طرح کہ قطب بینا دل قلندر) کے شیخ حضرت سید نجم الدین غوث الدہر قلندر تبع تابعی تھے، جن کے شیخ حضرت خضر رومی قلندر خلیفۂ حضرت عبدالعزیز مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی تھے (اور خود عبدالعزیز عبداللہ مکی صحابی تھے) جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ سلسلۂ قلندریہ کی بنا (بنیاد) حضرت عبدالعزیز عبداللہ مکی علم بردارِ (رسول) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پڑی۔ آپ ان چند مشہور معمّرین میں سے تھے جنھوں نے بہت بڑی عمر پائی اور صحابیت کے دعویٰ دار رہے۔"[1]

حضرت عبداللہ مکی یا عبدالعزیز مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمائدِ قریش میں سے تھے اور قریشی لشکروں کی علم برداری کیا کرتے تھے۔ آپ کے آباواجداد کا شمار اشرافِ قریش میں ہوتا ہے۔ اسلام لانے کے بعد سفر میں حضور ﷺ کے لشکر میں علم لے کر چلتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور مجذوب صفت ولی کامل ہیں۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے سلسلہ قلندریہ کا بحرِ فیض جاری ہوا اور لاکھوں تشنگانِ معرفت اس سے سیراب ہوئے۔ شرفِ صحابیت سے مالامال ہونے کے بعد مجاہدۂ نفس کا غلبہ ہوا اور تادمِ حیات عبادت و ریاضت اور مجاہدۂ نفس میں منہمک رہے۔ اکثر استغراق کی کیفیت آپ پر طاری رہتی اور انفس و آفاق میں گم ہو کر ہر لمحہ تجلیاتِ ربانی اور معرفت یزدانی میں کھوئے رہتے۔

ایک بار جب حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں وحی لے کر آئے تو

(۱) گلشنِ قلندریہ، ص:۴۱، ۴۲، مطبوعہ جون پور۔

حضرت عبداللہ مکی نے ان آیات کے معانی ذہن نشیں کر لیے اور تجرید و تفرید پر عمل پیرا ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپ نے سر، ابرو، داڑھی اور مونچھیں صاف کرادیں اور اس ہیئت کے ساتھ بارگاہِ نبی میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے آپ کی شکل و صورت دیکھ کر حاضرین سے فرمایا کہ یہ اہلِ جنت کی شکل و صورت ہے۔

نبی کریم ﷺ سے عبداللہ مکی نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں خلائق اور دنیاوی علائق سے دور ہو کر کسی پہاڑ کی غار میں تنہائی کی زندگی گزاروں۔ آپ ﷺ نے عبداللہ مکی کی درخواست قبول فرمائی، دعاؤں سے نوازا اور ان کی درازی عمر کے لیے خصوصی دعا فرماتے ہوئے عبادت و ریاضت کی خاطر پہاڑ کی غار میں خلوت کی زندگی گزارنے کی اجازت بھی دے دی۔ دوسرے دن چند دیگر صحابۂ کرام ابرو، سر، داڑھی اور مونچھیں صاف کرا کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: یہ دوزخیوں کی شکلیں ہیں۔ حاضرین صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کل عبداللہ مکی (عبد العزیز) بھی اسی شکل و ہیئت لے کر آئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا: یہ اہل جنّت کی شکل و صورت ہے۔ عبداللہ مکی اور ان حضرات میں کیا فرق ہے؟ حضور ﷺ فرق بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: عبد اللہ مکی کی حرکت (چار ابرو کی صفائی) ایک صاحبِ حال کی حرکت تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے سب کچھ قربان کر آئے تھے، اس لیے اسے ماجور جانا گیا اور یہ لوگ از روئے طمع و حرص اپنی شکلیں تبدیل کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ لوگ ماجور نہیں۔ (۱)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبد اللہ مکی (عبدالعزیز مکی) پر مجاہدۂ نفس کا شوق غالب تھا۔ ایک دن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ مجھے تجرید و تفرید کی اجازت دی جائے تاکہ نفس امّارہ کے ساتھ جہاد کر کے نفس کی برائیوں سے محفوظ رہ سکوں۔

حضور اکرم ﷺ نے چند بار اپنی انگلی سے ان کی طرف اشارہ فرمایا اور انگشتِ شہادت اٹھا کر فرمایا: ”جبّرو، جبّرو!“ یہ سنتے ہی عبد اللہ مکی کے بدن کے تمام بال اڑ گئے اور سر سے پاؤں تک بدن پر ایک بال بھی نہ رہا۔ بارگاہ نبوی سے تفرید و تجرید اور گوشہ نشینی کی اجازت ملتے ہی

(۱) قصرِ عارفاں ملخصًا، ص: ۱۸۶، جلد اول، مکتبہ نبویہ، لاہور، پاکستان۔

وہ شہر سے نکلے اور کوہِ انزوا کی طرف روانہ ہو گئے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانے میں آپ کوہِ انزوا سے واپس آئے۔حضرت علی سے بیعت کی، پھر کسی غار میں معتکف ہو گئے۔ تیسری صدی ہجری میں اس غار سے دوبارہ ظاہر ہوئے اور حضرت سید جمال الدین قدس سرہ (جو شیخ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے خلیفۂ خاص تھے) کی خدمت وصحبت میں داخل ہوئے۔ ان سے آپ کو ”طیفوری سلسلہ“ کی اجازت ملی۔ بعد ازاں پھر ایک بیابان میں چلے گئے اور پھر پانچویں صدی ہجری میں ظاہر ہوئے اور حضرت سید خضر رومی کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم پائی اور خلافت سے نوازے گئے۔حضرت عبداللہ مکی چھ سو سال تک زندہ رہے۔آپ کی چار قبریں ہیں، ہر قبر میں چالیس چالیس سال کھڑے رہے۔آپ کی چوتھی قبر اجودھن (پاک پٹن) میں ہے۔آپ اس قبر سے دوبارہ نہیں اُٹھے۔حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر آپ کی قبر کے قدموں میں ہے۔ (۱)

شیخ احمد علی چشتی حیدر آبادی لکھتے ہیں:

”یہ خاکسار بذاتِ خود حضرت حاجی رتن ہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تھا۔ حضرت عبد اللہ مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی بھی زیارت کی۔ ان کے مزارات سے انوارِ فیضان اور برکات کے چشمے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔“ (۲)

جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ ملّا احمد جیون امیٹھوی کے مورثِ اعلیٰ شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا کا شجرۂ نسب حضرت عبداللہ مکی تک پہنچتا ہے اور عبداللہ مکی کی قبر انور سے فیوض وبرکات کے چشمے پھوٹتے ہیں۔آپ کے فیوض وبرکات آپ کی اولاد میں بھی جاری ہوئے اور آج خود ملّا احمد جیون اور ان کے دیگر خاندانی بزرگوں کا فیضان پورے ہندوستان میں جاری ہے۔غرض کہ آپ کا پورا خاندان ہی معرفت وروحانیت اور شریعت وطریقت کے جلوؤں سے آراستہ ہے۔

إن أباها و أبا أباها

قد بلغ المجد غايتاها

---

(۱) قصرِ عارفاں ملخصًا، ص:۱۸۶،۱۸۷، جلد اول، مکتبہ نبویہ، لاہور، پاکستان۔

(۲) قصرِ عارفاں ملخصًا، ص:۱۷۳، جلد اول، مکتبہ نبویہ، لاہور، پاکستان۔

دوسرا باب

حضرت مُلّا احمد جیون امیٹھوی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا چمن میں دیدہ ور پیدا

چمنستانِ ہند میں علم و حکمت کے نوع بہ نوع پھول کھلے اور معرفت و ولایت کے ان گنت شگوفے نمودار ہوئے، جن کی نکہتوں سے آج بھی ملک کا خطہ خطہ اور قریہ قریہ معطر اور مشک بار ہے۔

عمدۃ المفسرین حضرت مُلّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ، بلاشبہہ علم ومعرفت کے ایک مہکتے ہوئے خوش رنگ پھول اور چمنِ شریعت وطریقت کے ایسے دیدہ ور ہیں، جن کی بدولت سیکڑوں افراد کو دیدہ وری کی دولت نصیب ہوئی۔ مُلّا احمد جیون جیسی مایۂ ناز ہستی اور باکمال علمی وروحانی شخصیت صدیوں بعد پیدا ہوا کرتی ہے، جسے صحیح معنوں میں چمن کا دیدہ ور بننے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

ولادتِ باسعادت:-

حضرت مُلّا احمد جیون امیٹھوی ۲۵/ شعبان المعظم ۱۰۴۷ھ/ ۲/ جنوری ۱۶۳۸ء سہ شنبہ (منگل) کو صبحِ صادق کے وقت قصبہ امیٹھی، ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

مُلّا جیون اپنی کتاب مناقب الاولیا (رسالہ تذکرہ بزرگانِ امیٹھی) میں لکھتے ہیں:

تولّدِ فقیر جیون بن ابی سعید روز سہ شنبہ وقت صبح صادق بتاریخ بست و پنج شہر شعبان المعظم سن الف و سبع و اربعین واقع شد۔ (۱)

نام و نسب:-

مُلّا جیون امیٹھوی کا اصل نام احمدؔ ہے، مگر وہ اپنے عرف جیونؔ کے نام سے مشہور ہوئے۔

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، ص:۲۷، قلمی نسخہ۔

مناقبِ اولیا جس میں خاندانی بزرگوں کے علاوہ خود ملّا جیون کی ستر سالہ زندگی کے احوال و واقعات درج ہیں، اس میں ملّا موصوف نے اپنا نام جیونؔ لکھا ہے۔ عبارت یوں ہے:

"در بیان بعضے واردات کاتب حروف فقیر جیون بن ابی سعید......."

آپ کے اصل نام احمدؔ پر عرفیت (عرفی نام جیون) غالب ہے۔ اور آپ اپنے اصل نام کے بجائے جیونؔ سے زیادہ متعارف و مشہور ہیں۔ جیونؔ یا جیّو ہندی لفظ ہے، جس کے معنیٰ اردو میں حیاتؔ اور زندگیؔ کے ہیں۔

تاریخی اعتبار سے سب سے پہلے یہ لفظ جیونؔ یا جیّو ملّا احمد جیون کے مورث اعلیٰ مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا کے نام کے ساتھ جڑا نظر آتا ہے۔ آپ کو خاصۂ خدا کا خطاب بادشاہِ وقت سے ملا تھا اور جیون نام مقامی باشندوں نے مخدوم خاصۂ خدا کو عطا کیا تھا۔ ملّا احمد جیون نے اپنے مورثِ اعلیٰ کے نام سے جڑے جیون کی مناسبت سے اپنی عرفیت جیونؔ اختیار کی اور آگے چل کر اسی نام سے مشہور بھی ہوئے۔

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی (جو خاندانِ ملّا جیون کے ایک معزز فرد ہیں) لکھتے ہیں:

"مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا کا نام "بہاء الحق" اور لقب و خطاب "خاصۂ خدا" تھا۔ یہ خطاب (خاصۂ خدا) آپ کے مورثِ اعلیٰ کے توسط سے خاندان میں رائج رہا، جو بادشاہِ وقت کا دیا ہوا تھا۔ اسی کے ساتھ "جیو" کا لفظ بھی آپ کے نام کے ساتھ جڑا نظر آتا ہے، جو انھیں (مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا کو) قصبے (امیٹھی) کے لوگوں نے عطا کیا تھا۔ شاید اسی مناسبت سے شیخ احمد (ملّا جیون) نے اپنی عرفیت "جیون" اختیار کی۔ [۱]

ملّا احمد جیون امیٹھوی کا خاندان اودھ کے قدیم علمی خاندانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کے معزز خاندان میں علم و روحانیت کا سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ ملّا جیون کا سلسلۂ نسب عمِ برادرِ رسول ﷺ، حضرت عبد اللہ مکی (عبد العزیز مکی) سے ملتا ہے، عبد اللہ مکّی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔

(۱) مشائخ امیٹھی، ص:۱۹، مطبوعہ اندور۔

حضرت ملّا احمد جیون کے جدّ اعلیٰ مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا تھے اور مخدوم خاصۂ خدا، عبد اللہ مکی (علم بردارِ رسول ﷺ) کی اولاد میں سے ہیں۔

شجرۂ نسب ملّا احمد جیون امیٹھوی:-

ملّا احمد جیون نے اپنے مورثِ اعلیٰ شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا کا شجرۂ نسب عبد اللہ مکی تک یوں بیان کیا ہے:

بہاء الحق خاصۂ خدا ابن خضر بن گدن بن خیر الدین بن مکرم بن عبید اللہ بن عارف بن عبد الحفیظ بن نصر بن غلام اللہ بن ابی تراب بن عالم بن عبد الکریم بن منصور بن معین الدین بن عبد القادر بن ابی المکرم بن ابی الیسر بن عبد اللہ مکی المنسوب بہ مہتر صالح نبی اللہ و رسولہ علیہ السلام۔ (۱)

مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا، یہ ملّا جیون کے جدِّ اعلیٰ تھے۔ چار واسطوں سے ملّا جیون کا شجرۂ نسب مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا سے مل جاتا ہے۔ اسی طرح ملّا جیون کا خاندانی تعلق عبد اللہ مکی (علم برادرِ رسول ﷺ) سے ہے اور عبد اللہ مکی کا خاندانی تعلق پیغمبر حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے ہے۔

اور ملّا جیون کا شجرۂ نسب مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا سے چار واسطوں سے اس طرح ملتا ہے:

أحمد (ملا جیون) بن أبی سعید بن عبید الله بن عبد الرّزاق بن مخدوم خاصۂ خدا.

ملّا احمد جیون کے شجرۂ نسب اور خاندانی مشائخ کے احوال و تذکرے "ملّا احمد جیون کے آباو اجداد" کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

مُلّا کی وجہ تسمیہ:-

ملّا غالبًا اسمِ فاعل مبالغہ کا صیغہ ہے اور عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی میں: ملأ، یملأ، ملأ کا معنیٰ آتا ہے: بھرنا، پُر کرنا۔ آیت کریمہ ہے:

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی قلمی نسخہ، ص:۱، ۲۔

"لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ "(۱)

ترجمہ: ہم جہنم کو تمام جنّاتوں اور انسانوں سے ضرور بھر دیں گے۔

زمانۂ قدیم بالخصوص عہدِ مغلیہ میں بڑے جیّد اور متبحر عالم کو "ملّا" کہا جاتا تھا۔ یعنی علم و حکمت سے پُر، لبالب اور بھرا ہوا عالم دین مغل عہد سے تعلق رکھنے والے مندرجہ ذیل علمائے کرام کو "ملّا" اسی وجہ سے کہا جاتا تھا کہ وہ علم و حکمت اور دین و دانش سے پُر اور بھرے ہوئے تھے۔ مثلاً ملّا حسین واعظ کاشفی (عہد ہمایوں کے عالم) ملّا عبد الحکیم سیالکوٹی، ملّا محمود جون پوری (عہد شاہ جہاں کے عالم)، ملّا قاضی محب اللہ بہاری، (عہد اورنگ زیب کے زبردست عالم)

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی کو "ملّا" کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ علم و ادب کے سمندر میں سراپا غرق تھے۔ شریعت و طریقت کے علم سے بھرے ہوئے اور حکمت و دانائی کے جامِ لبالب سے شاد کام تھے۔ بھلا قطرے کو کون پوچھتا ہے؟ وہ تو علوم و فنون کا سمندر پی کر بیٹھے تھے۔

لوگ قطرے کی بات کرتے ہیں
یہ سمندر پی کے بیٹھے ہیں

ملّا احمد جیون امیٹھوی کو "ملّا" کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے جو ابھی مذکور ہوئی اور دوسری وجہ ملّا کہنے کی یہ ہے کہ ملّا جیون کا خاندان علم و حکمت اور ولایت و روحانیت کے لحاظ سے مضافاتِ لکھنؤ میں نہایت مقبول اور مرجع عوام و خواص تھا۔ اسی لیے اس عظیم الشان خاندان کے مہتم بالشان علما و مشائخ اپنی علمی و روحانی وجاہت کے باعث کبھی "مخدوم" اور کبھی "ملّا" کے نام سے یاد کیے گئے۔

ملّا احمد جیون چوں کہ اپنے خاندانی بزرگوں کے صحیح علمی و روحانی جانشین تھے، اس لیے آپ کو بھی ملّا کے نام سے یاد کیا گیا اور آپ ملّا کے نام سے مشہور ہوئے۔

مشائخِ امیٹھی مطبوعہ اندور میں لکھا ہے کہ:

اس خاندان (ملّا جیون کے خاندان) کے افراد اپنی علمی اور روحانی وجاہت کے سبب کبھی مخدوم اور کبھی ملّا کے نام سے یاد کیے گئے۔ (۲)

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الھود، آیت: ۱۱۹.
(۲) مشائخِ امیٹھی، ص: ۵۴، مطبوعہ اندور۔

تعلیم و تربیت:-

کہا جاتا ہے کہ "والدہ کی محبت بھری گود اور والد کی آغوش شفقت اولاد کی پہلی درس گاہ ہے۔" یہی وہ درس گاہ ہے جہاں سے علم و ادب اور شعور و آگہی کی کرن پھوٹتی ہے۔ والدین مہذب، شریف، تعلیم یافتہ اور عمدہ اخلاق و کردار کے حامل ہوں گے تو لا محالہ اولاد میں ان اوصاف کا عکسِ جمیل ضرور دکھائی دے گا۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کی عمدہ تعلیم اور اعلیٰ تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں اور حتی الامکان اولاد کی تعلیم و تربیت کا بہتر انتظام کریں۔

عمدۃ المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی جس خاندان میں پیدا ہوئے، وہ قصبہ اودھ کا مشہور علمی و روحانی خاندان تھا۔ اس خاندان میں علم و حکمت اور ولایت و روحانیت کا روحانی سلسلہ صدیوں سے جاری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاندان کا ہر فرد اپنی جگہ شریعت و طریقت کا جگمگاتا ہوا آفتاب اور آداب و اخلاق کے معاملے میں رشکِ ماہتاب تھا۔

خاندانی روایت کے مطابق ملّا جیون کے والد گرامی شیخ ابو سعید بن عبید اللہ امیٹھوی نے اپنے اس ہونہار اور لائق فرزند کی تعلیم و تربیت خاص اپنی نگرانی میں فرمائی اور اعلیٰ اسلامی آداب و اخلاق کے زیور سے مزین کیا۔ غرض کہ تعلیم و تربیت، شرافت و اخلاق، حسنِ کردار، آداب شریعت اور آئینِ طریقت کے سانچے میں ڈھال کر شیخ ابو سعید نے ملّا احمد جیون کو قطرے سے سمندر اور ذرّے سے آفتاب بنا دیا۔

ملّا احمد جیون کے والد شیخ ابو سعید اپنے وقت کے جامعِ شریعت و طریقت عالمِ دین تھے۔

علم و حکمت کے ساتھ زہد و تقویٰ، دین داری و پرہیز گاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ گھر سے نکلتے وقت اپنے چہرے پر کپڑا ڈھانک لیا کرتے تھے، تاکہ کسی غیر محرم پر نگاہ نہ پڑ جائے۔ کسی کے گھر سے آئے تحفے تحائف اور کھانے کو تحقیق کے بعد ہی قبول کرتے یا تناول فرماتے۔ خصوصاً قاضی اور مفتی کے گھر کا کھانا بالکل نہیں کھاتے اور نہ اپنی اولاد کو کھانے دیتے۔ مالک کی اجازت کے بغیر معمولی سامان تک استعمال میں نہیں لاتے۔ خواہ وہ خلال کا تنکا یا استنجا کا ڈھیلا ہی کیوں نہ ہو۔ جملہ اوقات عبادت و ریاضت، ذکر و اذکار اوراد و وظائف، رشد و ہدایت، درس

و تدریس اور تلاوت قرآن پاک میں گزارتے۔ غرض کہ آپ کی پوری زندگی اتباعِ شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آپ کے تفصیلی حالات کتاب کے شروع میں بیان ہوئے ہیں، وہاں ملاحظہ کریں۔

والد ماجد کی طرح ملّا جیون کی والدہ محترمہ بھی ایک عابدہ، زاہدہ اور خدا ترس نیک سیرت خاتون تھیں۔ آپ کی والدہ اورنگ زیب عالم گیر کے داروغہ توپ خانہ نواب عزت خان کی ہمشیرہ تھیں۔ والدین کریمین کی خدمت وصحبت میں رہنے اور ان کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے نتیجے میں ملّا احمد جیون گوناگوں اوصاف وکمالات کے حامل بن گئے اور بچپن ہی سے آپ کی پیشانی پر سعادت و بزرگی کا نور جگمگانے لگا اور آگے چل کر یہی بچہ اپنے وقت کا جیّد عالم دین، بے مثال مفسر، لاجواب اصولی، اور عربی وفارسی زبان کا بلند پایہ شاعر وادیب بن گیا اور دنیا والوں کے سامنے اپنی عظمت کا بھرپور ثبوت فراہم کیا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ملّا احمد جیون نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد شیخ ابوسعید امیٹھوی سے حاصل کی۔ ملّا موصوف کو اپنے والد ماجد کی بافیض درس گاہ سے جو علمی وروحانی فیض ملا، اس کا تذکرہ آپ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"واز طفولیت بہ صحبت پدر بزرگ واز خود تربیت واقع شدہ و در مدت ہفت سالگی بہ سبب صحبت ایشاں حفظ قرآن مجید روزے گشت۔"(۱)

ترجمہ: بچپن سے والد بزرگوار کی خدمت اور تربیت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی صحبت کی برکت سے سات برس کی عمر میں کلام مجید کا حافظ ہو گیا۔

صبح بہار (ترجمہ مناقب اولیا، از: ملّا جیون) میں ملّا جیون کا یہ قول نقل ہے کہ:

"اور گو کہ قواعدِ تہجی واعراب ومہملہ ومنقوطہ کا مجھے (ملّا جیون) کچھ علم نہ تھا، لیکن بہ فضل خداوند تعالیٰ قرآن مجید شروع سے آخر تک صحیح ادا ہوتا تھا اور بعض وقت بے وسیلۂ علمِ صرف ونحو قرآن کے

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۲۷۔

معنیٰ بھی معلوم ہوجاتے تھے۔"[1]

یہ دراصل والدِ ماجد کی صحبت و خدمت اور تعلیم و تدریس کا نتیجہ تھا کہ اس ننھی سی عمر میں آپ کو علمِ صرف و نحو کا سہارا لیے بغیر قرآن کے معانی معلوم ہوجاتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد سے حاصل کی اور ۱۳/ سال کی عمر تک پدرِ بزرگوار کی صحبت میں رہ کر ہر طرح کے ظاہری و باطنی علوم و معارف سے فیضیاب ہوتے رہے اور اپنے مستقبل کو روشن اور تاب ناک بناتے رہے۔

ابھی ملّا جیون کی عمر ۱۳/ سال تھی کہ والد شیخ ابوسعید امیٹھوی انتقال کر گئے۔ والد کے انتقال کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے علمائے عصر و فضلائے دہر کی درس گاہوں میں حاضر ہوئے۔ والد گرامی کے علاوہ شیخ محمد صادق سترکھی، علامہ لطف اللہ کوڑا جہان آبادی اور مفتی محمد سعید لکھنوی سے مروّجہ علوم و فنون میں کمال حاصل کیے۔

ملّا احمد جیون اپنی تعلیمی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعد ازاں درپئے تحصیل علوم ظاہری نمودند۔ باوجود آں کہ رعایت کتب و حفظ و رعایت تقدیم و تاخیر نہ بود، امّا بکرم اللہ تعالیٰ سخن ہر کتاب و مطالعہ آں از قرار واقع مکشوف شد۔"[2]

ترجمہ: (ناظرہ و حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد) ظاہری علوم کی تحصیل شروع کی اور گو کہ کتابوں کے درس و مطالعہ میں تقدیم و تاخیر کی رعایت ملحوظ نہ تھی، لیکن پھر بھی خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر کتاب کا مفہوم سمجھ لیتا تھا اور انشراحِ صدر حاصل ہوجاتا تھا۔

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی کے بقول:

"آپ (ملّا جیون) نے چار سال کی عمر سے حسبِ قاعدہ (معمول کے مطابق) قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا اور سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کر لیا۔ جہاں تک تعلیم و تربیت کا سوال ہے تو اولاً آپ نے اپنے والد (شیخ ابوسعید) کی علمی صحبت سے فیض اٹھایا اور ان کی نگرانی میں قرآن پاک بھی حفظ کیا۔ بعد ازاں شیخ محمد صادق سترکھی اور ملّا لطف اللہ کوڑا جہان آبادی سے مختلف علوم

(۱) صبح بہار، ص:۳۶۔
(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی قلمی نسخہ، ص:۲۸۔

حاصل کیے۔ یہ سلسلہ سولہ سال کی عمر تک جاری رہا۔[1]

ملّا جیون نے بیشتر کتابیں شیخ محمد صادق سترکھی سے پڑھیں اور ۲۲/ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے، جیسا کہ نزہۃالخواطر، ج:٦، ص:۲۰/ میں مذکور ہے۔

بیعت و خلافت:-

کسی زندہ دل عالم و عارف نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ: "عالم صوفی بنو، صوفی عالم مت بنو۔" ان دونوں جملوں میں بہ ظاہر کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا، لیکن اہلِ نظر ان کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے عالم بنو، اس کے بعد صوفی بنو۔ یعنی پہلے علمِ شریعت حاصل کرو، اس کے بعد علمِ طریقت کے رموز و اسرار سے آگاہی حاصل کرو۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ تابعین (جب سے مروّجہ بیعت و ارادت اور اجازت و خلافت کی ابتدا ہوئی) سے زمانۂ ماضی قریب تک کے علما و مشائخ کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ پہلے مروّجہ علوم و فنون حاصل کر کے شریعت کے عالم بنتے ہیں، اس کے بعد طریقت کے میدان میں قدم رکھتے ہیں اور کسی صوفی صافی بزرگ اور خدا رسیدہ درویش کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر دین و دنیا کی فلاح و بہبود چاہتے ہیں۔ اور یہی طریقت کا بنیادی مقصود اور اصل مطمحِ نظر ہے۔

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کا خاندان شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھا۔ آپ کے آبا و اجداد کو مختلف سلاسل سے اجازت و خلافت اور خرقے حاصل تھے۔ شریعت کی تعلیم کے ساتھ طریقت و روحانیت کی تلقین، وعظ و ارشاد اور رشد و ہدایت میں ملّا جیون کا خاندان زمانۂ قدیم سے مشہور رہا ہے۔

"مشائخِ امیٹھی" کا یہ بصیرت افروز اور چشم کشا پیراگراف ملاحظہ کریں:

ملّا احمد جیون کے مورثِ اعلیٰ مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا کی آمد سے سرزمینِ امیٹھی علما و مشائخ، اہل اللہ اور صوفیۂ کرام کا سرچشمہ بن گئی۔ یہاں سے اکثر بزرگانِ دین اٹھے جو غایت درجے کے متقی اور بلند درجہ عالم تھے۔ ان بزرگانِ دین کے باعث اس علاقے میں علم و تقویٰ کی بنیادیں

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص:۵۹، مطبوعہ اندور۔

مستحکم ہوئیں اور امیٹھی علم و عرفان کا ایک بڑا روحانی مرکز بن گیا۔ یہاں کے علمائے سلف نے اس علاقے میں دینی و روحانی بیداری پیدا کی۔ علمِ دین کے پھیلانے میں اپنی ساری کاوشیں صرف کیں۔ ان صوفیہ کرام نے قرآنی تعلیم کی تدریس کی۔ بہت سی کتابیں اور رسالے تصنیف کیے۔ علومِ شریعت اور طریقت کے احکام واضح کیے۔ رسوماتِ کفر و شرک و معاصی کو ختم کرنے کی جدوجہد کی۔ انسانی زندگی کو دینی اور روحانی امور کے ذریعے سربلند کیا اور اپنی زندگی کو روحِ اسلام کی ترقی میں تمام کیا۔

ملّا جیون بھی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا اس خاندان کی چوتھی پشت میں شمار ہوتا ہے۔ اس طرح قصبۂ امیٹھی میں روحانی سفر برسوں جاری رہا اور کئی صاحب نظر، خدا رسیدہ، خدا شناس، اہل اللہ روحانی عرفان کی تعمیر و تزیئن میں مصروف رہے۔ ہدایتِ حق کے سرچشمے پھوٹتے رہے اور مخلوقِ خدا سیراب ہوتی رہی۔ ان بزرگانِ دین نے اپنی روحانی طاقت و کردار کی بلندی سے عوام کو روحانیت کا جام پلایا۔ کشف و کرامات کی بارش ہوئی۔ عوام نے راہِ حق کو پہچانا۔ پیری مریدی کے سلسلے چل پڑے۔ روحانی خلافتیں بحال ہوئیں۔ ہمارے ملک میں مختلف صوفیہ کرام کی آمد سے مشہور روحانی سلسلے، خرقے اور روحانی خلافتیں قائم ہوئیں، جن سے عوام نے اکتسابِ فیض کیا۔ ان میں چشتیہ، قادریہ، قلندریہ نقش بندیہ، شریفیہ اور عبدروسیہ اہم ہیں۔

شہر امیٹھی کو بھی درج بالا تمام خرقوں سے اکتساب فیض حاصل رہا ہے۔ خصوصاً مخدوم بہاء الحق کی آمد سے یہاں سلسلۂ چشتیہ قائم ہوا۔ بعد ازاں کئی سلسلے اسی خاندان میں منسلک ہوئے جن میں قادریہ نقش بندیہ، قلندریہ اور عبدروسیہ قابلِ ذکر ہیں جن کی تفصیل پچھلے باب میں پیش کی جا چکی ہے۔ غرض ان تمام خرقوں کے روحانی فیض سے یہ خطہ (امیٹھی) مالا مال ہوا۔ لوگ روحانیت سے فیضیاب ہوئے۔ اہل اللہ کے باعث یہ قصبہ ایک بڑا روحانی مرکز بن گیا اور اس خطے سے بے شمار اہل اللہ اور اولیاے وقت پیدا ہوئے۔ مخدوم بہاء الحق کی آمد سے یہ سلسلے آگے بڑھے۔ کئی خرقوں کے روحانی فیض کے باعث اس خاندان کو جو عظمت حاصل ہوئی، اسی توسط سے یہ قصبہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا۔ جن اولیاء اللہ کی آرزوؤں کے مطابق یہ قصبہ پھلتا پھولتا رہا، ان میں مخدوم بہاء الحق، مخدوم عبدالرزاق، حضرت بندگی میاں، حضرت مخدوم شیخ علیم اللہ، حضرت شیخ عبید اللہ، حضرت مخدوم شیخ ابوسعید اور حضرت مخدوم شیخ احمد عرف ملّا جیون (استاذ اورنگ زیب) قابلِ ذکر ہیں۔

غرض قصبہ امیٹھی کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس سرزمین سے کئی پایے کے مشائخ یا اہلِ اللہ اٹھے۔ جنھوں نے اپنے علم و کمال اور زہد و تقویٰ کے باعث اس علاقے کو ایک قابلِ فخر روحانی مرکز بنادیا۔ یہاں کے صوفیہ کرام کو حق تعالیٰ نے جو غیر معمولی شرف و سعادت عطا کی اس کی روشنی میں یہ خطہ فخرِ ہندوستان بن گیا۔ یہاں کے صوفیہ کرام، علمائے دینِ اسلام نے اپنی علمی و دینی اور روحانی خدمات کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کو سربلند کیا۔

میری مراد یہاں اس سلسلے سے ہے جو حضرت مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا اور ملّا جیون سے امیر علی شہید تک قائم رہا۔ یہ وہ شجرِ طیبہ ہے جس کی شاخیں تمام ہندوستان میں برگ و بار لائیں۔ یہ روحانی سلسلہ اس خاندان میں تقریباً چار سو سال سے اوپر قائم رہا۔ اس میں حضرت بہاء الحق سے لے کر امیر علی شہید تک کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب اس خاندان کی اولاد پسری و دختری میں بڑے بڑے علمائے ظاہر و باطن، صوفیہ کرام یا مفتیانِ ملت پیدا نہ ہوئے ہوں۔ [1]

جو فضائل و مناقب اور محاسن و کمالات ملّا جیون کے خاندانی علما و مشائخ کو حاصل تھے، ملّا احمد جیون بھی علیٰ وجہ الکمال ان اوصاف و کمال سے بیک وقت آراستہ تھے۔ آپ نے اپنی خاندانی روایات کو آگے بڑھایا اور اپنے آبا و اجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تادمِ حیات درس و تدریس، تعلیم و تلقین، وعظ و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں مصروف و مشغول رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں آپ کو دینی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور ہم غلامانِ ملّا احمد جیون کو ان کے فیوض و برکات سے مالا مال کرے۔ آمین۔

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی کو شریعت و طریقت کا علم اور سلوک و معرفت کی چاشنی اپنے خاندان کے جلیل القدر علما و مشائخ سے وراثت میں ملی تھی اور آپ اس کے مستحق بھی تھے۔ اپنے آبا و اجداد کے علمی و روحانی مشن کو جاری اور قائم و باقی رکھنے کے لیے ملّا جیون نے پہلے شریعت کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں اپنے والد شیخ ابو سعید امیٹھوی اور دیگر ائمۂ طریقت و مرشدانِ روحانیت سے سلوک و تصوف کا درس لیا۔ قطبِ وقت قاضی محمد صادق سترکھی سے آپ نے شریعت بھی سیکھی اور علمِ طریقت بھی حاصل کیا۔ تو اس اعتبار سے قاضی محمد صادق سترکھی شریعت اور طریقت دونوں میں ملّا

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۵۵، ۵۶، مطبوعہ اندور۔

جیون کے استاذ، مربی اور مرشد ہیں۔

ملّا احمد جیون لکھتے ہیں:

”واز اکثر مشائخ وقت تہذیبِ باطن واذ کار سلسلہ نقش بندیہ و قادریہ وچشتیہ نمودیم وارادت بہ اجازت سلسلہ قادریہ و چشتیہ از خدمت قطب الوقت استاذی مولوی حضرت میاں شیخ محمد صادق سترکھی اخذ نمودہ۔“(۱)

ترجمہ: ہم نے اکثر مشائخِ وقت سے تزکیۂ نفس، تہذیبِ باطن اور سلسلہ نقش بندیہ و قادریہ میں رائج ذکر واذکار حاصل کیے اور سلسلہ قادریہ وچشتیہ میں بیعت وارادت اور خلافت واجازت کی سند، قطبِ وقت استاذِ مکرّم حضرت شیخ محمد صادق سترکھی سے حاصل کی۔

خلافت نامہ:-

عمدۃ المفسرین، زبدۃ الکاملین حضرت شیخ احمد عرف ملّا جیون امیٹھوی ایک زبردست عالم و فاضل، مفسر و محقق اور شاعر وادیب ہونے کے ساتھ اپنے وقت کے عارف کامل، خدارسیدہ بزرگ، عابد و زاہد اور شیخ مرتاض بھی تھے۔ آپ کو مختلف سلسلوں سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ شیخ محمد صادق سترکھی کے تلمیذ اور مرید وخلیفہ تھے۔ اولاً آپ کو سلسلہ چشتیہ کی اجازت وسند شیخ محمد صادق سترکھی سے حاصل ہوئی۔ اکثر مشائخ طریقت سے اوراد ووظائف و دیگر اعمالِ صوفیہ کے آپ ماذون و مُجاز تھے۔ ۱۱۱۲ھ میں جس وقت عمر شریف ۶۶/ سال تھی، آپ زیارتِ حرمین طیبین سے مشرف ہوئے۔ یہاں دو سال تک قیام رہا۔ دریں اثنا بخاری و مسلم شریف مع شروح و حواشی کے درس و مطالعہ اور افادہ واستفادہ کا اتفاق ہوا۔ ۱۱۱۶ھ میں جب آپ ۷۰/ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے، مرشد طریقت، نبیرۂ سرکار غوث اعظم حضرت شیخ یٰسین بن شیخ عبد الرزاق جیلانی بغدادی نے آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت وخلافت سے نوازا اور میر سید محمد قادری بلگرامی کی معرفت سند اجازت یعنی ”خلافت نامہ“ ملّا جیون کو ارسال فرمایا۔ اس طرح ملّا احمد جیون دونوں مشہور سلسلے قادریہ اور چشتیہ کے مرشد وخلیفہ ہیں اور دونوں سلسلوں کے فیوض و برکات سے مالا مال ہیں۔

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، فارسی نسخہ، ص:۲۸۔

اس سلسلے میں خود ملّا جیون رقم طراز ہیں:

"ودرسن یک ہزار ویک صد و شانزدہ در آغاز سال ہفتادم مراجعت بوطن نمودیم۔ اللہ تعالیٰ خاتمہ بہ خیر کند وبعد از رسیدن وطن نبیرۂ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی شیخ یٰسین بن شیخ عبد الرزاق بن شیخ شرف الدین بن شیخ احمد بن شیخ علی بن شیخ احد بن زرفہ شیخ عبد القادر جیلانی اجازت سلسلہ قادریہ از بغداد بتوسط سیدی سندی میر سید محمد قادری بلگرامی بہ فقیر جیون فرستادہ اند۔"(۱)

خلافت نامہ کی تحریر یہ ہے:

"یقول کاتبه الشیخ یٰسین لما سألنی العالم الفاضل الشیخ أحمد المعروف بشیخ جیون إجازة السلسلة العلیة القادریة وأن یکون خلیفة هٰذه السلسلة ..... أجزته وألبسته الخرقة الشریفة کما ألبسنی والدی الشیخ عبد الرزّاق، کما ألبسه والده الشیخ شرف الدین، کما ألبسه عمه الشیخ جلال الدین، کما ألبسه ابن عمه الشیخ شهاب الدین أحمد، کما ألبسهٗ أخوه الشیخ جمال الدین، کما ألنسهٗ عمّه الشیخ شمس الدین أبو الوفاء، کما ألبسهٗ أخوه الشیخ شهاب الدین أحمد، کما ألبسهٗ والده الشیخ قاسم، کما ألبسه ابن عمّه الشیخ بدر الدین، کما ألبسهٗ والدهم الشیخ علاء الدین، کما ألبسهٗ والدهم الشیخ شمس الدین، کما ألبسهٗ والدهم الشیخ شرف الدین، کما ألبسهٗ والدهم الشیخ شهاب الدین، کما ألبسهٗ والده الشیخ عبد الباسط، کما ألبسهٗ والده الشیخ شهاب الدین أحمد، کما ألبسهٗ والده قاضی القضاة عماد الدین، کما ألبسهٗ والده أبو بکر عبد الرزّاق، کما ألبسهٗ والده القطب الزمانی محبوب الصمدانی "**شیخ عبد القادر جیلانی**" کما ألبسهٗ الشیخ أبو سعید المخزومی، کما ألبسهٗ الشیخ أبو الحسن القرشی، کما ألبسهٗ أبو الفرح الطوسی، کما ألبسهٗ أبو الفضل الیمنی، کما ألبسهٗ أبو بکر الشبلی، کما ألبسهٗ الشیخ جنید بغدادی، کما ألبسهٗ السری سقطی، کما ألبسهٗ الشیخ حبیب عجمی، کما ألبسهٗ الشیخ حسن البصری، کما ألبسهٗ أمیر المومنین

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی قلمی نسخہ، ص:۲۹۔

علی بن أبی طالب، کما ألبسهٗ "رسول الله ﷺ". [1]

خلافت واجازت سلسلہ چشتیہ:-

سلسلۂ قادریہ کے علاوہ سلسلہ چشتیہ میں ملّا احمد جیون کو اپنے استاذ و مربی قطبِ وقت حضرت شیخ صادق سترکھی سے خلافت و اجازت حاصل تھی۔سلسلہ چشتیہ میں بیعت و ارادت اور اجازت وخلافت کا شجرہ حسب ذیل ہے:

"قد لبس الخرقة الشریفة المبارکة الشیخ أحمد بن سعید (ملّا جیون) عن الشیخ محمد صادق السترکهی وهو عن الشیخ جعفر بن الشیخ نظام الدین وهو عن الشیخ نظام الدین بن یٰسین عثمانی وهو عن الشیخ المعروف عبد الواسع وهو عن الشیخ الهداد نظام وهو عن الشیخ بعد حامدشه مانك پور وهو عن الشیخ حسام الدین مانك پوری وهو عن الشیخ نور الحق والدین وهو عن أبیه الشیخ علاء الحق والدین (پنڈوی)وهو عن الشیخ عثمان سراج الدین (أخی) اودهی وهو عن الشیخ نظام الدین محمد (نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰهی) وهو عن الشیخ فرید الدین اجودهنی (گنج شکر) وهو عن الشیخ قطب الدین بختیار (کاکی) أوشی وهو عن الشیخ معین الدین (اجمیری) حسن سنجری هٰکذا إلی رسول الله ﷺ." [2]

ذہانت اور حیرت انگیز قوتِ حافظہ:-

ایک عالمِ دین اپنی تمام تر علمی مہارت کے ساتھ حیرت انگیز قوتِ حافظہ کا بھی مالک ہو، یہ کوئی ضروری نہیں۔ذہانت وفطانت، طبّاعی و درّاکی اور بے مثال قوت حافظہ ایک خاص نعمتِ الٰہی اور عطیۂ ربانی ہے، جو قسمت سے اللہ کے مخصوص بندوں کو ہی ملا کرتی ہے۔

(۱) ماخوذ از: تذکرہ بزرگان امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۹، ۳۰۔
(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی قلمی نسخہ، ص:۱۳۰۔

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ اپنے وقت کے جامع معقول ومنقول اور حاویِ فروع واصول عالم دین ہونے کے ساتھ بلا کے ذہین، طبّاع اور حیرت انگیز قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ درسی کتابوں کی مغلق اور پیچیدہ عبارتیں لفظ بہ لفظ بلا تکلف پڑھ ڈالتے۔ طویل ترین قصیدہ ایک بار سن لیتے تو وہ حافظہ میں محفوظ ہو جاتا اور وقت ضرورت زبانی سنا دیتے۔ آپ کی بے مثال ذہانت، فکرِ ثاقب اور حیرت انگیز قوتِ حافظہ کا اعتراف تقریباً سارے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔

(۱)-علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"وكان الملّا ذا حافظة قو يّة يقرأ عبارات الكتب الدرسيّة صفحة صفحة وورقا ورقا من غير أن ينظر إلى الكتاب وكان يحفظ قصيدة طو يلة بسماع دفعة واحدة."(۱)

(۲)-نواب صدیق حسن خان بھوپالی کہتے ہیں:

"كان ذا حافظة قو يّة يقرأ عبارات الكتب الدرسيّة صفحة صفحة وورقة ورقة من غير أن ينظر فى الكتاب. وكان يحفظ قصيدة طو يلة بسماع دفعة واحدة."(۲)

(۳)-مولوی فقیر محمد جہلمی کے بقول:

آپ بڑے صاحبِ حافظہ تھے۔کتابوں کی عبارت کے ورقوں کے ورق آپ کو یاد تھے۔(۳)

(۴)-ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی لکھتے ہیں:

ملّا جیون کا حافظہ قوی تھا۔آپ ذہانت میں کمال رکھتے تھے۔آپ کی ذہانت اور حافظے کا یہ حال تھا کہ آپ کسی بھی کتاب کا ایک مرتبہ مطالعہ کرتے تو اس کی عبارتیں اور تمام مفاہیم ذہن نشین ہو جاتے تھے۔آپ کو مشکل سے مشکل مضامین ایک سرسری نظر میں ازبر ہو جاتے تھے۔کسی مضمون کی گہرائی تک پہنچنے میں آپ کو نہ دقت ہوتی تھی اور نہ دیر لگتی تھی۔یہی حال قرآنِ کریم کے مطالعے

(۱) سبحة المرجان، ص: ۲۰۵، معهد الدراسات الإسلامية، علی گڑھ.
(۲) ابجد العلوم، ص: ۷۰۳، دار ابن حزم، بیروت.
(۳) حدائق الحنفية، ص: ٤٥٥، مکتبہ رضویہ، دهلی.

کا تھا۔ ۷؍سال سے کم وقفے میں حفظ قرآن کرنا، حروف و اعراب کی شناخت سے غیر آگاہی کے باوجود قرآنی رموز و قواعد کو سمجھنا اور جملہ معنیٰ و مفہوم کو سمجھ کر شروع سے آخر تک یاد رکھنا، یقیناً ان کی ذہانت اور حافظے کی ایک نادر مثال ہے۔ (۱)

ملّا جیون کی تدریسی خدمات:-

حضرت ملّا احمد جیون ایک جامع معقول و منقول اور حاویِ اصول و فروع عالمِ دین تھے۔ تقریباً ۱۰۶۹ھ میں ۲۲؍سال کی عمر میں مروجہ علوم و فنون کی تحصیل سے فارغ ہو گئے۔ بعد ازاں والد ماجد شیخ ابو سعید امیٹھوی کی مسندِ تدریس پر متمکّن ہوئے اور بے شمار تشنگانِ علوم کو بادۂ علم و حکمت سے شاد کام کیا۔ آپ کی بافیض درس گاہ سے ہزاروں تلامذہ مستفیض ہوئے اور ہر ایک نے اپنے ظرف و استعداد کے مطابق فیض پایا۔

شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالمگیر، زیب النساء بنت اورنگ زیب، فتاویٰ عالمگیری کے مرتب شیخ احمد بن منصور گوپاموی اور مفتی تابع محمد لکھنوی جیسے نابغۂ روزگار علما آپ ہی کے تلامذہ ہیں۔

ملّا جیون سے شرف تلمذ حاصل کرنے والے یہ وہ خوش بخت افراد ہیں جن کے اسما تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں۔ ان کے علاوہ خدا جانے آپ کے شاگردوں کی تعداد کتنی ہوگی۔

تذکرہ بزرگانِ امیٹھی فارسی قلمی نسخہ میں ملّا جیون لکھتے ہیں:

”ودر عمر بست و دو سالہ از تحصیل علوم معقول و منقول بہ واقعی فارغ شدیم۔ استقامت بہ درس گرفتیم۔ بسیار از طالب علمان بدرجۂ کمال رسیدہ اند و دریں اثنا یک رسالہ درعلم قراءت منتخب از شاطبی نیز واقع شد۔“

اس عبارت سے مندرجہ ذیل چار باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱)- آپ ۲۲؍سال کی عمر میں علومِ معقول و منقول سے فارغ ہو گئے۔

(۲)- بعد فراغت مستقل طور پر درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔

(۳)- دورانِ تدریس بے شمار طلبہ آپ سے فیضیاب ہو کر مرتبۂ کمال کو پہنچے۔

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۶۰، مطبوعہ اندور۔

(۴)-اسی دوران علم قراءت میں ایک رسالہ ترتیب دیا، جو شاطبی کے چیدہ اور منتخب مسائل پر مشتمل تھا۔

ایک عالمِ دین کو بسا اوقات درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے لیے مختلف مقامات کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ ملّا احمد جیون نے بھی درس و تدریس، اصلاح و تذکیر اور افادۂ عام کی خاطر مختلف مقامات کا سفر کیا اور ہر مقام پر مخلوق خدا کو فائدہ پہنچایا۔ وطنِ مالوف قصبہ امیٹھی کے علاوہ دہلی، لاہور، اجمیر، جون پور، اور حیدر آباد، دکن یہ وہ مبارک خطے ہیں، جہاں ملّا جیون کا ابرِ علم و حکمت اور بارانِ فیض و برکت جھوم جھوم کر برسا اور انھیں علم و حکمت کا لالہ زار بنا دیا۔ آپ کی صحبت و برکت سے تشنگانِ علوم سیراب ہوئے۔ عوام و خواص کے تاریک قلوب روشن ہوئے۔ بادشاہانِ وقت کو قرینۂ زندگی اور شعورِ بندگی نصیب ہوا۔ غرض کہ آپ کی ذات سے ایک جہان فیضیاب اور بہرہ مند ہوا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی لکھتے ہیں:

ملّا جیون نے درس و تدریس کی غرض سے مختلف مقامات کا سفر کیا اور اپنے چشمۂ علم سے لوگوں کو سیراب کیا۔ آپ کے پیدائشی شہر امیٹھی کے علاوہ جن جن مقامات پر آپ کے قدمِ مبارک بہ غرضِ درس و تدریس پڑے، ان میں دہلی، لاہور، اجمیر اور حیدر آباد دکن قابلِ ذکر ہیں۔ امیٹھی میں قیام کے باوجود دہلی اور اجمیر میں بھی باقاعدہ درس کا انتظام کر رکھا تھا۔ خصوصی ایام میں یہاں رہ کر پابندی کے ساتھ درس دیتے تھے اور بے شمار لوگ آپ کی تعلیم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ لاہور اور حیدر آباد دکن بھی آپ کی دینی خدمات کے اہم مقامات رہے ہیں۔ جہاں آپ کی علمی لیاقت، سادہ پسندی اور صوفیانہ روش سے اہلِ شہر متاثر تھے۔ اور بہت سے شرعی معاملات میں آپ سے استفسار کرتے تھے۔

اورنگ زیب آپ کی علمیت و لیاقت کا قائل تھا۔ مختلف دینی علوم پر آپ کی رائے حاصل کرتا تھا اور بطور استاذ آپ کی قدر و منزلت بھی کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب نے ملّا جیون کو اپنے شہزادوں کا اتالیق بھی مقرر کر لیا تھا۔ خصوصاً قیام حیدر آباد کے دوران ملّا جیون سے اورنگ زیب کی زیادہ قربت رہی، جس کا ذکر خود ملّا جیون نے اپنی خود نوشت سوانح میں کیا ہے۔ [1]

(۱) مشائخ امیٹھی، ص:۶۱، مطبوعہ اندور۔

آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز وطن مالوف قصبہ امیٹھی سے ہوا۔ امیٹھی کے بعد دہلی اور اجمیر شریف میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء میں تقریباً چالیس سال کی عمر میں ان دونوں شہروں کا سفر کیا اور ایک عرصے تک یہاں قیام پذیر رہے اور ہزاروں لوگوں کو اپنے درس و تدریس اور وعظ و نصیحت سے فائدہ پہنچایا۔

ملّا جیون اپنی خود نوشت سوانح میں لکھتے ہیں:

”و چوں عمر فقیر چہل سال رسید، اتفاق سفر دہلی و اجمیر واقع شد، مدت مدید در آں جا اقامت نمودیم۔ ہزاران ہزار خلائق از استفادہ علوم ظاہری بہرہ مند شدند و بدرجۂ کمال خود رسیدند۔“[1]

ترجمہ: چالیس سال کی عمر میں دہلی اور اجمیر کے سفر کا اتفاق ہوا اور یہاں طویل عرصے تک قیام رہا۔ دریں اثنا ہزاروں تلامذہ اور خلائق علومِ ظاہری سے استفادہ کر کے مرتبۂ کمال کو پہنچے۔

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملّا جیون کے شاگردوں اور اکتسابِ فیض والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ملک کے طول و عرض میں آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے تھے۔ آپ جدھر رخ کرتے اور جس مقام کا سفر کرتے پروانۂ علم و حکمت اس شمعِ فروزاں پر ٹوٹ پڑتے اور آپ کے نورِ علم سے اپنے ظاہر و باطن کو منور کرتے۔

”تذکرہ مشائخِ امیٹھی“ کی صراحت کے مطابق:

جگہ جگہ آپ کے شاگردوں اور قدر دانوں کے ایک کثیر تعداد پیدا ہوگئی۔ اور آپ بہ غرضِ درس و تدریس مختلف مقامات کا رخ کرتے رہے۔ اجمیر میں شاہ عالم اول نے ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء آپ سے ملاقات کی اور اپنے ہمراہ لاہور لے گیا، جہاں وعظ و تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ عالم کے انتقال کے بعد آپ دہلی واپس آگئے اور پھر یہاں سلسلۂ تدریس جاری ہوا۔ اس دینی کام کے لیے آپ نے اپنے آبائی وطن امیٹھی میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا، جس کے ذریعے طالبانِ علم کو بڑا فیض پہنچا۔ غرض کہ آپ تمام عمر رشد و ہدایت، وعظ و نصیحت اور تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ تحصیل علم کے لیے آپ کی شخصیت ایک بڑی درس گاہ تھی۔[2]

(۱) تذکرہ بزرگان امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۸۔
(۲) تذکرہ مشائخ امیٹھی، ص:۹۳، مطبوعہ اندور۔

ملّا جیون کا مدرسہ:-

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے
کہ دروے بود قیل و قالِ محمد ﷺ

ملّا جیون کے آبا و اجداد کی ساری زندگی مسجد و مدرسہ اور خانقاہ سے وابستہ رہی۔ یہ تینوں روحانی مقامات درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور تزکیہ و تصفیہ کے حوالے سے بڑی اہمیت کے حامل ہوا کرتے ہیں۔ ملّا جیون نے اپنے آبا و اجداد کے دعوتی، تدریسی اور تبلیغی مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے قصبہ امیٹھی میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جس کی بدولت طلبۂ علومِ نبویہ کو علمی و روحانی فیضان حاصل کرنے کا بہترین اور سنہرا موقع نصیب ہوا اور وہ جوق در جوق درس گاہِ ملّا جیون میں حاضر ہونے لگے اور علم و حکمت کی پیاس بجھانے لگے۔

عہدِ مُلّا جیون کی سیاسی اور تعلیمی صورتِ حال:-

تعلیمی ترقی اور علمی بالادستی کے حوالے سے ملّا جیون کا عہد بڑا تاریخ ساز عہد مانا جاتا ہے۔

سیّد آزاد بلگرامی کے قول کے مطابق:

صوبۂ اودھ..... جہاں معلّمین عصر ہر مقام پر علوم کے دروازے متعلّمین کے لیے کھولے ہوئے ہیں اور اطلبو ا العلم کی صدائیں لگاتے ہیں۔ طالبانِ علوم جوق در جوق شہر بہ شہر جاتے ہیں اور جہاں بھی بن پڑا تحصیل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ (۱)

اودھ کی دینی اور علمی تاریخ کی ورق گردانی کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خطے کا کوئی گاؤں یا شہر ایسا نہیں تھا جہاں علم کی روشنی نہ پہنچی ہو۔ مثلاً: بلگرام، سندیلہ اور امیٹھی (ملا جیون کا وطن مالوف) وغیرہ۔ یہ ایسے علم کے مراکز تھے جہاں سے علم و آگہی کے چشمے جاری تھے۔

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی ولادت ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء میں ہوئی۔ اس وقت ہندوستان پر شاہ جہاں بن جہاں گیر کی حکومت تھی۔ اس لحاظ سے ان کی عمر کے بیس سال شاہ جہانی

(۱) مآثر الکرام تاریخ بلگرام، ص: ۳۳۱، جامعۃ الرضا، بریلی۔

دورِ حکومت میں گزرے۔ شاہ جہاں اگر چہ بہت بڑے عالم و فاضل نہ تھے، مگر وہ تعلیم یافتہ، عالم ساز، دین پرور اور ادب نواز ضرور تھے۔ فنونِ لطیفہ کے بڑے شوقین تھے۔

انھوں نے اپنی ذاتی دلچسپیوں، ادبی سرپرستوں اور علم نوازیوں سے پورے ملک کو رشک شیراز و یمن بنا دیا تھا۔ وہ فخریہ لہجے میں کہا کرتے تھے: ”پورب ملک ما مملکتِ شیراز است۔“

ان کی معارف پروری اور علما نوازی کی بدولت اس عہد میں بڑے بڑے جلیل القدر علما و فضلا پیدا ہوئے۔ ملّا عبد الحکیم سیالکوٹی، ملّا محمود جون پور، شیخ دیوان عبد الرشید جونپوری (مصنّف مناظرۂ رشیدیہ)، ملّا محمد فاضل بدخشانی، قاضی محمد اسلم ہروی، قاضی محمد سعید کرمرودی، ملّا میرک، شیخ ہروی، ملّا عبد اللطیف سلطانپوری، میر محمد ہاشم گیلانی، ملّا فرید دہلوی، ملّا یوسف، ملّا عبد السلام لاہوری، مولانا محب علی، مولانا سید محمد رضوی وغیرہ۔ یہ وہ جیّد علما تھے جو علوم و فنون کے فروغ و استحکام میں بنیادی کردار ادا کرنے کے ساتھ شاہ جہانی دور کی عظمت میں چار چاند لگا رہے تھے۔

شاہ جہاں کا دور ملّا جیون کا دورِ طفولیت و آغازِ شباب ہے۔ شاہ جہاں کا زمانہ سیاسی، معاشی اور علمی لحاظ سے مغل سلطنت کا ”عہدِ زریں“ ہے۔

عہدِ شاہ جہانی کی علمی اور تمدنی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی لکھتے ہیں:

”شاہ جہاں کا زمانہ ہندوستان کی خوشحالی و فارغ البالی کا زمانہ تھا۔ اس دور میں ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ علمی و تحقیقی انکشافات کی طرف توجہ کرنے کا پورا پورا موقع تھا۔ چناں چہ باکمال ہنر مندوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور شاہ جہاں نے بھی ذاتی طور پر دلچسپی لے کر ہندوستان کو علم و ہنر کا گہوارہ بنا دیا۔ اس نے اس شان سے علما کی قدر دانی اور علم کی سرپرستی کی کہ اکبر اور جہاں گیر (دادا اور باپ) دونوں سے بازی لے گیا۔ شعرا و فضلا کے ساتھ داد و دہش اور انعام و اکرام کا جو ثبوت اس نے دیا ہے، اس کی مثال شاید ہی کسی حکمراں خاندان میں ملے......

ملّا عبد الحکیم سیالکوٹی جب جب شاہ جہانی دربار میں باریابی حاصل کرتے، صلۂ گراں (بھاری بھرکم انعام) پاتے تھے۔ دو مرتبہ روپیوں میں تولے گئے اور وزن میں جس قدر روپیہ چڑھا، ان کو مل گیا۔ ملّا میر زاہد کے والد قاضی محمد اسلم ہروی شاہ جہاں کے امامِ خاص تھے، ان کو بھی

شاہ جہاں نے روپے سے تولوایا جو تعداد میں ساڑھے چھ ہزار تھے..... شاہ جہاں ایک غیرت مند مسلمان تھا۔ اس کی مذہبیت حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے فیوض کا نتیجہ تھی، کیوں کہ وہ بچپن ہی میں ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا تھا۔ اس سے متاثر ہو کر اس نے اپنے دور میں شراب سازی اور شراب نوشی کی ممانعت کرادی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گستاخی کرنے کی سزا مقرر کی ..... اس نے بے حساب زر پاشیاں کیں اور علما کی مدد معاش کا معقول انتظام کیا۔ ان کے علاوہ کچھ تعلیمی قدم اٹھائے۔ مثلاً اکبر و جہاں گیر اور ان کے دور کے اُمرا نے جو مدرسے قائم کیے تھے، ان کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ انھیں مزید ترقی دی۔ جامع مسجد دہلی کے جنوبی گوشہ میں ایک نیا مدرسہ قائم کیا، جس کا نام ''مدرسہ دارالبقا'' تھا۔''

مسٹر کین اپنی مشہور کتاب ''مغل امپائر'' میں لکھتا ہے:

''تعلیم کی طرف رغبت ہونے اور اسے عام پسند بنانے کی خاطر بادشاہ (شاہ جہاں) نے طلبہ کے لیے ایک آنہ سے لے کر آٹھ آنہ تک یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح بادشاہ نے مدرسوں کے قیام سے فروغِ علم کا ایک زندہ جاوید سلسلہ قائم کر دیا اور علوم و فنون کے نشو و نما کا بہت بڑا ذریعہ بن گیا۔''(۱)

اسی کتاب کا ایک پیراگراف اور ملاحظہ کریں:

''شاہ جہاں کا زمانہ سیاسی و معاشی علمی و فنی ہر لحاظ سے عہد مغلیہ کا دورِ زرّیں کہلاتا ہے۔ جس طرح اور شعبوں میں ترقی ہوئی، اسی طرح علم و ادب کا شعبہ بھی خوب پھلا پھولا۔ باکمال علما و فضلا پیدا ہوئے اور نادرِ روزگار تصنیفات (کتابوں) کا گراں قدر ذخیرہ فراہم کیا گیا۔ ہندوستانی مفکرین کی طبّاعی، ذہانت اور مہارتِ فن کا چرچا عرب و عجم تک ہونے لگا اور بقول مولانا شبلی ''ہندوستان اور ایران ایک گھر کے دو آنگن ہو گئے۔''(۲)

عہدِ شاہ جہانی جو علم و ادب کا دور زرّیں تھا، یہ ملّا احمد جیون کا دورِ طالب علمی تھا۔

غرض کہ اس دور میں ہر طرف علم و ادب کا چرچا تھا اور ہندوستان کے کونے کونے میں

---

(۱) عربی زبان و ادب: عہد مغلیہ میں، ص: ۱۸۸، ۱۹۲، دانش محل، لکھنؤ۔
(۲) عربی زبان و ادب: عہدِ مغلیہ میں، ص: ۱۸۷، دانش محل، لکھنؤ۔

مدارسِ اسلامیہ کا جال بچھا ہوا تھا۔ بڑے بڑے اساطینِ علم وولایت شریعت وطریقت کے جام لٹا رہے تھے اور طالبانِ علوم نبویہ شاد کام ہو رہے تھے۔ علم وحکمت کے اس سنہرے موقع سے مُلّا احمد جیون نے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور کاملانِ وقت وفاضلانِ دہر سے ظاہری وباطنی علوم کی تکمیل کی اور عہدِ عالم گیری کے ایک ممتاز بلکہ عبقری عالمِ دین کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔

جہاں تک سیاسی حالات کی بات ہے تو شاہ جہاں کے دور میں بہت سارے ایسے سیاسی واقعات رونما ہوئے، جن سے ملکی امن وامان کی فضا مکدر ہوئی اور مجموعی اعتبار سے ملک کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ خاص طور سے شاہ جہاں کے لڑکوں کے درمیان جنگ و جدال، نفرت و عداوت، کھینچا تانی اور آپسی رسی کشی نے ہندوستان کو ایک نازک موڑ پر لاکر کھڑا کر دیا تھا۔ بعد میں اورنگ زیب عالم گیر کی قائدانہ بصیرت اور سیاسی حکمت علمی نے حالات کو قابو میں لایا۔

جناب اشفاق علی صاحب لکھتے ہیں:

”شاہ جہاں کے چار لڑکے تھے: دارا، شجاع، اورنگ زیب اور مراد۔ دو لڑکیاں: جہاں آرا اور روشن آرا تھیں۔ اس کی بیوی ارجمند بانو بیگم جو آصف خان کی بیٹی اور مرزا غیاث ایک ایرانی نژاد امیر کی پوتی تھی نور جہاں کی بھتیجی تھی، اس طرح یہ خاندان آٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ اس میں جو پہلا تہذیبی تجربہ ہوا، وہ یہ تھا کہ داراشکوہ صوفی مزاج تھا (داراشکوہ صوفی مزاج کم اور الحادزدہ زیادہ تھا) اور ہندوستانی ادب وثقافت سے حد درجہ دلچسپی رکھتا تھا۔ شجاع ایرانی تہذیب سے متاثر تھا اور اورنگ زیب کا میلان خالص مذہب کی طرف تھا۔ مراد کی طبیعت کا جھکاؤ عیش وعشرت کی طرف تھا۔ جہاں آرا، داراشکوہ کی طرف تھی اور روشن آرا کا رجحان اورنگ زیب کی طرف۔

شاہ جہاں کی اولاد کے ان مختلف رجحانات نے بڑے بڑے تاریخی فیصلے کیے، جن کا اثر خانہ جنگی کی صورت میں ظاہر ہوا، اور ملک کی اقتصادی حالت بگڑ گئی۔ اس دور کے ایک شاعر بہشتی نے ”آشوب نامہ ہندوستان“ کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی تھی، جس میں اس نے ”سوانح در اثنائے ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء کہ دریں عالم کون ومکاں ظہور آمدہ“ کے عنوان کے تحت مختلف طبقوں کی اقتصادی بدحالی، پیشوں، صنعتوں کی بے رونقی، تجارت کی بربادی اور عام بے روزگاری کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

(۱) مُلّا جیون کے معاصر علما، ص: ۳۰،۳۱۔

یہ وہ دور تھا جب ملّا جیون کی عمر تقریبًا بیس سال کی تھی، اور وہ مروّجہ علوم و فنون سے فارغ ہو کر تصنیف و تالیف کے لیے تیار ہو چکے تھے۔

ملّا جیون کے فکر و فن کو پروان چڑھنے، ان کی تہ دار شخصیت کو پنپنے اور مرکزِ توجہ بننے کا زمانہ در اصل اورنگ زیب عالم گیر کا زمانہ ہے۔ عہدِ عالم گیری میں ملّا جیون کی تدریسی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں اور ان کی علمی اور تصنیفی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا تھا۔ عہد ملّا جیون کی تعلیمی صورتِ حال بڑی خوش کن اور اطمینان بخش تھی۔ (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا) اکبرؔ، جہاں گیرؔ اور شاہ جہاںؔ کے زمانے کی تمام تر خوبیاں اور خوش حالیاں عالم گیر کے زمانے میں عود کر آئی تھیں اور پورا ملک تعلیمی، تہذیبی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے ایک یادگار اور زرّیں عہد بن گیا تھا۔ تعلیم و تدریس کا بازار گرم تھا۔ دین و شریعت کا بول بالا تھا۔ تمدنی ترقی، ثقافتی اثرات اور ملکی اصلاحات کا دائرہ دن بہ دن وسیع ہو رہا تھا۔ جگہ جگہ دینی مدارس قائم تھے۔ مساجد و مقابر اور خانقاہوں کی از سرِ نو تعمیر ہو رہی تھی۔ رعایا اور باشندگانِ ملک خوش حال زندگی گزار رہے تھے۔ یتیموں، بیواؤں، معذوروں اور پریشان حال لوگوں کی کفالت اور پرورش و پرداخت کے لیے حکومت کی طرف سے معقول انتظامات تھے۔

اورنگ زیب عالم گیر نے بڑے جاہ و جلال اور کمال حکمت و تدبر کے ساتھ ۵۰/ سال تک حکومت کی ہے۔ ان کی زندگی کا نصفِ اول حصہ شمالی ہند میں اور دوسرا نصف حصہ جنوبی ہند میں بسر ہوا۔ زندگی کا بیشتر حصہ جنگوں کی نذر ہو گیا اور وہ کیمپوں، خیموں اور کبھی کبھی مٹی کے کانوں میں زندگی کے لمحات گزارے۔ عالم گیری عہدِ حکومت میں دہلی اور اورنگ آباد، علوم و فنون، آرٹ اور ثقافت کے دو بڑے مرکز تھے۔ علما، فضلا، ادبا، شعرا اور دیگر فن کار ان مرکزوں پر جمع ہونے لگے۔ دہلی اور اورنگ آباد کے علاوہ صوبائی راجدھانیوں کو بھی ایک طرح کی مرکزیت حاصل تھی۔ جن میں لاہور، سری نگر، الٰہ آباد ٹھٹھ اور عظیم آباد یعنی پٹنہ (بہار) خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

غرض کہ اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں علوم و فنون کو جس قدر فروغ و استحکام حاصل ہوا ہے، اس سے عہدِ عباسی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور ہندوستان جنت نشان سمرقند و بخارا کے مثل علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کے اجالوں سے جگمگانے لگتا ہے۔

کتاب "عربی زبان وادب: عہدِ مغلیہ میں" کا یہ اقتباس بغور مطالعہ کریں:

اورنگ زیب عالم گیر کی زندگی ایک مصروف اور بھرپور زندگی تھی۔ ایک قومی ناخدا کی طرح اس کی نظر اجتماعی زندگی کے تمام جزئیات پر تھی۔ ہندوستان کو سیاسی و ثقافتی، تہذیبی وعلمی گہوارہ بنانے میں کوئی تدبیر ایسی نہ تھی، جو اس آزمودہ کار (اورنگ زیب) نے نہ اپنائی ہو... اورنگ زیب خود بڑا عالم تھا اور اس نے اپنی ساری اولاد کو نہایت اعلیٰ تعلیم دلائی تھی۔ بھلا ایسا شخص تعلیم جیسے شعبہ کی طرف سے کیوں کر غفلت برت سکتا ہے؟ اس کے دور میں سندھ، سیالکوٹ وغیرہ علوم وفنون کے مرکز رہ چکے تھے۔ ٹھٹھ میں مدرسوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ فقہ وفلسفہ اور سیاست جیسے عصری علوم کا چرچا تھا۔ سیالکوٹ سے علم وفن کی ایسی لہریں اٹھیں، جنھوں نے پورے طور سے ملک کو متاثر کیا۔ ملّا عبدالحکیم اور ان کے خلف رشید ملّا عبداللہ سیالکوٹی نے وہ تدریسی سلسلہ قائم کیا کہ مشرق سے مغرب تک صرف انھیں کی حکمرانی تھی۔ گجرات بھی ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔ اورنگ زیب اسے "زینت ہندوستان" کہا کرتا تھا۔ اس کے دور کی تاریخوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیم و تدریس کی جس قدر ترقی عالمگیر کے زمانہ میں ہوئی، اتنی کبھی کسی عہد میں نہیں ہوئی۔ ہر ہر شہر اور قصبے میں علما و فضلا کے وظائف اور روز ینے مقرر تھے، جس کی وجہ سے وہ مطمئن ہو کر تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے تھے۔

مآثر عالم گیری میں ہے:

"در جمیع بلاد و قصبات ایں کشور وسیع فضلا و مدرسان رابہ وظائف لائقہ از روزانہ و املاک مؤظف ساختہ برائے طلبۂ علم وجوہ معیشت در خود حالتِ استعداد مقرر فرمودہ اند۔"

شاہانہ الطاف و عنایات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں تعلیم گاہیں قائم ہو گئیں اور ہر طرف علم و عمل کے ترانے گونجنے لگے۔[۱]

اورنگ زیب کی زندگی کا زیادہ تر حصہ اگرچہ جنگوں میں گزرا، پھر بھی اس کا دور علم و ثقافت کے لحاظ سے تاریخ کا ایک سنہرا دور کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ مغل بادشاہوں میں یہ بادشاہ اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے بہت ممتاز ہے۔ اس کو علم سے بے حد شغف تھا۔ علما کی قدر دانی

(۱) عربی زبان وادب: عہدِ مغلیہ میں، ص: ۲۳۲، دانش محل، لکھنؤ۔

اور ان کی سرپرستی میں اس نے دل کھول کر خرچ کیا۔ اس کے دور میں طالبانِ علم کو ہر قسم کی سہولتیں حاصل تھیں۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ اس نے گجرات کے دیوان مکرمت خان نیز قلمرو کے دوسرے افسروں کو یہ حکم بھیجا کہ میزان سے لے کر کشاف تک جتنے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ان سب کو اساتذہ اور مقامی صدر کی منظوری سے مالی امداد دی جائے۔ زراعت، ہندسہ، تشریح اعضا، تاریخ، ریاضیات، طبیعات وغیرہ علوم فارسی میں پڑھائے جاتے تھے۔

سنسکرت کے طلبہ کو دیاکرن، نیائے، ویدانت، اور پاتنجل کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔

عربی کی تعلیم مدارس میں لازمی تھی، جس کے ذریعہ صرف و نحو، بلاغت، ادب، منطق، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف اور فلسفہ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مکتبوں اور مدرسوں میں ضبط و نظم بدرجۂ اتم ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ تعلیم کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ علوم پڑھا دیے جائیں، بلکہ طلبہ سے پابندی نماز کرانا، ان کو آداب و اخلاق کی تعلیم دینا بھی ضروری تھا۔

معلّم، معاشرے میں بہت عزت و احترام رکھتا تھا اور قاضیوں اور مفتیوں کا انتخاب بھی اعلیٰ درجہ کے معلّمین ہی کے ذریعہ کیا جاتا تھا۔ چوں کہ مدرسے تقریباً سکونتی تھے۔ اس لیے معلّم اور متعلّم ایک جگہ رہ کر ایک دوسرے کی صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔ امتحانات باقاعدہ ہوتے تھے، لیکن ان کا طریقہ بہت سادہ تھا۔ معلم خود ہی طلبہ کا امتحان لیتا تھا۔ اور جو اہل ہوتا تھا اسے بالائی درجہ میں ترقی دے دی جاتی تھی۔ بدذوق، نالائق اور شریر بچوں کو کوڑے سے سزا دی جاتی، جرمانہ بالکل خارج از بحث تھا۔ ہندو طلبہ کے لیے بھی مدرسہ کے دروازے کھلے رہتے تھے، اور ان کے دھارمک (مذہبی) مضامین بھی نصاب تعلیم میں شامل تھے۔

ایک طرف بادشاہ اور ان کی حکومتیں، امرا اور ان کی جاگیریں بے شمار مکاتب و مدارس کی خود کفیل تھیں اور دوسری طرف ملک میں تعلیمی اوقاف کی وہ بھرمار تھی کہ وہ اوقاف اگر آج بھی موجود ہوتے، تو شاید ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی تعلیم کے لیے کسی حکومت کا محتاج ہونے کی ضرورت نہ پڑتی۔ بنگال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے پورے رقبہ کا چوتھائی حصہ، تعلیمی، مذہبی اوقاف پر مشتمل تھا۔ ان ہی اوقاف کی آمدنی سے تمام تعلیمی ادارے چلتے تھے۔ اس عہد میں بے

شمار کتابیں لکھی گئیں۔ اسی کی ایک دین "فتاویٰ عالم گیری" کی تدوین ہے۔[1]

اورنگ زیب عالم گیر کو اپنی پچاس سالہ مدّتِ حکومت میں کبھی چین و سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ ابھی ایک مُہم سے فارغ بھی نہیں ہوپاتے کہ دوسری مُہم دستک دینے لگتی اور اورنگ زیب اسے سر کرنے میں لگ جاتے۔ دکن کی نظامت کے دوران مختلف اوقات میں لڑائیاں، بندیل کھنڈ، بلخ، اور بدخشاں کی جنگ، قندھار کی مہم، گولکنڈہ اور بیجاپور کی جنگ اور فتح، باپ بیٹے کا اختلاف، برادرانہ رسّہ کشی اور ان کے ساتھ غیر مسلم طاقتوں کی معاندانہ روش وغیرہ۔

"مقدمہ رقعاتِ عالم گیر" میں ان سارے واقعات کی تفصیلات موجود ہیں۔

عہدِ ملّا جیون میں ملک کے یہ سیاسی حالات تھے اور ملّا جیون ان میں سے بعض واقعات کے عینی شاہد بھی ہیں۔ ملّا جیون اپنی سادگی اور خلوت پسندانہ طبیعت کے باعث دنیاوی جھمیلوں اور سیاسی بکھیڑوں میں الجھے بغیر خاموشی کے ساتھ تعلیمی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کی انجام دہی میں مشغول رہے۔ بادشاہانِ وقت سے صرف اس حد تک آپ کے تعلقات وابستہ رہے کہ غریبوں اور حاجت مندوں کی عرضیاں، بادشاہوں تک پہنچا دیتے اور تکمیلِ حاجات کی ان سے درخواست کرتے۔ بادشاہِ وقت آپ کی علمی و روحانی قدروں سے متاثر ہو کر آپ کی سفارشات قبول کرتے اور اس طرح ہزاروں افراد ملّا جیون کی کوششوں سے مالا مال ہوتے۔

علاوہ ازیں ملّا موصوف بادشاہوں اور شہزادوں کو خلافِ شرع امور کے ارتکاب پر ٹوکتے اور انھیں متنبّہ کرتے اور شریعتِ مطہرہ کے اصل حکم سے آگاہ کرتے اور شاہانِ وقت کو مفید مشوروں سے نوازتے۔ غرض کہ دینی اور مذہبی اعتبار سے ملّا جیون کا عہد بڑا شاندار عہد ہے اور سیاسی اعتبار سے بعض ناخوش گوار حالات کے باوجود عہدِ ملّا جیون ایک کامیاب اور اطمینان بخش عہد ہے۔

عہدِ ملّا جیون کا تعلیمی نصاب:-

کسی بھی عظیم شخصیت کی تعلیمی لیاقت اور علمی وجاہت کا اندازہ لگانے کے لیے اس عہد کی تعلیمی صورتِ حال، اور علمی سرگرمیوں کے ساتھ اس عہد کے تعلیمی نصاب کا تذکرہ ناگریز ہوتا ہے۔

(۱) ملّا جیون کے معاصر علما، ص:۳۹،۴۱۔

عہد ملاّ جیون کے تعلیمی نصاب کے حوالے سے محمد اشفاق علی رقم طراز ہیں:

نصابِ درس میں جو تغیر اس سے قبل ہوا تھا، اس سے لوگوں کی امنگیں بڑھ گئیں تھیں اور معیارِ فضیلت کو اس سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنّی ہو گئے تھے۔ اس وجہ سے شاہ فتح اللہ شیرازی کے آتے ہی درس گاہوں میں نئی قسم کی چہل پہل نظر آنے لگی تھی۔ دربار اکبری نے فتح اللہ شیرازی کو عضد الملک کا خطاب دے کر اپنی قدر دانی کا ثبوت دیا اور علما نے نصاب درس کو فوراً منظور کر لیا۔

شیخ وجیہ الدین علوی (گجراتی) نے سب سے پہلے متاخرین کی تصنیفات کو رواج دیا، تو اس چشمۂ فیض سے صرف گجرات ہی فیضیاب نہیں ہوا، بلکہ اس کی پھُوار وسط ہند تک پہنچیں۔

قاضی ضیاء الدین نیوتنی کے باشندے تھے، وہ گجرات سے یہ تحفہ لے کر آئے۔ شیخ جمال نے یہ نصاب تعلیم ان سے حاصل کیا اور دور دور تک پھیلایا۔ مُلاّ لطف اللہ (مُلاّ جیون کے استاذ) شیخ جمال کے ممتاز شاگرد تھے۔ ان سے (مُلاّ لطف اللہ کوڑوی) ملاّ احمد جیون، ملاّ علی اصغر، قاضی علیم اللہ، ملاّ محمد زماں وغیرہ نے حاصل کیا، جن میں ہر ایک صاحب سلسلہ اور صاحب درس تھا۔ مفتی عبد السلام نے جو شاہ فخر اللہ کے شاگرد تھے، چالیس سال تک لاہور میں بیٹھ کر درس دیا۔ دیوہ کے مفتی عبد السلام اور الہ آباد کے شیخ محب اللہ انھیں خوش نصیب میں سے تھے، جو لاہور سے پڑھ کر آئے اور اپنے لیے مسندِ فضیلت علیحدہ قائم کر دی۔ مُلاّ قطب الدین سہالوی ان ہی دونوں کے بیک واسطہ شاگرد ہیں، جو مُلاّ نظام الدین بانی درس نظامی کے پدر بزرگوار ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۴ھ نے جو اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے۔ اپنی خواندگی (تعلیم) کی حسب ذیل تفصیل دی ہے:

نحو: کافیہ، شرح جامی۔

منطق: شرح شمسیہ، شرح مطالع۔

فلسفہ: شرح ہدایۃ الحکمۃ۔

کلام: شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی۔

فقہ: شرح وقایہ، ہدایہ (کامل)۔

اصولِ فقہ: جامی، توضیح تلویح۔

بلاغت: مختصر، مطول۔
ہیئت و حساب: بعض رسائل مختصرہ۔
طب: موجز القانون۔
حدیث: مشکوٰۃ المصابیح کل، شمائل ترمذی کل، کسی قدر صحیح بخاری۔
تفسیر: مدارک، بیضاوی۔
تصوف و سلوک: عوارف و رسائل نقش بندیہ، شرح رباعیات جامی، مقدمہ شرح لمعات غوثیہ، نقد النصوص۔

اس عہد میں منطق و فلسفہ سے شغف و انہماک بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ ہندوستان کے تمام علمی مراکز میں منطق و فلسفہ کی کتابیں درس میں بہ کثرت داخل ہونے لگیں۔ خطیب ابوالفضل گازرونی اور عماد الدین محمد طاری جب گجرات اور امیر فتح اللہ شیرازی بیجاپور پہنچے اور اپنے ساتھ صدر الدین شیرازی فاضل مرزاجان کی کتابیں ساتھ لائے تو لوگوں نے ان کتابوں کو بڑے شوق سے قبول کیا۔

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی اِن میں بڑے مشہور عالم گزرے ہیں۔ انھوں نے نصاب درس میں فلسفہ و حکمت رائج کیا، وہ بہت طویل مدت تک درس و افادہ کی مسند پر متمکّن رہے۔ ان کے بہت سے شاگرد عالم و فاضل بن کر نکلے۔ جن میں قاضی ضیاء الدین نیوتنی بھی ہیں۔ ان کے بیٹے شیخ جمال کوڑوی اور ان کے شاگرد لطف اللہ کوڑوی ہیں۔ شیخ لطف اللہ کوڑوی کے شاگردوں میں شیخ احمد بن ابی سعید امیٹھوی، (ملّا جیون) شیخ علی اصغر قنوجی، قاضی علیم اللہ کچندوی اور شیخ محمد زماں کاکوروی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی جگہ درس و تدریس کی مسند آراستہ کی اور طلبہ کو علم و حکمت سے سیراب کیا۔ (۱)

مغل عہد بالحضور اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے میں علم و ادب اور حکمت و دانش کے اہم مراکز میں صوبۂ اودھ کا ایک مشہور علمی خطّہ امیٹھی بھی تھا، جہاں ملّا احمد جیون کے اجداد و مشائخ اور خود ملّا جیون مدرسہ کھول کر بیٹھے ہوئے تھے اور اطلبوا العلم کی صدائیں لگا رہے تھے۔

آپ کے مدرسے کی پوری تفصیل تو معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ تاریخ کی کتابوں سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ ملّا جیون نے قصبہ امیٹھی میں بہ غرض تعلیم و تربیت ایک دینی ادارہ اور مدرسہ قائم کیا

(۱) بحوالہ ملّا جیون کے معاصر علما، ص:۴۹، ۵۱۔

تھا اور اس میں آپ درس دیا کرتے تھے۔

ملّا جیون کے مدرسہ کے بارے میں مرزا یار جنگ سمیع اللہ بیگ لکھتے ہیں:

''میں نے بچپن میں اپنے چھوٹے سے قصبہ میں مکتبوں کی جو تعداد دیکھی ہے، اس کی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کی تعداد موجودہ پرائمری اسکولوں سے کم نہ ہوگی۔ اس قصبہ امیٹھی میں ایک ویران سنسان مقام ہے، جہاں کچھ عرصے پہلے بلا سقف دیواریں کھڑی تھیں، اور اب تو شاید بنیاد کے نشانات رہ گئے ہیں۔ پرانے لوگ اسی کو وہ مقام بتاتے ہیں، جہاں طلبہ دور و دراز مقامات سے آکر قیام کرتے تھے اور ملّا جیون مرحوم، جن کو ایک زمانے تک اورنگ زیب کے استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہوا تھا، درس دیا کرتے تھے۔ یہ اس قصبہ (امیٹھی) کے ان کھنڈروں میں سے ہے جس کو ہم لوگ (اہلِ قصبہ) حسرت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں۔ ہم اس کو اپنے قصبہ کا پرانا کالج سمجھتے ہیں۔[۱]

اشفاق علی رقم طراز ہیں:

''ملّا جیون کی معلّمی محدود معلّمی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک تاریخ ساز معلّمی تھی۔ ان کی معلّمی عوام سے شروع ہو کر بادشاہِ وقت اورنگ زیب کی ذہنی ساخت تک پر اثر انداز ہوئی۔ وہ ایک قصبہ کی فضا سے نکل کر دہلی کی ثقافتی مرکزیت میں اپنی اہمیت کو ظاہر کر سکتی اور پھر دکن کو بھی متاثر کیا۔ اس طرح وہ (ملّا جیون کی معلمی) ہندوستان گیر ہو کر غیر ممالک پر بھی اثر انداز ہوئی۔''[۲]

بلا مبالغہ حضرت ملّا احمد جیون کی ذاتِ ستودہ صفات علم و حکمت، دین و دانش اور فکر و عمل کا پیکرِ جمیل تھی۔ خلوص و مروّت، زہد و تقویٰ اور شفقت و رافت آپ کی پر وقار شخصیت کے لازمی اجزا ہیں۔ عمل پیہم، جہدِ مسلسل، ایثار و قربانی، بلند حوصلگی، عالی ظرفی، کردار کی بلندی، عالمانہ وقار اور قلندرانہ مزاج آپ کی تہہ دار شخصیت کے مختلف صفات ہیں۔ درس و تدریس، تعلیم و تلقین اور وعظ و تبلیغ آپ کی حیاتِ مستعار کے قیمتی جوہر اور اہم کارنامے ہیں۔ درس و تدریس اور معلمی کے فرائض آپ عبادت سمجھ کر انجام دیتے۔ اس کام سے آپ کو اتنا شغف تھا کہ جس دن آپ کا وصال ہوا، اس دن بھی

(۱) ملّا جیون کے معاصر علما، ص: ۵۲۔

(۲) ملّا جیون کے معاصر علما، ص: ۴۹۔

درس و تدریس کا مشغلہ جاری تھا۔ اس طرح آپ نے پوری زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف وعظ وارشاد اور پند و نصیحت میں گزاری۔

جون پور میں قیام:

ابتدائی مرحلے میں قصبہ امیٹھی ہی ملّا جیون کے فکر و عمل اور تدریس و تبلیغ کا مسکن رہا اور اسی پاک سرزمین سے آپ کا علمی فیضان چار سُو عام ہوا۔ بعدِ ازاں ایک طویل مدّت تک شیرازِ ہند جون پور میں قیام کیا۔ آپ یہاں طالب علم اور متعلّم کی حیثیت سے رہے یا پھر معلّم و مدرّس کی حیثیت سے؟ یہ گوشہ پردۂ خفا میں ہے۔ تذکرہ و سوانح کی کتابوں میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔

بہر حال! اتنا متحقق ہے کہ آپ کا قیام ایک عرصے تک جونپور میں رہا۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کو "جون پوری" کہنے اور لکھنے لگے۔

سید اقبال احمد جون پوری لکھتے ہیں:

"آپ کا خاندان یا خود آپ (ملّا جیون) کب جون پور آئے؟ تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔"(۱)

آپ کی مایہ ناز تصنیف "تفسیرات احمدیہ" اس میں مصنف کے نام ملّا احمد جیون کے ساتھ جونپوریؔ لکھا ہوتا ہے، جس سے ناظرین یہ سمجھتے ہیں آپ کا اصل مولد و مسکن "جون پور" ہے۔ جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ عرصۂ دراز تک قیام کرنے کی وجہ سے آپ کو "جون پوری" لکھا جاتا ہو۔

بعض قرائن اور تاریخی شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملّا احمد جیون معلّم اور مدرس کی حیثیت سے جون پور میں مقیم تھے۔ کیوں کہ اس زمانے میں جون پور علم و حکمت اور دین و دانش کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے علما و مشائخ اور فاضلانِ دہر یہاں جلوہ فرما تھے، جن کی علمی وجاہت کا شہرہ سن کر طلبۂ علومِ اسلامیہ کشاں کشاں جون پور آتے اور اپنی علمی و روحانی پیاس بجھاتے۔ بھلا ملّا جیون جیسے متبحر عالمِ دین اور بے مثال فاضل اس مرکزِ علم و ادب جون پور سے دور کیسے رہ سکتے تھے؟ اس لیے آپ

(۱) تاریخ سلاطینِ شرقی اور صوفیۂ جون پور، ص: ۱۲۶۲، شیرازِ ہند پبلشنگ ہاؤس، جون پور۔

نے بھی معلّم کی حیثیت سے جون پور میں قیام فرمایا اور طالبانِ شریعت وطریقت کو فیضیاب کیا۔

آپ کے مورثِ اعلیٰ مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا امیٹھوی نے بھی ایک زمانے تک جون پور میں قیام کیا تھا اور عارف باللہ حضرت شیخ محمد بن عبد العزیز جون پوری کی خدمت وصحبت میں رہ کر تصوف وسلوک کے مراحل طے کیے تھے۔ مخدوم خاصۂ خدا کو اپنے مرشد کا آستانہ اور جون پور کی علمی وروحانی فضا اس قدر عزیز تھی کہ وہ یہاں سے اپنے وطن مالوف امیٹھی جانے کے لیے کسی بھی صورت تیار نہ تھے۔ آپ کے بڑے بھائی شیخ سعد اللہ امیٹھوی بڑی منت سماجت کر کے آپ کو جون پور سے امیٹھی لے گئے تھے۔ جیسا کہ ملّا احمد جیون نے ”مناقبِ اولیا، معروف بہ تذکرہ بزرگانِ امیٹھی“ میں لکھا ہے۔

ملّا احمد جیون امیٹھوی جون پور میں قیام کر کے گویا ایک طرح سے اپنے جدّ اعلیٰ کی سنت پر عمل کر رہے تھے اور اپنے باپ دادا کی یاد تازہ کر رہے تھے۔

شاہ جہاں بن جہاں گیر کو جب اپنے لختِ جگر اورنگ زیب عالم گیر کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے لیے اتالیق (مدرس ومعلّم) رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو انھوں نے ہر طرف نظر دوڑائی اور اس سلسلے میں کافی غور وخوض کیا۔ بالآخر شیرازِ ہند جون پور کے حاکم کو پیغام بھجوایا کہ ”شہزادہ اورنگ کی تعلیم وتربیت کے لیے کسی جیّد عالمِ دین اور خدا رسیدہ بزرگ کا انتخاب کر کے دہلی بھیجو۔“

اس وقت ملّا احمد جیون جون پور ہی میں مقیم تھے، حاکمِ جون پور کو ملّا جیون کے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور سادہ مزاجی کا پہلے سے علم تھا اور وہ ملّا صاحب کے بڑے قدر داں تھے۔ انھوں نے بادشاہِ وقت کا فرمان سنایا اور شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم وتربیت کے لیے آپ کو دہلی جانے کا مشورہ دیا۔ اولاً آپ نے انکار کر دیا، پھر بعد میں راضی ہو گئے اور شہزادہ اورنگ زیب کو ذرّے سے آفتاب بنانے کی خاطر آپ دہلی روانہ ہو گئے۔ اورنگ زیب عالم گیر کی شخصیت کو عظیم اور قدر آور بنانے اور انھیں ظاہری وباطنی کمالات سے مزین کرنے میں آپ کے عظیم المرتبت استاد حضرت ملّا احمد جیون کی کاوشوں کا بڑا دخل ہے۔ دربارِ اورنگ زیب میں ملّا جیون کو بڑا تقرّب اور اثر ورسوخ حاصل تھا، آپ قدم قدم پر اورنگ زیب کی اصلاح فرماتے اور اپنے اس ہونہار شاگرد کو بیش قیمت ہدایات سے سرفراز فرماتے۔

اورنگ زیب کی تعلیم وتربیت کے لیے ملّا جیون کے سفرِ دہلی کی روداد ملاحظہ فرمائیں:

سید اقبال احمد قادری جون پوری لکھتے ہیں:

''تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ جب شاہ جہاں بادشاہ کو شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم وتربیت کے لیے ایسے استاذ کی ضرورت ہوئی، جو علومِ ظاہری کے علاوہ اخلاق وعادات اور آدابِ نبوی کے طریقے پر تعلیم دے سکے۔ استاذ کی تلاش ہوئی، مگر کوئی ان شرائط کو پورا نہ کر سکا۔ پھر جون پور پر نظر پڑی اور حاکمِ جون پور کو بلایا اور بادشاہ نے اپنا منشا ظاہر فرمایا۔ حاکمِ جون پور کو حضرت ملّا جیون سے ذاتی واقفیت تھی اور آپ کے زہد وورع کی وجہ سے بہت عقیدت مند بھی تھا۔ درباری علما سے مرعوب ہو کر حضرت ملّا جیون صاحب کے بارے میں کچھ عرض نہ کر سکا اور جون پور واپس آیا اور حضرت ملّا جیون کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ آپ نے دہلی جانے سے صاف انکار کر دیا۔ الغرض حاکمِ جون پور نے بڑی منت وسماجت کر کے آپ کو راضی کیا اور دہلی لے جا کر دربار میں پہنچا اور بادشاہ کے سامنے آپ کی بے حد تعریف وتوصیف فرمائی اور علم وفضل اور کمال کے بہت سے واقعات بیان فرمائے۔ بادشاہ (شاہ جہاں) ملّا جیون کو دیکھتے ہی گرویدہ اور آپ کی سادگی پر قربان ہو گیا۔

حضرت ملّا جیون ایک سیدھے سادے مسلمان، موٹے گاڑھے کپڑے میں ملبوس، دنیا کی ہر فطرت سے ناواقف، پابندِ شریعت اور دل اللہ کے ذکر میں مشغول، السلام علیکم! بلند آواز سے کہہ کر دربار میں کھڑے ہو گئے۔ نگاہِ سلطانی نے کئی بار اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ شہزادہ اورنگ زیب (عالم گیر) بلایا گیا، استاذ شاگرد سے ملائے گئے۔ شہزادے نے استاذ سے مل کر بادشاہ کے حضور میں کچھ کہا۔ شہزادہ آپ کو لے کر شاہی محل میں چلا گیا۔ حضرت ملّا جیون صاحب کو اتالیقی (بچوں کو پڑھانے لکھانے کا کام) عطا کیا گیا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ، وزرا، امرا اور تمام اراکین سلطنت حضرت ملّا جیون کے معتقد اور ارادت مند ہو گئے۔''(۱)

دہلی اور اجمیر کا سفر:-

ملّا جیون قدس سرہ ۲۲ رسال کی عمر میں مروّجہ علوم وفنون کے درس ومطالعہ سے فارغ التحصیل

(۱) تاریخِ سلاطینِ شرقی اور صوفیۂ جون پور، ص: ۲۶۵، شیرازِ ہند پبلشنگ ہاؤس، جون پور۔

ہو گئے تھے۔ ایک زمانے تک قصبہ امیٹھی میں مسندِ تدریس آراستہ کرکے ہزاروں تشنگانِ علوم کو سیراب کیا۔ بعد ازاں چالیس سال کی عمر میں دہلی اور اجمیر کا سفر کیا۔ یہاں ایک لمبی مدت تک قیام کیا اور ہزاروں طلبہ کو علم وادب کی خیرات سے شاد کام فرمایا۔

اس سلسلے میں آپ خود لکھتے ہیں:

"و در عمر بست و دو سال از تحصیل علوم معقول و منقول بواقعی فارغ شدیم و استقامت بدرس گرفتیم۔ بسیارے از طالبِ علمان بدرجۂ کمال رسیدہ اند...... وچوں عمرِ فقیر ہذا بچہل رسید، اتفاق سفر حضرت دہلی و اجمیر واقع شد، مدتِ مدید در آں جا اقامت روے داد۔ ہزاران ہزار خلائق از استفادہ علومِ ظاہری بہرہ مند شدند۔"(۱)

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی کے بقول:

شہر امیٹھی کے علاوہ جن جن مقامات پر آپ کے قدمِ مبارک بہ غرضِ درس و تدریس پڑے، ان میں دہلی، لاہور، اجمیر اور حیدر آباد (دکن) قابلِ ذکر ہیں۔ امیٹھی میں قیام کے باوجود دہلی اور اجمیر میں بھی باقاعدہ درس کا انتظام کر رکھا تھا۔ خصوصی ایام میں یہاں (دہلی و اجمیر) رہ کر پابندی کے ساتھ درس دیتے تھے اور بے شمار لوگ آپ کی تعلیم سے فیض یاب ہوتے تھے..... امیٹھی کے بعد دہلی اور اجمیر بہ حیثیت تعلیم و تدریس آپ کے اہم مقامات رہے ہیں۔ آپ نے تقریباً چالیس سال کی عمر میں ۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء میں ان شہروں کا سفر کیا اور ایک عرصے تک یہاں قیام پذیر رہ کر وعظ و نصیحت، درس و تعلیم میں مصروف رہے۔ کثیر تعداد میں لوگ آپ سے فیضیاب ہوئے۔(۲)

قیامِ دکن:-

آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ وطنِ مالوف امیٹھی میں گزارا۔ بعد ازاں جون پور میں ایک مدت تک قیام کیا۔ آپ جون پور میں کب سے کب تک رہے؟ اس کی تفصیل سے سوانح و تذکرہ کی کتابیں خاموش ہیں۔ اسی طرح دہلی، لاہور اور اجمیر میں آپ کی مدتِ قیام کے بارے میں کوئی

(۱) تذکرہ مشائخ بزرگانِ امیٹھی قلمی نسخہ، ص:۲۸۔
(۲) مشائخ امیٹھی، ص:۶۱، ۶۳، مطبوعہ اندور۔

تاریخی دستاویز نہیں ملتا۔ البتہ قیامِ دکن کے سلسلے میں آپ کی خود نوشت سوانح "مناقبِ اولیا" سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہاں چھ سال تک مقیم رہے۔

زیارتِ حرمین طیبین سے واپسی کے وقت آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہوچکی تھی، مگر اس کے بعد بھی ۶/ سال تک آپ اور اورنگ زیب عالم کی دکنی فوج میں کسی منصب پر فائز رہے۔ حکومتی عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے بے شمار افراد کو اپنی ذات سے فائدہ پہنچایا۔

تذکرہ بزرگانِ امیٹھی (قلمی نسخہ) میں لکھا ہے:

"و در سال آغاز ششتم سال از عمر باز در وقت مراجعت حرمین شریفین سیر ملک دکن واقع شد واتفاق شش سال در لشکر معلّٰی روے داد۔ واز مقتضائے الٰہی بہ بادشاہ دین پناہ حضرت عالم گیر اتفاق ملاقات وصحبت چند روزہ واقع شد۔ اکثر بندگان الٰہی بمراداتِ دنیوی فایض گشتہ۔"

اس سلسلے میں محمد اشفاق علی صاحب لکھتے ہیں:

"پانچ سال تک حرمین میں اقامت گزیں ہونے کے بعد آپ پھر دکن پہنچے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب شاہی فوج سے آپ کا تعلق ہوا اور عالم گیر کے دربار میں آپ کی رسائی ہوئی۔ وہ (اورنگ زیب) آپ کے دینی مراتب اور علمی مقام کے شایانِ شان بڑی عزت کرتا تھا اور آپ کے علم وتفقہ سے بہت متاثر تھا۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر چہ آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہوچکی تھی، مگر اس کے بعد بھی ۶/ سال تک آپ عالم گیر کی دکنی فون میں کسی منصب پر فائز رہے۔ اسی دوران یہ خیال پیدا ہوا کہ والدین کی طرف سے حج بدل کیا جائے، اِدھر اپنے والد ملّا ابو سعید کو خواب میں دیکھا کہ وہ حج بدل کے طلب گار ہیں، چناں چہ توفیق الٰہی شاملِ حال ہوئی اور ۱۱۱۲ھ میں عالم گیر سے اجازت حاصل کرکے حرمین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۶/ سال کی تھی۔ تین سال وہاں قیام کرکے پھر دکن واپس آئے۔"[1]

(۱) ملّا جیون کے معاصر علما، ص:۲۲۔

ملّا جیون کی تصنیفی خدمات:-

درس وتدریس، تقریر اور تحریر یہ تینوں چیزیں دعوتِ حق، اقامتِ دین اور دعوت و تبلیغ کے بنیادی ذرائع ہیں۔ انبیاے سابقین، عہدِ رسالت مآب ﷺ اور آپ کے بعد مختلف ادوار میں انھیں کے ذریعے دعوت و تبلیغ کا کام لیا گیا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک لیا جاتا رہے گا۔ اسی مثلّث (تدریس، تقریر، تحریر) سے دینِ اسلام کے خمس (توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کا اجرا و نفاذ ہوتا ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ:۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں

تو یقینِ محکم، عملِ پیہم اور محبت فاتحِ عالم کا جذبہ پیدا کرنے والے عناصر یہی تدریس، تقریر اور تحریر ہیں۔ علماے اسلام نے تدریس و تقریر کے ذریعے دین و شریعت کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مشائخِ امت نے اپنے ملفوظات و مکتوبات سے اصلاحِ عوام کا بیڑا اٹھایا اور اپنی تحریر و تقریر اور وعظ و نصیحت سے دلوں کی سرد مہری کو ایمان و عمل کی حرارت بخشی۔ امتِ مرحومہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ بے ایمان کو صاحبِ ایمان اور بے عمل کو عملِ صالح کا پیکر بنایا۔ اور تحریر و تقریر کا سہارا لے کر ہزاروں لاکھوں افراد کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔

کسی دانش ور کا قول ہے کہ: ”جس کے اندر تدریس و تقریر اور تحریر کا فن ایک ساتھ جمع ہو جائے، اسے زمانے کا عبقری انسان سمجھنا چاہیے۔“

اس جہت سے جب ہم ملّا احمد جیون امیٹھوی کی کتابِ زندگی اور صحیفۂ حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت کے آئینے میں آپ کی عظمت و رفعت اور عبقریت کا عکس صاف دکھائی دیتا ہے اور قلم یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ بلا شبہہ بارہویں صدی ہجری کے نصفِ اول میں ”عباقرِ امت“ میں سے ایک ہیں۔ آپ کی دینی خدمات اور علمی فتوحات کا ذکرِ جمیل پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اگر کوئی راقم الحروف سے پوچھے کہ ملّا احمد جیون کیا تھے؟ تو یہی جواب دوں گا کہ وہ سب کچھ تھے۔ حافظ، قاری، عالم، فاضل، مدرس، محرّر، واعظ و مقرر، مفسر، محدث، متکلّم، اصولی، منطقی، فلسفی،

ادیب، شاعر، صوفی اور مرشد۔ غرض کہ آپ سب کچھ تھے۔ یہ کوئی مبالغہ اور محض دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت و صداقت کی عین ترجمانی ہے۔

آپ کی جملہ تصانیف میں صرف "تفسیراتِ احمدیہ" اور "نور الانوار" ہی ہمارے دعویٰ کا واضح ثبوت ہیں۔ تفسیراتِ احمدیہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والا، ملّا احمد جیون کو مفسر و محدث، متکلّم، ادیب، اصولی اور منطقی و فلسفی تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بہرکیف! اب ہم ذیل میں آپ کی تصنیفی خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ملّا جیون اسم با مسمّٰی شخصیت کا نام ہے۔ ملّا اس لیے کہ علم و دانش اور حکمت و دانائی کے جام سے آپ کا ظرف وجود بھرا ہوا تھا اور جیونؔ اس وجہ سے کہ آپ کی ذات سے علوم و فنون کی مختلف شاخوں کو زندگی ملی۔ آپ کو بچپن سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا اور تیرہ سال کی ننھی عمر سے ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ علم تفسیر کی بلند پایہ کتاب "تفسیراتِ احمدیہ" کی تصنیف کا کام زمانۂ طالبِ علمی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ جیسا کہ آپ "تفسیراتِ احمدیہ" کے آخر میں لکھتے ہیں:

"قد شرعت فی تسوید تفسیر الآیات الشرعیّة فی البلدة الطیبة أمیتھی حین قرات الحسّامی بسنة ألف وأربعة وستین وسنی یومئذ ستة عشرة سنة وفرغت عنه سنة ألف وتسعة وستین فی البلدة المبارکة المذکورة حین قرأت شرح مطالع الأنوار وسنی یومئذ إحدیٰ وعشرون سنة۔"[1]

ترجمہ: تفسیراتِ احمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ کی تصنیف و تالیف اور ترتیب و تسوید کا کام ۱۰۶۴ھ میں مبارک شہر امیٹھی میں شروع کیا۔ اس وقت میری عمر سولہ سال تھی اور میں حسامی پڑھ رہا تھا۔ ۱۰۶۹ھ میں اس کی تصنیف مکمل ہوئی۔ اس وقت میں شرح مطالع الانوار پڑھ رہا تھا اور عمر اکیس سال تھی۔

۲۱؍ سال کی عمر میں علمِ تفسیر کی اس قدر جامع اور بلند پایہ تصنیف سے فارغ ہو جانا، یہ آپ کی تفسیری مہارت، علمی وجاہت اور حیرت انگیز ذہانت کی دلیل ہے۔

جس وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی، اس وقت "نسخہ آدابِ احمدی" کے نام سے ایک کتاب

---

(۱) اختتامیہ تفسیراتِ احمدیہ، ص: ۵۰۳۔

لکھی، جو سیر و سلوک کے مضامین پر مشتمل تھی۔ دریں اثنا جمعہ و عیدین کے خطبات فصیح و بلیغ عربی میں ترتیب دیے اور اپنے خاندانی مشائخ شیخ عبید اللہ (ملّا جیون کے دادا) اور شیخ علیم اللہ کے علمی سرمائے اور ان کے قلمی مسوّدات کی نوک پلک درست کی اور انھیں از سرِ نو مرتّب فرمایا۔

تذکرہ بزرگانِ امیٹھی (مناقب الاولیا، از: ملّا جیون) میں مرقوم ہے:

"و در عمر سیزدہ سالگی چوں والد بزرگ وار بہ رحمت پیوست، تصنیف "نسخہ آدابِ احمدی" کہ در علم سیر و سلوک مشائخان است، واقع شد و اکثر خطبات جمعہ و عیدین و کتاب ہائے عربی بہ کمال بلاغت واقع می شدند و بعضے مسوّدات جدّی حضرت میاں شیخ عبید اللہ و حضرت میاں شیخ علیم اللہ نیز ترتیب دادہ تمام نمودہ شد۔"(۱)

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ والد ماجد شیخ ابو سعید امیٹھوی کا وصال اس وقت ہوا، جب ملّا جیون تیرہ برس کے تھے اور اسی نو عمری میں آپ نے سیر و سلوک اور احسان و تصوف کے مضامین پر مشتمل رسالہ "آدابِ احمدی" تصنیف فرمائی اور فصیح و بلیغ عربی میں جمعہ و عیدین کے خطبات ترتیب دیے اور اپنے اجداد کے قلمی مسوّدات کی از سرِ نو تدوین و تہذیب فرمائی۔ کم عمری کی یہ تصنیفی سرگرمیاں در اصل روشن مستقبل کی خبر دیتی ہیں اور آپ کے باکمال مصنف ہونے کی دلیل فراہم کرتی ہیں۔

صبح بہار (ترجمہ مناقب الاولیا، از: ملّا جیون) میں ہے:

"سولہ برس کی عمر میں جب میں (ملّا جیون) شرح جامی پڑھتا تھا، اس وقت "تفسیر احمدی" لکھی اور تھوڑی مدّت میں اس کی تصحیح سے فارغ ہوا..... اس کے بعد ایک رسالہ علم قراءت میں لکھا۔"(۲)

غرض کہ آپ کی تصنیفی سرگرمی اور تالیفی کام کا آغاز بچپن ہی سے ہو چکا تھا اور تادمِ حیات یہ سلسلۂ خیر و برکت جاری رہا۔ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد سے فراغت کے بعد جو اوقات بچتے، وہ تصنیف و تالیف میں صرف ہوتے۔ آپ مدرسے میں مدرّس، منبر پر واعظ اور خانقاہ کے روحانی

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۸۔
(۲) صبح بہار، ص:۳۵۔

طبیب تھے۔ آپ نے ہزاروں افراد کو علومِ ظاہری اور باطنی کی دولت سے مالا مال کیا اور تصنیف و تالیف کے ذریعے احیائے دین اور علم و حکمت کے فروغ کا قابلِ رشک کارنامہ انجام دیا۔

ابرِ رحمت تیری مرقد پر گُہر باری کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

چالیس سال کی عمر میں دہلی اور اجمیر کا سفر کیا اور عرصۂ دراز تک یہاں مقیم رہے۔ درس و تدریس اور وعظ و تلقین کا مشغلہ جاری رہا۔ دہلی اور اجمیر کی مدتِ قیام میں ہزاروں طلبہ اور تشنگانِ علومِ ظاہر و باطن آپ کی درس گاہ سے فیضیاب ہوئے۔ اسی دوران عشقِ رسول اور محبتِ مصطفیٰ ﷺ کا شدید غلبہ ہوا اور دل کے مچلتے روحانی جذبات اشعار کے پیکر میں ڈھلنے لگے۔ غلبۂ شوق اور شدتِ محبت میں ایک مثنوی بطرز "مثنوی مولانا روم" کہی، جس میں ۶ر دفتر پچیس ہزار اشعار پر مشتمل تھے اور پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ایک دیوان "دیوانِ حافظ" کی طرز پر قلم بند کیا۔ ۵۵ر سال کی عمر میں زیارتِ حرمین طیبین کے لیے روانہ ہوئے۔ پھر محبت کی چنگاری بھڑکی اور عشقِ نبی کی حرارت سے دل، سوختہ اور کباب ہونے لگا۔ پھر کیا تھا؟ ؏

عشق ہے تو عشق کا اظہار ہونا چاہیے

کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا۔ دو سو اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ، قصیدہ بردہ شریف کی طرز میں ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ آج یہ نعتیہ قصائد مفقود ہیں۔ اگر یہ قصائد موجود ہوتے تو آپ کے فکر و فن کا ایک اور خوبصورت تاج محل قارئین کے سامنے ہوتا۔

مُلّا موصوف اپنے قلبی واردات و احساسات، سوزشِ عشق، غلبۂ محبت اور قصیدہ گوئی کا حال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"و چوں عمرِ فقیر لہٰذا چہل سال رسید، اتفاق سفر حضرت دہلی و اجمیر شریف واقع شد، مدتِ مدید در آں جا اقامت نمودیم۔ ہزاران ہزار خلائق از استفادہ علوم ظاہری بہرہ مند شدند و بدرجۂ کمال خود رسیدند۔ و دریں اثنا دو بار در عشق و محبت گرفتار شدیم و از غلبۂ شوق و قوتِ سُکر یک مثنوی اول مرتبہ بہ شش دفتر شامل بر بست ہزار بیت بر طبق مثنوی مُلّا روم و آخر مرتبہ یک دیوان مشتمل بر پنج ہزار بیت کسرے کم بہ طرز دیوان خواجہ حافظ واقع شد۔ و چوں عمر ایں فقیر پنجاہ و پنج سال رسید، قصد زیارت

حرمین شریفین میسر شد۔ بہ ایں تقریب سیر ملک دکھن و عرب نمودہ شد و یک قصیدہ عربی مشتمل بر دو صد و ہفت بیت بر عروض و قافیہ قصیدہ بردہ واقع شد و آں را وسیلۂ خوشنودی روح پاک حضرت پیغمبر ﷺ کردہ تحفہ بہ حضرت مدینہ بردیم۔"(۱)

صبح بہار (ترجمہ مناقب الاولیا، از: ملّا جیون) میں ہے:

جب فقیر کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو دہلی و اجمیر شریف کے سفر کا اتفاق ہوا اور بہت مدت تک وہاں قیام رہا۔ ہزارہا آدمی علومِ ظاہری سے مستفید ہو کر کامل ہوئے۔ اس عرصے میں دوبار حالتِ محبت کا غلبہ ہوا اور حالتِ سُکر میں غلبۂ شوق سے ایک مثنوی بطرز مثنوی مولانا روم، جس میں ۶/ دفتر پچیس ہزار کے تھے، تصنیف کی اور ایک دیوان پانچ ہزار اشعار کا بہ طرزِ دیوان حافظ بھی حوالۂ قلم کیا۔ جب فقیر کی عمر پچپن سال کی ہوئی تو قصد زیارتِ حرمین طیبین کا کر کے روانہ ہوا اور ملک دکھن کی سیر کرتا ہوا عرب پہنچا۔ اس زمانے میں ایک قصیدہ دو سو اشعار کا ہم وزن قصیدہ بردہ کہا۔ اور اس کو وسیلۂ خوشنودی روح اطہر حضرت رسول اللہ ﷺ تحفۃً مدینہ طیبہ لے گیا۔ جب بندر گاہ جدّہ پہنچا تو اسی قصیدہ کی عربی شرح لکھی اور بعض تغیر و تبدل بھی کیے۔

اب پھر بلائے محبت میں گرفتار ہوا اور سفرِ دریا ہی کی حالت میں غلبۂ شوق میں ۲۹/ قصائد عربی نہایت فصاحت و بلاغت سے کہے، جن کی تعریف اکثر حرمین شریفین کے لوگوں نے بھی کی۔

مندرجہ بالا دونوں اقتباس سے جہاں آپ کے حد درجہ عشقِ رسول کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں آپ کی شاعرانہ عظمت اور تصنیفی سرگرمیوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔

حالتِ سفر میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ عربی و فارسی قصائد نظم کرنا، یہ آپ کی بے مثال قوتِ گویائی اور شاعرانہ مہارت کی دلیل ہے۔ ملّا احمد جیون جہاں کہیں رہے، خاموش نہیں بیٹھے۔ ہر جگہ اور ہر حال میں دینی ملی علمی، تدریسی، ادبی اور تصنیفی سرگرمیاں جاری رکھیں اور بیش بہا تصانیف قوم و ملت کے حوالے کیے۔ آپ کی جملہ تصانیف میں "تفسیرات احمدیہ" اور اصولِ فقہ میں "نور الانوار" کو شاہ کار کا درجہ حاصل ہے۔ ان دونوں کتابوں کی روشنی میں آپ کی علمی وجاہت، اجتہادی بصیرت اور آپ کے عالمانہ و محققانہ فکر و فن کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۸۔

تفسیراتِ احمدیہ اور نور الانوار گزشتہ ڈھائی تین صدی سے درسِ نظامی کے نصابی کتب میں شامل ہیں۔ یہ دونوں کتاب نہایت اہم، مفید، قابلِ قدر اور علوم وفنون کا بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔

ملّا احمد جیون نے ”نور الانوار“ نامی یہ کتاب مدینہ طیبہ میں صرف دو مہینے کی قلیل مدت میں تصنیف فرمائی ہے۔ معاون کتابوں کی طرف رجوع کیے بغیر محض اپنی ذکاوت و ذہانت، عالمانہ بصیرت اور خداداعلمی لیاقت کی بنیاد پر اتنی عظیم الشان کتاب لکھ دینا، یہ کسی معجزہ اور کرامت سے کم نہیں ہے۔ بلا مبالغہ آپ علم وحکمت کے جبلِ شامخ، فکر ودانش کا موجیں مارتا ہوا سمندر، تفسیر وکلام کا بادشاہ، فقہ واصول کا راز داں اور معقولات منقولات کے ایک جیّد اور متبحّر عالم دین تھے۔

”نور الانوار شرحِ منار“ کی تصنیف سے متعلق آپ رقم طراز ہیں:

”وبعد از رسیدن بمدینہ منورہ بہ تقریب درس بعضے یاران نسخہ نور الانوار شرحِ منار تالیف نمودہ در دو ماہ یعنی ربیع الاول و ربیع الآخر در مواجہہ حضرت ﷺ واقع شد و برکت مواجہہ آں حضرت ﷺ در اندک زمانہ خاص وعام عرب وعجم شد۔ الحمد للہ علی ذالك.“[1]

ترجمہ: جب مدینۂ طیبہ پہنچا تو دورانِ درس و تدریس بعض احباب و تلامذہ کے اصرار پر دو مہینے کی مدت میں نور الانوار شرح منار تصنیف کی۔ یہ کام خاص مواجہۂ اقدس ﷺ میں انجام پایا اور مواجہہ شریف کی برکت سے بہت کم وقت میں یہ کتاب عرب وعجم میں مقبولِ خاص وعام ہوگئی۔ الحمد للہ علی ذالك.

مشائخِ امیٹھی، مطبوعہ اندور میں ہے:

”آپ کی دوسری مقبول تصنیف ”نور الانوار“ امام نسفی کی کتاب ”منار“ کی شرح کی صورت میں مکمل ہوئی، جو اصولِ فقہ پر مایۂ ناز کتاب ہے۔ جو مدینہ منورہ کے چند طلبہ اور با اثر اہلِ علم کی درخواست پر صرف دو ماہ کے مختصر عرصے میں لکھی گئی۔“[2]

غرض کہ آپ کی یہ کتاب اصولِ فقہ حنفی میں ایک لاجواب اور بے مثال تصنیف مانی جاتی ہے۔

رسالہ مناقب اولیا، یہ ملّا جیون کے آخری دور کی تصنیف ہے، جو مشائخِ امیٹھی یعنی آپ کے

---

(۱) تذکرہ بزرگان امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۹۔

(۲) مشائخ امیٹھی، ص:۴۷، مطبوعہ اندور۔

آباو اجداد کے احوال و مآثر پر مشتمل ہے۔ آج یہ کتاب ناپید ہے۔ البتہ اس کی روشنی میں تیار کردہ ایک فارسی قلمی نسخہ ''تذکرہ بزرگان امیٹھی'' کے نام سے پشت در پشت آپ کے خاندان میں چلا آرہا ہے اور راقم الحروف کے پاس اس کی فوٹو کاپی (زیراکس) موجود ہے۔

ملّا جیون نے مناقب اولیا (تذکرہ بزرگان امیٹھی) کے ''ابتدائیہ'' میں لکھا ہے کہ:

''میں نے اپنے آباو اجداد اور خاندانی بزرگوں کے جو احوال و واقعات لوگوں کی زبان سے سنے ہیں، انھیں رسالہ ہذا میں قلم بند کر دیا ہے۔''

عبارت یہ ہے:

''مؤلف ایں مطالب و مصنف ایں مناقب و ناقل ایں معاملات و راوی ایں روایات فقیر حقیر خاک پائے صغیر و کبیر جیونؔ بن ابی سعید بن عبید اللہ بن عبد الرزّاق بن خاصۂ خدا الحنفی المکلی الصالحی می گوید کہ آں چہ بعضے احوال و اعمال و برحق اقوال و افعال بزرگانِ کرام اہلِ دین و دانش مندانِ صاحب یقین، آباو اجداد و جدّات کرام خود کہ از زبان صادق بیان مردمان دہر و کاملان شہر شنیدم، بانیک تر معائنہ نمودم و دریں رسالہ شریف و کتاب لطیف بانواع شرم ساری در تحریر قلم در آوردم و انتظام آں ہر چند ذکر مرتب ساختم۔''(۱)

اس کتاب میں خاندانِ ملّا جیون کی مندرجہ ذیل علمی و روحانی شخصیات کا تذکرہ موجود ہے۔

(۱)- مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا امیٹھوی قدس سرہ (ملّا جیون کے جدِّ اعلیٰ)

(۲)- حضرت شیخ سعد اللہ امیٹھوی علیہ الرحمۃ (مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا کے برادرِ حقیقی)

(۳)- مخدومہ بی بی خدیجہ مدن بنت مخدوم خاصۂ خدا۔

(۴)- بی بی مخدومہ جہاں بنت مخدوم خاصۂ خدا۔

(۵)- حضرت شیخ عبد الرزاق بن مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا (ملّا جیون کے پردادا)

(۶)- حضرت شیخ علیم اللہ بن شیخ عبد الرزاق (ملّا جیون کے دادا شیخ عبید اللہ کے سگے بھائی)

(۷)- حضرت شیخ ابوتراب بن شیخ عبد الرزاق (ملّا جیون کے دادا شیخ عبید اللہ کے سگے بھائی)

(۸)- حضرت شیخ عبید اللہ بن شیخ عبد الرزاق (ملّا جیون کے سگے دادا)

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۱۔

(۹)۔حضرت شیخ ابوسعید بن عبید اللہ (ملّا جیون کے والد گرامی)
(۱۰)۔شیخ ملّا بڈھن بن شیخ ابوسعید (ملّا جیون کے سگے بھائی)
(۱۱)۔شیخ احمد عرف ملّا جیون۔

کتاب کے اخیر میں ملّا جیون نے اپنی زندگی کے ستّر سالہ احوال نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیے ہیں۔اور ستّر سال کے بعد کا تذکرہ آپ کے فرزند ملّا عبد القادر امیٹھوی نے لکھا ہے۔یہ مختصر خود نوشت سوانح حیات بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

تذکرہ نگار مصنفین و محققین نے اسی خود نوشت سوانح کی روشنی میں آپ کی حیات و خدمات پر مضامین و مقالات ترتیب دیے ہیں۔

اسلاف کے کارنامے اخلاف (آنے والی نسل) کے لیے نمونۂ عمل اور درسِ ہدایت ہوا کرتے ہیں۔علمائے وقت، مشائخِ ملت اور بلند پایہ رجالِ امت کی حیات و خدمات اور ان کی زندگی کے مخفی گوشوں کو منظرِ عام پر لانا، ہمارا ملّی فریضہ بھی ہے اور اخلاقی تقاضا بھی۔لیکن افسوس! مسلمانوں میں اب اسلاف فراموشی کا مرض دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، ہماری کوتاہ علمی اور غفلت شعاری کے نتیجے میں بے شمار علما و مشائخ، اکابرینِ ملت اور خیارانِ اُمت گم نامی کے پردے میں چھُپ گئے۔ اور آج تلاشِ بسیار کے باوجود اُن کے گوشۂ حیات کا علم حاصل کرنے میں ہم ناکام ہیں۔

عمدۃ المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی شخصیت جتنی عظیم اور مہتم بالشان ہے، اس اعتبار سے آپ کی زندگی کی تفصیلات کتابوں میں نہیں ملتیں۔تاہم جس قدر بھی تفصیلات موجود ہیں، وہ غنیمت ہیں۔اگر ملّا جیون نے "مناقب اولیا" کے نام سے اپنے اجداد و مشائخ اور خود اپنا تذکرہ مرتب نہ کیا ہوتا تو شاید گم نامی کا مہیب دیو آپ کو بھی نگل گیا ہوتا۔اس سے کتاب و قلم اور تحریر و قرطاس کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کہنے والے نے سچ کہا ہے:ؔ

رہتا قلم سے نام قیامت تلک ہے ذوقؔ
اولاد سے تو بس یہی دو پشت چار پشت

خدا بھلا کرے جناب ڈاکٹر خلیل احمد مشیرؔ صدیقی کا، جن کے توسط سے راقم الحروف کو مناقب

الاولیا (تذکرہ بزرگان امیٹھی) دستیاب ہوا۔ اسی کی روشنی میں زیرِ نظر کتاب "ملّا احمد جیون: حیات و خدمات" ترتیب دی گئی ہے۔ الحمد للہ علی ذالك.

ملّا جیون کی تصانیف: ایک نظر میں:-

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی جملہ تصانیف و کتب (نظم و نثر) کی ایک اجمالی فہرست مع مدّتِ تصنیف ہدیۂ قارئین ہے۔ یہ تمام تصانیف عربی اور فارسی زبان میں ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱)- نسخہ آدابِ احمدی: [درسلوک و تصوف، مدتِ تصنیف: ۱۰۶۰ھ سے ۱۰۶۳ھ کے درمیان]

(۲)- خطباتِ جمعہ وعیدین: [مدتِ تصنیف: ۱۰۶۰ھ سے ۱۰۶۳ھ کے درمیان]

(۳)- رسالہ منتخباتِ شاطبی: [درعلمِ قراءت و تجوید]

(۴)- تفسیراتِ احمدیہ: [تقریباً پانچ سو آیاتِ احکام کی عالمانہ و محققانہ تفسیر۔ مدتِ تصنیف: ۱۰۶۸ھ]

(۵)- نور الانوار شرح منار: [مدینۂ طیبہ میں روضۂ اقدس ﷺ کے قریب بیٹھ کر دو ماہ کی مدت میں اصولِ فقہ حنفی میں لکھی گئی ایک شاہ کار کتاب۔ مدتِ تصنیف: ۱۱۰۲ھ۔]

(۶)- سوانح بر مجازاتِ لوائح ملّا جامی: [درعلم تصوف، مدتِ تصنیف: ۱۱۱۲ھ سے ۱۱۱۴ھ کے درمیان]

(۷)- مناقبِ اولیا: [آبا و اجداد اور خاندانی مشائخ کا تذکرہ، مدتِ تصنیف: ۱۱۲۰ھ سے ۱۱۲۴ھ کے درمیان]

(۸)- خود نوشت سوانح: [یہ مناقبِ اولیا کے اخیر میں شامل ہے جس میں مُلّا جیون نے اپنی ابتدائی زندگی سے لے کر ۷۰ رسال تک کے احوال و واقعات اختصار کے ساتھ جمع کیے ہیں۔]

شعر و سخن کے حوالے سے آپ کی مندرجہ ذیل نگارشات ۱۰۸۷ھ سے ۱۱۰۷ھ کے

در میان وجود میں آئیں۔

(۹)- مثنوی بہ طرزِ مولانا روم: [۲۵۰۰ر پچیس سو اشعار پر مشتمل]

(۱۰)- نعتیہ قصائد بہ طرزِ قصیدہ بردہ بوصیری: [۲۲۰ر دو سو بیس اشعار]

(۱۱)- دیوان بہ طرزِ حافظ: [۵۰۰۰ر پانچ ہزار اشعار]

(۱۲)- عربی قصائد: [۲۹ر قصائد کا مجموعہ]

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا یہ کل بارہ تصانیف آپ کے فکر وفن کی خوب صورت یادگار ہیں۔ اس وقت آپ کی جملہ تصانیف میں صرف "تفسیراتِ احمدیہ" اور "نور الانوار" ہی مارکیٹ میں دستیاب ہیں اور اہل علم کے درمیان رائج و مقبول ہیں۔ باقی دیگر کتابیں کہاں ہیں؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اگر تمام کتابیں دستیاب ہوتیں تو ہر ایک کا مختصر تعارف اور تبصرہ نذرِ قارئین کیا جاتا۔ انشاء اللہ آئندہ سطور میں تفسیراتِ احمدیہ اور نور الانوار کا تعارف آپ کی خدمت میں ہم پیش کریں گے۔

ملّا جیون کی شاعری:-

ایک طرف "الشعراء تلامیذ الرحمٰن" کہا گیا ہے تو دوسری طرف "شاعری جزوے ست از پیغمبری" کہہ کر شاعری کی عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اگر شاعری اخلاقی مقاصد کے زیور سے آراستہ ہو اور آداب و اخلاق کے مضامین پر مشتمل ہو تو بلا شبہہ شاعری، پیغمبری کا ایک جزو اور حصہ ہے۔ اور اگر شاعری لہو ولعب کا ذریعہ بن جائے اور اشعار حسن وعشق، گل و بلبل، رندی و سرمستی، بے حیائی اور اخلاقی باختگی کا وسیلہ ٹھہریں، تو یہ شاعری نہیں، بلکہ آزری ہے۔ ملّا احمد جیون کے آئینۂ حیات کا ایک خوبصورت عکس بھی یہ ہے کہ آپ عربی وفارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ عشقِ حقیقی اور جذبۂ صادق کی تاب نہ لاکر بڑے عمدہ اشعار کہا کرتے تھے شعر وشاعری کے حوالے سے آپ ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی شاعری کا بنیادی سبب عشقِ مولیٰ اور حُبِّ رسول ہے۔ اِدھر عشق کی آنچ تیز ہوئی، اُدھر پاکیزہ اشعار زبان پر جاری ہو گئے۔ آپ کی شعری کائنات بڑی وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ ملّا موصوف نے اپنی شاعری اور قصیدہ گوئی کا تذکرہ "مناقب اولیا" میں کیا ہے۔

چناں چہ آپ لکھتے ہیں:

''و چوں عمر فقیر ہذا چہل سال رسید اتفاق سفر حضرت دہلی و اجمیر شریف واقع شد، مدت مدید در آں جا اقامت نمودیم۔ ہزاران ہزار خلائق استفادہ علوم ظاہری بہرہ مند شدند و بدرجۂ کمال خود رسیدند و دریں اثنا دو بار عشق و محبت گرفتار شدیم و از غلبۂ جوش و قوت سُکر ایک مثنوی اول مرتبہ بہ شش دفتر شامل بر بست ہزار بیت طبق مثنوی مولانا روم و آخر مرتبہ یک دیوان مشتمل بر پنج ہزار بیت بہ طرز دیوان خواجہ حافظ صاحب واقع شد۔ و چوں عمر ایں فقیر پنجاہ و پنج سال رسید بقصد زیارت حرمین شریفین میسر شد۔ بہ ایں تقریب سیر ملک دکھن و عرب نمودہ و یک قصیدہ عربی مشتمل بر دو صد و ہفت بیت بر عروض و قافیہ قصیدہ بردہ واقع شد، و آں را وسیلۂ خوش نودی روح پاک حضرت پیغمبر ﷺ کردہ، تحفہ بہ حضرت مدینہ بردیم۔ و چوں بہ بندر گاہ جدّہ رسیدیم شرح عربی بر قصیدہ مذکور تو شتیم و تغیر و تبدل کہ در قصیدہ واقع شد در شرح آغاز بیان گشتہ۔ و دریں اثنا باز بہ بلائے محبت گرفتار شدیم و بہ سبب آں بالائے دریا در میان ہجر و فرقت سی و نہ قصیدہ عربیہ بہ رعایت فصاحت و بلاغت واقع شد۔ چناں چہ اکثر مردمان حرمین طیبین آں را تحسین کردند۔''(۱)

مندرجہ بالا اقتباس سے کئی امور واضح ہوتے ہیں:

(۱)- ۴۰/ سال کی عمر میں آپ نے دہلی اور اجمیر کا سفر کیا اور ایک مدت تک یہاں قیام کیا۔ دورانِ قیام ہزاروں طلبہ علومِ ظاہری سے مستفید ہوئے اور آپ کے فکر و فن سے مرتبۂ کمال کو پہنچے۔

(۲)- اسی دوران آپ پر عشقِ حقیقی اور محبت سرورِ کونین ﷺ کا شدید غلبہ ہوا اور جذبۂ عشق میں سرمست ہو کر مثنوی اور دیوان قلم بند فرمایا۔ مثنوی بہ طرزِ ''مثنوی مولانا روم'' جس میں چھ دفتر تھے اور یہ مثنوی بیس ہزار اشعار پر مشتمل تھی۔ اور ایک دیوان بہ طرزِ ''دیوان حافظ شیرازی'' تیار کیا، جس میں پانچ ہزار اشعار تھے۔

(۳)- پچپن سال (۵۵) سال کی عمر میں زیارتِ حرمین طیبین کے لیے رختِ سفر باندھا اور بلادِ دکھن کی سیر کرتے ہوئے عرب پہنچے۔ اس مرحلۂ شوق کو طے کرنے کے درمیان قصیدہ بردہ

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۸۔

شریف للبوصیری کی طرز میں دو سو سات (۲۰۷) اشعار پر مشتمل ایک "نعتیہ قصیدہ" لکھا اور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ عالی میں خراجِ عقیدت کے طور پر پیش کیا۔ جب بندر گاہ جدّہ پہنچے تو اسی عربی قصیدہ کی شرح لکھی اور اس میں تغیر و تبدل اور حذف و اضافہ بھی کیا۔

(۴)- گلستانِ رسالت کا یہ بلبل (ملّا جیون) پھر بلائے محبت میں گرفتار ہوا اور اپنے ممدوح کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا میں دوبارہ نغمہ بار ہوئے اور سفرِ دریا کی حالت میں ۲۹؍ قصائد عربی زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ کہے، جن کی تعریف باشندگانِ حرمین نے بھی کی۔

اس سے ملّا جیون کی شاعرانہ مہارت اور کمالِ سخن گوئی کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کی شاعری اور قصیدہ گوئی مسلّمات میں سے ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور آپ کی شاعرانہ عظمت کا قصیدہ پڑھا ہے۔

مگر افسوس صد افسوس! دیگر کتب و رسائل کی طرح آپ کی عربی و فارسی قصائد اور نعتیہ دیوان حوادثاتِ زمانہ کی نذر ہو گئے اور آج آپ کا ایک کلام اور ایک شعر تک محفوظ نہیں ہے۔

ملّا جیون کی شعر گوئی، قصیدہ نگاری اور صوفیانہ شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی کا یہ پیراگراف ملاحظہ کریں:

ملّا جیون نے جن علمی موضوعات پر قلم اٹھایا ان میں تفسیرِ قرآن، اصول فقہ، تصوف اور شاعری اہم ہیں۔ یوں تو تالیف و تصنیف کا سلسلہ تیرہ سال کی عمر میں ہو چکا تھا۔ مگر شاعری کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟ اس کا ذکر نہ تو خود نوشت سوانح میں ہے، نہ کسی اور تحریر میں موجود ہے۔ خود نوشت سوانح سے صرف اتنا علم ہوتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ دہلی اور اجمیر کے سفر پر نکلے۔ جہاں ایک مدت تک قیام رہا اور جوشِ محبت کے باعث ایک مثنوی بہ طرزِ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ایک دیوان حافظ کی طرز پر قلم بند کیا۔

ملّا جیون کی شاعری کے ابتدائی نقوش اس وقت سامنے آتے ہیں جب آپ عمر کے اعتبار سے چالیسویں حد پار کر چکے تھے اور شاعری میں ایک گراں قدر مثنوی بہ طرز رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ ایک دیوان، دیوانِ حافظ کی طرز میں مکمل ہو چکا تھا۔

غرض دہلی اور اجمیر کے قیام کے بعد شعری ادب کا سلسلہ چل پڑا۔ دہلی میں ملّا جیون کا قیام زیادہ رہا۔عشقِ حقیقی نے زور مارا، محبت کا غلبہ ہوا جس کے طفیل میں اولاً ایک مثنوی بہ طرز مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حافظ کے رنگ میں پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ایک دیوان بھی مکمل کیا۔ ملّا جیون کی شاعری کا دوسرا اہم دور ۱۱۰۲ھ میں اس وقت شروع ہوا جب آپ نے پچپن سال کی عمر میں حرمین شریفین کی زیارت کا قصد کیا اور دکن کی سیر کرتے ہوئے عرب کے سفر پر روانہ ہوئے۔ ابھی آپ سورت کی بندر گاہ پر ہی تھے کہ ایک قصیدہ دو سو سات اشعار پر مشتمل بہ رنگِ قصیدہ بردہ قلم بند کر چکے تھے تاکہ مدینہ پہنچ کر ہدیۂ دل بہ نذرِ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش کیا جا سکے۔ دورانِ سفر اس قصیدہ پر نظرِ ثانی بھی کی اور جدّہ کی بندر گاہ پر اتر کر اس قصیدہ کی شرح بھی لکھی اور اس میں کئی تغیّر و تبدّل بھی کیے۔ اس سفر کے دوران غلبۂ عشق کے باعث جب دلی جوش بڑھا۔ خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آستانوں پر پہنچنے کی چاہت نے بے قراری کی صورت اختیار کی تو وفورِ شوق میں آپ نے ۳۹ر قصائد کہہ ڈالے جو اپنی فصاحت وبلاغت کے باعث حرمین شریفین میں بہت مقبول ہوئے۔

ملّا جیون کی شاعری صوفیانہ اور عارفانہ رنگ سے لبریز ہے۔ پہلی شعری کاوش مثنوی کی شکل میں مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقلید میں قلم بند ہوئی، جو کہ صوفیانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ جس میں اخلاق وحکمت اور معرفتِ حق کے مضامین ہیں۔ غزلوں کی صورت بھی یہی ہے۔ قصائد کا کلام بھی وفورِ عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لبریز ہے۔ شوقِ زیارتِ حرمین شریفین اور اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آستانوں کی طلب دید نے شاعر کو جوشِ عشق سے بھر دیا۔ طویل سمندری راستوں کی وجہ سے ہجر و فرقت کے لمحات شاعر پر گراں گزرے۔ اولاً: ”قصیدہ بردہ“ کی شکل میں ایک قصیدہ کہا جس کو ہدیۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے آستانۂ مبارک پر پیش کیا۔ پھر جوشِ عشق اور بڑھا۔ سمندری سفر کے دوران وفورِ عشق میں ۳۹ر قصائد مزید کہے۔ جو عربی ادب میں بہت مقبول ہوئے۔

ملّا جیون کی شاعرانہ عظمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کو خدا نے شاعرانہ ذہن عطا کیا تھا۔ نعت و حمد، غزل و قصیدہ اور مثنوی آپ کی خصوصی اصنافِ شاعری ہیں۔ آپ کا غالب رجحان مذہب، اخلاق، تصوف و حکمت اور روح عرفان اور معرفتِ حق کی جانب رہا۔ یہی حال آپ کی نثر میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ آپ کی تحریروں میں تفسیر قرآن، علم فقہ، تصوف و حکمت، مذہب و اخلاق

اور رشد وہدایت کے سرچشمے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ ملّا جیون خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ شعروسخن کی دنیامیں سب سے نازک کلام صوفیانہ اور عارفانہ ہے۔ جس میں عرض کرنے کی جرأت کے لیے احتیاط، ہوش مندی، فرزانگی، بے خودی اور روح کی بالیدگی در کار ہے۔ بارگاہِ الٰہی کا معاملہ ہو یا رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہو۔ ہر مقام پر پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے۔ یہاں تھوڑی سی لغزش یا ذہن کی کج روی باعث گرفت ہوتی ہے۔ شریعت کا اتباع کامل، مقام نبوت کی عظمت اور عرفانِ ذات کے بغیر روحانی شاعری کی منزل طے نہیں ہوتی۔ تصوف وحکمت، مذہب واخلاق اور معرفتِ حق کی تمام نگارشات خواہ نثر میں ہوں یا نظم میں، روحانی عرفان اور عشقِ رسول کریم ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔

جہاں تک ملّا جیون کا سوال ہے وہ بچپن سے ہی صوفیانہ صحبت اور درویشانہ ماحول کے پروردہ رہے ہیں۔ آپ کے اجداد اپنے دور کے بڑے صوفی بزرگ اور علمِ دین کے بڑے جیّد عالم گزرے ہیں۔ یہی وہ خاندانی وراثت تھی جس نے انھیں (ملّا جیون) روحانی کیف ونشاط سے مزین کیا۔ خود ان کے والدِ بزرگوار بھی صوفیانہ صفات سے مالامال تھے۔ یہی وہ صوفیانہ روایت تھی جس نے ملّا جیون کی شخصیت کو قلندرانہ خوبیوں سے آراستہ کیا۔ آپ کے مزاج میں شرافت وانکساری، وضع داری وخود داری، صبر وقناعت، زہد وتقویٰ، صداقت واخلاص، طہارت وپاکیزگی، اعانت و امداد، سخاوت وایثار، فقر وقناعت کی نمایاں خوبیاں تھیں۔ کبر وغرور، رشک وحسد، حرص وطمع، بدعہدی وبدسلوکی، اسراف وبخل، خوشامد وچاپلوسی سے آپ ہمیشہ دور رہے۔ یہی وہ تمام صوفیانہ صفات تھیں جنھوں نے ملّا جیون کو ایک درویش صفت انسان بنادیا۔ شعر گوئی میں بھی ان کا رجحان ان صوفی شعرا کی جانب مبذول رہا جنھوں نے ادب کو تصوف وحکمت کے مضامین سے مالامال کیا۔ آپ حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام بوصیری (محمد بن سعید) اور شیریں کلام شاعر حافظؔ سے متاثر تھے۔

ان تمام شعرا سے ملّا جیون نے خاطر خواہ فائدہ حاصل کیا۔ طرز وروش اور انداز زبان وبیان میں تقلیدی انداز ہونے کے باوجود ان کی ذہانت وعلمیت اور فن کارانہ مہارت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ملّا جیون کے تحریر کردہ اشعار کی تعداد کئی ہزار پر محیط ہے۔ [1]

(۱) شیخ ملّا احمد جیون: حیات اور علمی آثار، ص:۱۷۶،۱۷۹، مطبوعہ اندور

شاہانِ وقت سے تعلقات:-

حضرت ملّا احمد جیون کی بافیض درس گاہ کارخانۂ علم و حکمت تھی، جس سے علم و حکمت کے پیکر ڈھل ڈھل کر نکلتے تھے۔ فتاویٰ عالم گیری کے مرتّبین میں سے ایک جیّد عالمِ دین شیخ احمد بن منصور گوپامئوی آپ ہی کے خرمنِ علم و ادب کے خوشہ چیں اور تربیت یافتہ تھے۔ شہنشاہِ ہند حضرت اورنگ زیب عالم گیر کو ذرّے سے آفتاب اور مٹی سے سونا بنانے میں آپ کی تعلیم و تربیت کا خاص اثر تھا۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں اورنگ زیب سرِ فہرست ہیں۔

محمد معظم بن اورنگ زیب (بہادر شاہ اول) اور عالم گیر ثانی بادشاہ فرّخ سیر آپ کے علمی و روحانی کمالات کے معترف تھے اور ہمیشہ آپ کی خاطر داری اور احترام و تکریم بجالاتے تھے۔

اورنگ زیب کی صاحب زادی زیب النسا، جو اپنے وقت کی باکمال خاتون تھیں، ان کو ملّا احمد جیون کے علمی فیضان سے بھرپور حصہ ملا تھا۔ غرض کہ ملّا احمد جیون علوم و فنون اور رشد و ہدایت کے بدرِ کامل تھے، جن کی چاندنی اور روشنی سے قلوب و اذہان منور ہوئے اور بے شمار افراد انوارِ علم و ہدایت سے جگمگا اٹھے۔ کیا عرب کیا عجم، کیا عوام کیا خواص، کیا حاکم کیا محکوم، کیا بادشاہ کیا رعایا، سب کے سب آپ کی ذات سے متمتّع اور بہرہ مند ہوئے۔

شاہ جہاں بن جہاں گیر کے دور سے ہی آپ شاہی دربار سے وابستہ ہو گئے تھے اور اورنگ زیب عالم گیر کی تعلیم و تدریس کے سبب شاہی خاندان میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب اورنگ زیب عالم گیر کا دورِ حکومت آیا تو آپ کے شاہی تقرّب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب استاذ ہونے کے سبب ملّا جیون کا غایت درجہ احترام کیا کرتے تھے اور ان کی تعظیم و توقیر کا بہر گام خیال رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب بھرے مجمع میں ملّا جیون کی جوتیاں سیدھی کیا کرتے تھے اور اپنے استاذ کو دیکھ کر شاہی دربار میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اورنگ زیب کے بعد آپ کے مردم شناس اولاد اور صاحب زادگان بھی ملّا جیون کے حد درجہ رتبہ شناس تھے اور آپ کی عزت و تکریم بجالاتے تھے۔

علامہ سید آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"ثم انطلق (ملّا جیون) إلیٰ السلطان عالم کیر فتلقاه السلطان بالتعظیم والتوقیر وتلمذ علیه وکان یرعی أدبه إلیٰ الغایة وکذالك کان یحترمه الشاه عالم وغیره من أولاد السلطان عالم کیر عملا علیٰ طریقته."[1]

ترجمہ: ملّا جیون قدس سرہ جب سلطان اورنگ زیب کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کی بڑی تعظیم و توقیر کی۔ اورنگ زیب، ملّا جیون کا غایت درجہ ادب واحترام بجالاتے۔ اسی طرح اورنگ زیب کے دیگر صاحب زادگان مثلاً: شاہ عالم (محمد معظم) وغیرہ بھی آپ کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے اور ادب واحترام کا خاص لحاظ کرتے، بادشاہ (اورنگ زیب) کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے۔

مصنفِ ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"ثم رحل إلی السلطان عالم کیر فأکرمه وراعی أدبه إلی الغایة وکذالك یحترمه شاه عالم وغیره من أولاد السلطان."[2]

یہ شاہانِ وقت سے ربط و تعلق ہی کا نتیجہ تھا کہ ملّا احمد جیون، اورنگ زیب کے لشکرِ معلیٰ میں چھ سال تک کسی اہم منصب پر فائز رہے۔ اس دوران آپ کی ذات کو یہ فائدہ پہنچا کہ سرکاری عہدہ ملا اور چھ سال تک فارغ البالی کی زندگی میسر ہوئی۔ لیکن اس بلند عہدے سے سب سے زیادہ عوام کو فائدہ پہنچایا اور سیکڑوں بندگانِ خدا کو اپنی ذات سے بہرہ مند کیا اور اورنگ زیب سے سفارش کر کے ان کی ضرورتیں پوری کروائیں۔

ملّا جیون اپنی خود نوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں:

"واتفاق شش سال در لشکر معلیٰ روے داد و از مقتضائے الٰہی بہ بادشاہ دین پناہ حضرت عالم گیر (اورنگ زیب) ملاقات وصحبت چندروز واقع شد۔ اکثر بندگانِ الٰہی بہ مراداتِ دنیوی فائض گشتہ۔"[3]

---

(۱) سبحة المرجان، ص: ۲۰۵، معهد الدراسات الاسلامیة، علی گڑھ.

(۲) ابجد العلوم، ص: ٤٠٥، دار ابن حزم، بیروت.

(۳) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۲۹۔

سلطان اورنگ زیب کے علاوہ بادشاہ محمد معظم (شاہ عالم) اور فرخ سیر سے بھی آپ کے روابط اور تعلقات بڑے مستحکم تھے۔ ان بادشاہوں کے تقرب سے بھی آپ نے دوسروں کو خوب فائدہ پہنچایا۔

آپ کے فرزند ارجمند ملّا عبد القادر امیٹھوی لکھتے ہیں:

''حضرت ملّا صاحب (ملّا احمد جیون) اپنی عمر کے ستّرویں و اکہتّرویں سال امیٹھی میں رہے۔ بعد ازاں بہتّرویں سال کہ پہلا سال جلوس محمد معظم خلد منزل کا تھا۔ بہ تاریخ ۲۵ر محرم ۱۱۱۶ھ طلبہ کی جماعتِ کثیر کے ساتھ آپ شاہ جہاں آباد (دہلی) کو روانہ ہوئے اور سفر کے آخری چہار شنبہ کو دہلی پہنچ گئے۔ چند مدت وہاں مقیم رہے۔ بعدہٗ جب محمد معظم بادشاہ دکن سے لوٹے اور اجمیر کے قریب پہنچے تو ملّا صاحب نے ان سے ملاقات کی اور انھیں کے ساتھ لاہور چلے گئے، اور وہیں مقیم رہے۔ جب بادشاہ (معظم) نے انتقال کیا تو پھر آپ شاہ جہاں باد (دہلی) لوٹ آئے اور اس وقت سے آخر تک یعنی عمر کے تراسویں سال تک وہیں (دہلی) تشریف فرما رہے۔ اسی اثنا یعنی سن اول جلوس میں محمد عالم گیر ثانی شاہ فرخ سیر غازی سے ملاقات فرمائی اور اس وقت سے آخر عمر تک آپ نے اپنی توجّہ، کوشش اور سفارش سے ہزارہا آدمیوں کی حاجت روائی فرمائی اور کثیر التعداد لوگ امیٹھی و دیگر مقامات سے کامیاب و مرفہ الحال (خوش حال) ہوگئے۔''[1]

نوٹ:- ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی کے توسط سے راقم الحروف کو ''صبحِ بہار'' کا جو کچھ حصہ دستیاب ہوا ہے، اس میں مطبع اور ناشر کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے صبح بہار کا حوالہ دیتے وقت مطبع اور ناشر کی وضاحت سے ہم قاصر ہیں۔ قارئین سمجھ لیں۔

تذکرہ مفسّرینِ ہند کے مصنّف لکھتے ہیں:

ملّا احمد جیون نے ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۶ء میں دوبارہ دہلی کا سفر کیا۔ ان کے شاگردوں کی بھی ایک کثیر تعداد ساتھ تھی .... دہلی میں ان کا قیام بہت مختصر رہا اور غالباً اپنے وطن واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں اجمیر کے قریب شاہ عالم سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہ انھیں ہمراہ لے کر لاہور چلا گیا اور وہ (ملّا جیون) اس کے (شاہ عالم) انتقال تک مقیم رہے۔ ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء میں وہ لاہور سے دہلی واپس

(۱) صبحِ بہار، ص: ۳۹، ۴۰۔

آئے..... شاہ عالم کی وفات کے بعد ملّا جیون جب دہلی آئے تو پھر آخر عمر تک یہیں رہ گئے۔ فرخ نے بھی ان کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا۔ اس دوران امیٹھی اور اس کے گرد و نواح کے بے شمار لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ سے اپنے لیے سفارشیں کراتے تھے اور کامیاب و بامراد ہو کر لوٹتے تھے۔ (۱)

ملّا احمد جیون عالمِ ربانی ہونے کے ساتھ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور بلند پایہ صوفی بھی تھے اور صوفیہ حضرات بالعموم بادشاہانِ وقت، حکّام، امرا اور سلاطین سے بہت دور اور ان کے تقرب سے پرہیز کیا کرتے ہیں۔ تاہم بہت سارے صوفیہ ایسے بھی گزرے ہیں، جنھوں نے بادشاہوں کا تقرب محض اس بنیاد پر اختیار کیا، تاکہ مخلوقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا جاسکے۔ حضرت ملّا احمد جیون انھیں آخر الذکر صوفیہ میں سے ایک تھے۔ شاہ جہاں، اورنگ زیب، شاہ عالم اور فرّخ سیر سے آپ کے روابط و تعلّقات رہے، لیکن یہ تعلقات اور تقرّبات حصولِ دنیا، طلبِ جاہ و مال اور جلبِ منفعت کے لیے نہیں تھے۔ آپ کی زاہدانہ زندگی اور قلندرانہ شخصیت سے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ بادشاہانِ وقت سے آپ کی مصاحبت اور تقرّب، حصولِ منفعت اور طلبِ جاہ کے لیے تھا۔ ہاں! بادشاہانِ وقت سے سفارش کر کے آپ نے بے شمار افراد کی حاجت روائی فرمائی اور ان گنت افراد کو فکرِ معاش سے بے نیاز اور مرفہ الحال بنا دیا۔

بادشاہانِ وقت اور حکامِ زمانہ کا تقرب اگرچہ جائز مقصد کے حصول کے لیے ہو، تاہم بادشاہوں کا تقرب اور دوستی خطرے سے خالی نہیں ہوا کرتی۔ یہ ایک چنگاری ہے جو آدمی کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور بادشاہوں کا تقرب دنیا کے ساتھ اس کے دین اور عاقبت کو بھی نقصان پہنچاتا ہے اور بادشاہوں کی دوستی اور ہم نشینی سے ایک باکردار خدا رسیدہ بزرگ کے دامنِ عزت پر دنیا میں ملوث ہونے کا داغ اور الزام لگ ہی جاتا ہے۔ لیکن ملّا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تاحیات درویشانہ زندگی گزاری اور بادشاہ کے چاہتے ہوئے بھی کوئی وظیفہ یا جاگیر قبول نہ کی۔

---

(۱) تذکرہ مفسرینِ ہند، ص: ۲۰۵۔

زیارتِ حرمین طیّبین:-

ملّا احمد جیون اپنے تمام تر محاسن کے باوجود زیارتِ حرمین طیبین کے شرف سے بھی مشرف تھے۔ شوقِ زیارت اور درِ رسول ﷺ پر حاضری کے جذبۂ صادق نے ہی آپ کے ذوقِ سخن کی آبیاری کی اور آپ نے محبتِ رسول ﷺ میں خود کو فنا کر کے نعتیہ قصائد نظم کیے۔

آپ اپنی پوری زندگی میں دو بار حج وزیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک مرتبہ ۱۱۰۲ھ میں، اس وقت آپ کی عمر ۵۵؍ سال تھی۔ اور دوسری بار ۱۱۱۲ھ میں آپ حرمین طیبین زادہما اللہ شرفاً و تکریماً کے لیے عازم سفر ہوئے۔

پہلی بار حج کے لیے تشریف لے گئے تو وہاں ۵؍ سال تک مقیم رہے اور افادہ و استفادہ کا مشغلہ جاری رکھا۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

"وقد ذهب أحمد بن سعيد (ملّا جيون) إلىٰ الحجاز مرتين، مرة سنة اثنتين ومائة ألف وأقام بها خمس سنوات وذهب مرة ثانية سنة اثنتي عشرة و مائة وألف."

سفرِ زیارت کی کہانی، ملّا احمد جیون کی زبانی سماعت فرمائیں:

"وچوں عمر ایں فقیر بہ پنجاہ و پنج سال رسید، قصد زیارت حرمین شریفین میسر شد.....

وچوں از مدتِ مدید مرکوز خاطر داشتم کہ بارے دیگر حج بہ نذر ثواب والدین بجا آرم و مکرر حضرت والدہ را بہ طلب ایں امر (حج وزیارت) در خواب دیدم۔ لاچار در سن یک ہزار و دوازدہ کہ عمر ایں فقیر بہ شصت سال رسیدہ از بادشاہ جیو (اورنگ زیب) رخصت گرفتہ روانہ بہ حرمین طیبین شدیم۔ دو سال آں جا اتفاق سعادت افتاد و یک حج بہ نذر ثواب حضرت والدہ و یک حج بہ نذر ثواب حضرت والد بزرگ وار بجا آوردم۔ حق تعالیٰ قبول کند۔ و دریں اثنا مطالعہ صحیحین و اتفاق درس آں از اول تا آخر تمام با شروح اتفاق افتاد۔"[1]

---

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی قلمی نسخہ، ص: ۲۸، ۲۹۔

ترجمہ: جب فقیر (ملّا جیون) کی عمر ۵۵؍سال کی ہوئی تو زیارتِ حرمین طیبین کے لیے رختِ سفر باندھا۔ کیوں کہ مدت سے خیال تھا کہ دوبارہ حج کروں اور اس کا ثواب والدین کریمین کی ارواح کو نذر کروں کہ دریں اثنا خواب میں والدہ کو دیکھا وہ خواب میں مجھ سے حج بدل اور ثواب نذر کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ چار و ناچار بادشاہ اورنگ زیب سے اجازت و رخصت لے کر حرمین طیبین پہنچا اس وقت میری عمر ۶۶؍سال کی تھی۔ وہاں دو سال تک قیام کیا۔ ایک حج بہ نذر ثواب والدہ اور ایک حج بہ نذرِ ثواب والد کیا۔ اس درمیان از اول تا آخر صحیحین (بخاری و مسلم شریف) مع شروح کے درس و مطالعے کا اتفاق ہوا۔

تواضع وانکساری:-

ملّا جیون قدس سرہ تواضع وانکساری، سادگی و فروتنی اور عجز و نیاز کے پیکر تھے۔ اپنی تمام تر علمی وجاہت اور فنّی لیاقت کے باوصف تواضع وانکسار اور عجز و خاکساری آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بڑوں کی تعظیم، بچوں پر شفقت، لوگوں کی خدمت اور ہر ایک کے ساتھ نیاز مندانہ برتاؤ آپ کے نمایاں اوصاف ہیں۔ آپ کے قول و عمل اور گفتار و کردار سے تواضع وانکسار کے انوار پھوٹتے تھے۔ عالمانہ وقار کی پاس داری ملحوظ تھی، لیکن عالمانہ طمطراق، علمی تفوّق اور عُجب و تکبّر سے آپ کا دامنِ حیات بے داغ تھا۔ تواضع وانکسار کا یہ عالم تھا کہ اپنے آپ کو "حقیر فقیر اور خاک پائے صغیر و کبیر" لکھتے تھے اور ہر صغیر و کبیر (چھوٹے، بڑے) کے ساتھ متواضعانہ سلوک اور عاجزانہ برتاو کرتے تھے۔ حسنِ اخلاق، اعلیٰ کردار، سادہ وضعی اور ملنساری میں اپنی مثال آپ تھے۔

سادہ وضعی، ملنساری اور رسمی تکلّفات سے دوری، یہ در اصل آپ کے تواضع وانکسار کے عملی مظاہر ہیں۔ ڈاکٹر خلیل احمد مشیرؔ صدیقی لکھتے ہیں:

"ملّا جیون کی شخصیت قلندرانہ خوبیوں سے آراستہ تھی۔ آپ کے مزاج میں شرافت وانکساری، وضع داری و خود داری، صبر و قناعت، زہد و تقویٰ، صداقت و اخلاص، طہارت و پاکیزگی، اعانت و امداد، سخاوت و ایثار اور فقر و قناعت کی نمایاں خوبیاں تھیں۔ کبر و غرور، رشک و حسد، حرص و طمع، بدعہدی و بد سلوکی، اسراف و بخل، خوشامد و چاپلوسی سے آپ ہمیشہ دور رہے، یہی وہ تمام صوفیانہ

صفات تھیں، جنھوں نے ملّا جیون کو ایک درویش صفت انسان بنادیا تھا۔ (۱)

سادگی اور تکلّفات سے عاری زندگی:-

سادگی میں جو مزہ ہے، وہ تصنّع اور تکلّف میں کہاں ؟ اصل خوبصورتی تو سادگی میں ہے اور تصنّع ایک طرح سے ریشمی لباس میں ٹاٹ کا پیوند لگانے والا عمل ہے۔ سادگی، یہ خاکساری کی علامت ہے۔ جب کہ تصنّع، کبر و ریا اور نخوت و عُجب کی دلیل ہے۔

حضرت ملّا احمد جیون قدس سرہ کی ڈھنگ رنگ شخصیت کا ایک نمایاں پہلو سادگی اور تکلّفات سے عاری زندگی گزارنے کا معمول ہے۔ علم و حکمت اور فکر و فن کے ان گنت خزانے آپ کے پاس موجود تھے لیکن سادگی کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا کہ یہ زمانے کا ستایا ہوا غریب اور آشفتہ حال مسکین ہے۔

ملّا موصوف نہایت مخلص، سنجیدہ مزاج، سادہ طبیعت اور درویشانہ صفت کے حامل تھے۔ علم کی دولتِ لازوال سے سرفراز ہونے اور زندگی کی تمام ترضروریات میسر ہونے کے باوجود قلندرانہ زندگی اُن کا طرۂ امتیاز تھا۔ نام و نمود سے پاک سادہ زندگی نے آپ کی پُر بہار شخصیت کو اور بھی زیادہ پُر وقار اور پُر بہار بنادیا ہے۔ ان کی سادگی نے ہمیشہ اپنے پیمانے کو تکلّفات کے سمندر کے آگے حُباب کے مانند سرنگوں رکھا۔ مُلّا موصوف صحیح معنوں میں مردِ درویش اور قلندر صفت انسان تھے۔ یہ سادگی اور دنیا کے رسمی تکلفات سے دوری کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ بسا اوقات سادہ اور خستہ لباس زیب تن فرماتے، سادہ کھانا تناول کرتے اور سادہ طرزِ حیات اختیار کرکے شاداں و فرحاں زندگی کے ایام گزارتے۔ غرض کہ تصنّع سے دور، بڑی سادہ اور انتہائی درویشانہ زندگی گزار کر آپ دنیا سے رخصت ہوئے۔

علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"ملّا صاحب سادہ لباس میں رہتے تھے اور تکلّفاتِ رسمی سے بے گانہ تھے۔" (۲)

---

(۱) شیخ احمد ملّا جیون، ص:۱۷۹، مطبوعہ اندور۔
(۲) مآثر الکرام، ص:۳۲۶، جامعۃ الرضا، بریلی۔

اورنگ زیب عالم گیر کے والد شاہ جہاں بادشاہ نے جس وقت شہزادہ اورنگ زیب کی اتالیقی کے لیے آپ کو دہلی بلایا تھا اور آپ جس سادگی کے ساتھ موٹے گاڑھے اور پرانے کپڑے میں ملبوس ہوکر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے تھے، اس کا حال بیان کرتے ہوئے سید اقبال احمد قادری جون پوری لکھتے ہیں:

"بادشاہ شاہ جہاں، ملّا جیون کو دیکھتے ہی گرویدہ اور آپ کی سادگی پر قربان ہوگیا۔ حضرت ملّا احمد جیون ایک سیدھے سادے مسلمان، موٹے گاڑھے کپڑے میں ملبوس، دنیا کی ہر فطرت سے ناواقف، پابندِ شریعت اور دل اللہ کے ذکر میں مشغول، السلام علیکم بلند آواز سے کہہ کر دربار میں کھڑے ہوگئے......"(۱)

غرض کہ آپ کی سادگی اور تصنّع سے خالی زندگی، ایک تاریخی سچائی ہے۔ آپ کی معصومیت اور بھولے پن کے قصے مشہور ہیں۔ یہ معصومیت اور بھولاپن، دراصل آپ کی سادہ طبیعت کے غمّاز ہیں۔

سید نجیب اشرف ندوی رقم طراز ہیں:

"ان کی (ملّا جیون) نیکی اور معصومیت کے افسانے بھی زبان زدِ عام ہیں۔"(۲)

مخلوقِ خدا کی حاجت روائی:-

خدمتِ خلق ایک مقدس عبادت اور دارین میں فوز و فلاح حاصل کرنے کا ایک اہم روحانی ذریعہ ہے۔ حدیث پاک میں کہا گیا ہے:

"خير الناس أنفعهم للناس."(۳)

لوگوں کو فائدہ پہنچانا یہ عام ہے۔ چاہے خود صدقہ و خیرات اور مال و دولت سے فائدہ پہنچایا جائے یا اپنے منصب اور سرکاری عہدے کا استعمال کر کے مخلوقِ خدا کی حاجت روائی اور اس کی مشکلات کا ازالہ کیا جائے۔

---

(۱) تاریخ سلاطینِ شرقی اور صوفیۂ جون پور، ص:۱۲۶۵، شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس، جون پور۔
(۲) مقدمہ رقعاتِ عالم گیر، ص:۱۲۴، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔
(۳) جامع الصغير مع فيض القدير، ج:۳، ص: ٦٤١، دار الكتب العلمية، بيروت.

امام عبدالرؤف مناوی قدس سرہ مذکورہ حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بالإحسان إليهم بماله وجاهه ...... نفعا للناس بنعمة يسديها أو نقمة يزويها عنهم دينا أو دينا.“[۱]

ترجمہ: سب سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو اپنے مال اور جاہ و منصب کے ذریعے زیادہ سے زیادہ نفع اور فائدہ پہنچائے۔ خواہ کوئی نعمت عطا کر کے لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے یا دین و دنیا کی کوئی مصیبت اور پریشانی دور کر کے مخلوقِ خدا کے حق میں راحت و آسائش کا سامان مہیا کرے۔

مسند امام احمد بن حنبل کی حدیث ہے:

”من نفس عن أخيه المسلم كربة من كرب الدنيا نفس الله عنه من كرب الآخرة ومن ستر علىٰ أخيه المسلم ستره الله فى الدنيا والآخرة، والله فى عون العبد ماكان العبد فى عون أخيه.“[۲]

ترجمہ: جو اپنے مسلمان بھائی کی کسی دنیاوی پریشانی کو دور کرے گا، اللہ تبارک و تعالیٰ (کل قیامت کے دن) اس کی آخرت کی پریشانی اور کلفت کو دور فرمائے گا۔ اور جو اپنے مسلم بھائی کی ستر پوشی کرے، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔ اور بندہ جب تک اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا ہے۔

حضرت ملّا احمد جیون قدس سرہ عہدِ شاہ جہانی اور عہد اورنگ زیب عالم گیر کے مقتدر علما اور باعظمت فضلا میں سے تھے۔ بادشاہِ وقت آپ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ کے آرام و آسائش کا بھرپور خیال رکھتے تھے۔ شہزادہ خرّم یعنی شاہ جہاں بادشاہ نے ملّا جیون کے فضل و کمال کو دیکھ کر ہی اپنے فرزند اورنگ زیب کی اتالیقی کے لیے مقرر کیا تھا۔ شاہی محل میں آپ کو بڑا تقرّب حاصل تھا۔ ملّا جیون نے اپنے اس جاہ و منصب اور شاہی تقرّب کو خدمتِ خلق کا ذریعہ بنایا اور مخلوق خدا کی حاجت روائی کی خاطر اورنگ زیب عالم گیر سے متعدّد سفارشات کیں اور جہاں تک ہوسکا لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ آج کل شاہی تقرب اور سرکاری عہدے کا استعمال بالعموم ذاتی مفادات

(۱) فيض القدير شرح جامع الصغير، ج:۳، ص: ٦٤١، دار الكتب العلمية بيروت.
(۲) مسند احمد بن حنبل، حديث: ١٠٦٧٦، ص: ٣٩٤، ج: ١٦، موسسة الرسالة، بيروت.

کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور دیگر ضرورت مند افراد سے زیادہ اپنی ضرورت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ حکومت وقت اور امرا و سلاطین سے غریبوں اور محتاجوں کے حق میں سفارشات کرنے کو اپنی توہین یا پھر اپنے مفادات کے لیے نقصان دہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ طرزِ عمل سراسر غلط ہے۔

غریبوں کے مسیحا حضرت ملّا احمد جیون قدس سرہ کی کتاب زندگی کے ان زرّیں اوراق کا مطالعہ کریں کہ آپ کس طرح بادشاہِ وقت کی توجہ عوامی ضروریات کی طرف مبذول کیا کرتے تھے اور مخلوقِ خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا کر حدیث پاک: "خير الناس أنفعهم للناس" کا عملی ثبوت دیا کرتے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کے مرقدِ پاک کو انوار و تجلّیات سے بھر دے اور ان کے نقوشِ قدم پر چلنے کی ہم غلامانِ ملّا جیون کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سید اقبال احمد جون پوری لکھتے ہیں:

حضرت مخدوم ملّا جیون قدس سرہ نے اورنگ زیب عالم گیر کے ذریعہ مخلوقِ خدا کی بڑی حاجت روائی کی ہے۔ پریشان حال لوگوں کی درخواستیں وہ خود اورنگ زیب کو دے کر حکم کراتے تھے۔ اس کی تفصیل تذکرہ نگاروں نے اس طرح لکھی ہے کہ (ایک بار) حضرت ملّا صاحب بادشاہ سے مل کر جائے قیام پر تشریف لے جا رہے تھے اور بادشاہ اندر محل میں آرام کے لیے جا چکا تھا۔ جب آپ محل کی ڈیوڑھی پر پہنچے تو ایک سائل پریشان حال آپ کو ملا اور بہت ہی گریہ و زاری کے ساتھ آپ سے کہا کہ میں دوڑ رہا ہوں اور میری عرضی بادشاہ تک نہیں پہنچتی۔ آپ اس کی گریہ و زاری سے بہت متاثر ہوئے اور اس کی عرضی لے کر بغیر کسی اطلاع کے محل سرا میں بادشاہ کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا: اورنگ زیب! اس پریشان حال کی عرضی پر حکم دے کر اس کی پریشانی دور کر دے۔ میں تیرے آرام میں مخل ہوا۔ بادشاہ آپ کو دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا اور عرضی پر مناسب حکم لکھ دیا اور پہرہ داروں سے کہا کہ آپ کے لیے (ملّا جیون کے لیے) محل میں کوئی پردہ نہیں ہے اور نہ آپ کے لیے کوئی وقت کا تعیّن ہے اور حضرت ملّا صاحب سے کہا کہ آپ بلا کسی خیال کے جب چاہیں تشریف لائیں۔ حضرت ملّا جیون صاحب بادشاہ کو دعا دیتے ہوئے باہر آئے اور سائل کو عرضی دے کر واپس کیا۔

دوسرا واقعہ ایک ضعیف بوڑھی کا ہے۔ اس عورت نے بھی حضرت ملّا صاحب سے اپنی پریشانی نہایت گریہ وزاری کے ساتھ بیان کی اور کہا کہ میں بھی بادشاہ کی خدمت میں درخواست لے کر آئی ہوں، مگر مجھ ضعیفہ پر کسی کو رحم نہیں آتا ہے۔ حضرت ملّا جیون، ضعیفہ عورت کی عرضی لے کر بادشاہ کے پاس محل سرا میں گئے اور کہا: اورنگ زیب! اس سائلہ کی درخواست پر حکم دے۔ بادشاہ آپ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور آپ کی داڑھی مبارک کو بہت ہی احترام سے بوسہ دیا اور حکم لکھ کر فوراً دے دیا اور اراکین ڈیوڑھی کو بہت سخت حکم دیا کہ جب بھی کوئی سائل آئے اس کی عرضی فوراً میرے پاس پہنچائی جائے اور ایک آدمی اس کام پر مقرر کیا۔ (۱)

مندرجہ بالا دونوں واقعات سے حضرت ملّا احمد جیون کی غربا پروری اور مسکینوں کی حاجت روائی کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

نزہۃ الخواطر کی یہ عبارت پڑھیے اور ملّا جیون کی خدمتِ خلق اور لوگوں کی حاجت روائی کا اندازہ لگایئے۔

مولوی سید عبدالحی رائے بریلوی لکھتے ہیں:

"وكان غاية في إيصال النفع إلى الناس يشفع لهم عند السلطان وكان مع كبر سنه لم يعتزل عن الناس ولم يترك الدرس والإفادة."

ترجمہ: ملّا جیون لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا کرتے۔ بادشاہ کے دربار میں لوگوں کی حاجتیں پیش کرتے اور ان کے لیے سفارشیں کرتے۔ ضعیفی اور کبر سنی کے باوجود لوگوں سے الگ تھلگ نہ رہے اور درس وافادہ کا مشغلہ ترک نہ فرمایا۔

غرض کہ آپ کی پوری زندگی درس و تدریس، وعظ و تلقین اور مخلوقِ خدا کی حاجت روائی میں گزری۔ آپ بڑے رحم دل اور نیک طبیعت انسان تھے۔ احسان و مروّت، ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبوں سے آپ کا ظرفِ حیات مملو تھا۔ کسی کا دکھ، درد، مصیبت اور پریشانی آپ سے دیکھی

(۱) تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیہ جون پور، ج:۱، ص:۱۳۶۶، ۱۳۶۷، مطبوعہ جون پور۔

نہیں جاتی اور جہاں تک ممکن ہوتا اپنی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے میں لگے رہتے۔ آپ اگرچہ امیر کبیر اور رئیس آدمی نہ تھے لیکن انسانی ہمدردی اور جذبۂ خیر سگالی کی دولت سے مالا مال تھے۔ مادّی دولت کی فراوانی نہ تھی، لیکن ماحضر اثاثہ اور ساز و سامان بلا تکلف دوسروں کو دے دیا کرتے تھے۔ آپ سخاوت و فیاضی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

ملّا جیون نے مخلوق کی حاجت روائی کا حال اپنی خود نوشت سوانح حیات ''مناقب اولیا'' میں لکھا ہے، چناں چہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''و در سال آغاز ششتم سال باز در وقت مراجعت حرمین طیبین سیر ملک دکن واقع شد و اتفاق اقامت شش سال در لشکرِ معلیٰ روے داد و از مقتضائے الٰہی بہ بادشاہ دین پناہ حضرت عالم گیر (اورنگ زیب) اتفاق ملاقات و صحبت چندروز واقع شد۔ اکثر بندگانِ الٰہی بہ مرادِ دنیوی فایض گشتہ۔''[1]

یعنی جب میری عمر ساٹھ سال کی ہوئی تو حرمین شریفین سے واپس ہو کر ملک دکن پہنچا اور چھ برس تک اورنگ زیب عالم گیر کے لشکرِ معلیٰ میں رہا۔ بادشاہِ دین پناہ عالم گیر سے ملاقات اور نشست و برخاست کے دوران سیکڑوں بندگانِ خدا کی حاجات پوری اور دنیوی مرادیں حاصل ہوئیں۔

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی کے بقول:

آپ غریبوں محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لیے پیش پیش رہتے تھے کسی کی شفارش کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے۔ کوئی شخص سفارش اور شاہی مراعات کا خواہش مند ہوتا تو آپ بلا عذر و بلا تصدیق بادشاہِ وقت کو خصوصی توجہ کے لیے سفارش کرتے اور ہر امکانی مدد دلاتے ...... بخشش اور داد و دہش میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا...... آپ کی سادہ لوحی اور درویش صفتی کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی قیمتی اشیا کو بلا عذر بخش دیتے تھے۔ روکھا سوکھا کھاتے اور حلال کی کمائی کو باعث برکت سمجھتے تھے۔ شاہی تعلقات، عزت و احترام یا خصوصی مراعاتِ شاہی یا شاہی قدر دانی کو فخر و غرور کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے...... اورنگ زیب نے ملّا جیون کو ان کی آمد و رفت کے پیش نظر ایک شاہی گھوڑا عنایت کیا تھا، تاکہ امیٹھی سے دہلی آنے میں دقت نہ ہو۔ آپ ایک دن امیٹھی سے دہلی روانہ ہوئے۔ راستے میں کوئی اجنبی باپ بیٹے ایک مریل (نہایت کمزور) سی گھوڑی پر سوار تھے اور

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۹۔

ساتھ ہی اس گھوڑی کا ایک بچہ پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ آپ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ آپ نے فوراً اپنا شاہی گھوڑا اس اجنبی شخص کو عطا کر دیا، تا کہ باپ بیٹے کا سفر آسان ہو جائے۔ اور خود اس مریل گھوڑی پر سوار ہو کر دہلی کے لیے چل پڑے۔ جب ملّا جیون اورنگ زیب عالم گیر کے پاس پہنچے تو فرمایا: آپ نے مجھے ایک گھوڑا عطا کیا تھا اور میں نے اس کے بدلے میں دو (گھوڑی) حاصل کر لیے۔ بادشاہ اورنگ زیب اپنے استاذ ملّا جیون کی سادگی اور سادہ لوحی سے واقف تھے، اس لیے (یہ واقعہ سن کر) وہ مسکرا کر رہ گئے۔ (۱)

کتابِ حیات کے چند زرّیں اوراق:-

عمدۃ المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی ذات میں بیک وقت بے شمار اوصاف جمع تھے۔ آپ کی کتابِ حیات کے زرّیں اوراق کا مطالعہ ہم غلامانِ ملّا جیون کے لیے نمونۂ درس اور سامانِ ہدایت ہے۔ ایک عالمِ ربانی اور مرشدِ لاثانی میں جو ممکنہ خوبیاں ہو سکتی ہیں، وہ سب کے سب آپ کے اندر موجود تھیں۔

"مشائخ امیٹھی" کے مصنف نے آپ کی تہ دار شخصیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

(ا)- ملّا جیون شریعت میں راسخ اور علم و عمل میں عارف و کامل تھے۔ روزہ نماز کے پابند تھے۔ تلاوتِ قرآن اور وظائف کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آپ اپنے وقت کے بڑے جیّد عالم اور یگانۂ روزگار تھے۔ درس و تدریس تعلیم و تربیت کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ علوم و مفاہیمِ قرآنی پر عبور حاصل تھا۔ علمائے سلف کی مشہور دینی کتب اور قرآنی تفاسیر کا گہرا مطالعہ کیا تھا علم و ادب اور شرعی کتب سے دلی لگاؤ تھا۔ علمِ قراءت، علمِ فقہ، تصوف، احکام القرآن پر آپ کی نایاب کتب ہیں۔ شاعری سے بھی دلی لگاؤ تھا۔ مولانا رومؔ، حافظؔ اور بوصیریؔ سے کافی متاثر تھے۔ ان شعرا کی نہج پر آپ کے شعری کارنامے پائے جاتے ہیں۔

درس و تدریس میں مہارت حاصل تھی۔ معلّمی آپ کا دل پسند پیشہ تھا۔ یہ سلسلہ عمر کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران بھی خالی نہیں

---

(۱) شیخ احمد ملّا جیون، ص:۹۱،۹۲، مطبوعہ اندور۔

بیٹھے۔ مختلف موضوعات پر قلم بھی اٹھایا اور درس و تدریس بھی دیتے رہے۔ جہاں بھی سفر کرتے وہاں درس و تدریس کا اہتمام کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں لوگ آپ کی بدولت علمِ دین سے آشنا ہی نہیں ہوئے بلکہ عالمِ باعمل بھی بنے۔

(۲)- ملّا جیون اپنے وقت کے بڑے عالمِ دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک باعمل صوفی بھی تھے۔ آپ جادۂ شریعت پر قائم رہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر سرِ تسلیم خم کیا۔ حافظِ قرآن ہونے اور مفاہیمِ قرآن اور احکام القرآن کی گہری سمجھ رکھنے کے باعث پابندِ شرع تھے۔ کسی شرعی حکم سے کبھی سرمو تجاوز نہیں کیا۔ اہلِ علم کی عزت کرتے تھے۔ غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لیے پیش پیش رہتے تھے۔ کسی کی سفارش کرنے میں تامل نہ فرماتے۔ کوئی چھوٹے منھ (جیسا کہ جمناندی کے پل کا بہت مشہور واقعہ ہے) سفارش اور شاہی مراعات کا خواہش مند ہوتا، آپ بلا عذر و بلا تصدیق بادشاہِ وقت کو خصوصی توجہ کے لیے سفارش کرتے اور ہر امکانی مدد دلاتے۔ یہ آپ کی سادہ لوحی اور منکسر المزاجی تھی۔ تواضع اور انکسار آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے سائل کی تعظیم اور توقیر بھی کرتے اور حاجت روائی کی ہر امکانی کوشش کیا کرتے۔ بخشش اور داد و دہش میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ لعن وطعن، فحش و غیبت، حسد و نخوت، حرص و طمع سے آپ ہمیشہ دور رہتے۔ آپ کی منکسر المزاجی، سادہ لوحی اور درویش صفتی کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی قیمتی اشیا دوسروں کو بلا عذر بخش دیتے تھے۔ روکھا سوکھا کھاتے۔ حق اور حلال کی کمائی کو باعثِ برکت سمجھتے تھے۔ شاہی تعلقات، عزت و احترام، یا خصوصی مراعاتِ شاہی یا شاہی قدر دانی کو فخر و غرور کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے۔

غرض کہ ملّا جیون کی شخصیت علمی اور دینی حیثیت سے بہت بلند ہے۔ اکثر علمائے اسلام نے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ تاریخ نویس بھی ان کو جلیل القدر عالم تصور کرتے تھے۔

(۳)- علمیت کے ساتھ ذہانت و حافظہ بھی کمال کا تھا۔ سات سال کی عمر میں کلامِ پاک کا حافظ ہو جانا اور معنیٰ و مفہوم کے ساتھ مطالب کا سمجھنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ یہ تمام کمالات قدرت کی طرف سے آپ کی ذات میں ودیعت کر دیے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو مشکل سے مشکل مضامین ازبر ہو جاتے تھے۔ جہاں تک مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا سوال ہے، یہ شوق

آپ کو بچپن سے تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں ''نسخۂ آداب احمدی'' کی تصنیف کی۔ خطبات و عیدین کے علاوہ اجداد (حضرت علیم اللہ اور حضرت عبید اللہ) کے کئی مسودات کو بھی بڑی خوبی سے مرتب کیا۔ اسی کڑی میں مشائخ کے افکار و اذکار اور نقش بندیہ و چشتیہ سلسلوں سے متعلق مواد منظم کیا۔ سولہ سال کی عمر میں آپ نے مشہور تصنیف ''تفسیراتِ احمدیہ'' کی ابتدا کی اور بیس اکیس سال کی عمر میں مکمل فرمائی۔ یہ تصنیف اسلامی دنیا میں منفرد اور بے جوڑ سمجھی جاتی ہے۔ جس کی اشاعت کئی بار ہو چکی ہے۔ ابھی چند سال پہلے اس کا اردو ترجمہ پاکستان میں قرآن کمپنی لاہور نے شائع کیا، جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ ملّا جیون نے اپنی ان نثری کاوشوں کے ساتھ شاعری کی طرف بھی قدم بڑھایا۔ چالیس سال کی عمر طے کرنے کے بعد مولانا رومؔ کی طرز پر ایک مثنوی اور حافظؔ کے دیوان کی روشنی میں ایک دیوان مکمل کیا۔ اِدھر حرمین شریفین کے پہلے سفر کا ارادہ کیا، اِدھر عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر آپ نے ۲۰۷؍ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ بہ شکلِ ''قصیدہ بردہ'' کہا۔ اس بحری سفر کے دوران طویل لمحاتِ ہجر کے باعث آپ نے ۲۹؍ قصائد کہے جو سرزمین عرب میں بہت مقبول ہوئے۔ مدینۂ منورہ میں قیام کے دوران ''نور الانوار'' جیسی بلند پایہ کتاب تصنیف فرمائی جو ہند و پاک کی ہر درس گاہ میں داخل نصاب ہے۔ ''[1]

ملّا جیون: علما و مصنّفین کی نظر میں:-

لیس علی اللہ بمستنکر

أن یجمع العالم فی واحد

اللہ تبارک و تعالیٰ فرد واحد میں ہر قسم کے عمدہ اوصاف اور کمالات جمع کر دے، یہ اس کی قدرت کاملہ کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب بندے ملّا احمد جیون کو بہت سارے فضائل و محاسن سے نوازا تھا۔ وہ بیک وقت حافظ و قاری بھی تھے اور عالم و فاضل بھی۔ محدّث و فقیہ بھی تھے اور مفسر و متکلّم بھی، معقولی بھی تھے اور اصولی بھی، شاعر و ادیب بھی تھے اور واعظ و مصنّف بھی۔ غرض کہ وہ ان نادر و نایاب اوصاف و خصوصیات کے مالک تھے، جو صدیوں

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۷۰، ۶۹، مطبوعہ اندور۔

پہلے گزرنے والے علمائے کرام و مشائخِ عظام کے طرّہ ہائے امتیاز رہے ہیں۔

ملّا جیون قدس سرہ بذات خود ایک انجمن اور یونیورسٹی تھے۔ ان کی جامع اور تہ دار شخصیت میں علوم و فنون کی تمام صنفیں موجود تھیں۔ تفسیراتِ احمدیہ اور نور الانوار کا مطالعہ آپ کی علمی جلالت کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ آپ کی ذاتِ باوقار سے فکر و دانش اور علم و آگہی کا وہ دریا رواں ہوا، جس کی موجوں نے ہندوسندھ کے علاوہ عالمِ عرب کو بھی سیراب کیا۔

ملّا موصوف کے انھیں اوصاف و کمالات اور فضائل و محاسن سے متاثر ہوکر ہر دور کے علما و مصنفین نے آپ کے فضل و کمال اور تہ دار علمی و روحانی شخصیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔

ملّا جیون سے متعلق علما و مصنفین کے گراں قدر تاثرات، قیمتی آرا اور حقیقت آمیز تبصرے نذرِ قارئین ہیں۔

(۱)-علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

حافظِ کلامِ الٰہی و در دانشِ عقلی و نقلی بحرِ لا متناہی یعنی ملّا جیون، کلام اللہ کے حافظ اور علومِ نقلیہ و عقلیہ کے بحرِ بے کراں تھے (۱)

(۲)-نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ”ابجد العلوم“ میں رقم طراز ہیں:

”كان (ملّا جيون) ذا حافظة قويّة، يقرأ عبارات الكتب الدرسيّة صفحة صفحة ورقة ورقة من غير أن ينظر فى الكتاب. وكان يحفظ قصيدة طويلة بسماع دفعة واحدة.“(۲)

ترجمہ: ملّا جیون کا حافظہ بہت قوی تھا۔ درسی کتابوں کی عبارتیں صفحات کے صفحات کتاب دیکھے بغیر زبانی پڑھ ڈالتے تھے اور طویل ترین قصائد محض ایک بار سن کر یاد کر لیتے تھے۔

علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی دوسری عربی کتاب ”سبحۃ المرجان فی آثار هندوستان“ میں ملّا جیون کی ذہانت اور مضبوط قوتِ حافظہ کا تذکرہ کیا ہے۔

سبحۃ المرجان کی عبارت یوں ہے:

---

(۱) مآثر الکرام، تاریخ بلگرام، ص:۲۵۔۳، جامعۃ الرضا، بریلی شریف۔

(۲) ابجد العلوم، ص:۳۰۵، دار ابن حزم، بیروت۔

"وكان الملّا ذا حافظة قو يّة يقرأ عبارات الكتب الدرسيّة .... وكان يحفظ قصيدة طو يلة ...."[1]

(۳)-مولانا فقیر محمد جہلمی مصنف حدائق الحنفیہ لکھتے ہیں:

"شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون صدیقی امیٹھوی، فقیہ، محدث، اصولی، جامع معقول ومنقول، علامۂ وقت، فہمامۂ دہر، اورنگ زیب عالم گیر کے استاذ اور صاحب فتویٰ تھے۔"[2]

(۴)-نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

"بادشاہ عالم گیر اورنگ زیب نے ملّا جیون کے علم و فضل اور زہد وورع کا شہرہ سن کر ان کو اپنا استاذ بنایا اور آخر وقت تک ان کی خدمت پر مامور رہے۔ عالم گیر کا بیٹا شاہ عالم بھی ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔"[3]

(۵)-ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی لکھتے ہیں:

ملّا جیون صدیقی، امیٹھی کے رہنے والے تھے اور جیونؔ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی علمی عظمت ووقعت آج تک لوگوں کے ذہنوں میں موجود ہے۔ ان کا اور عالم گیر (اورنگ زیب) کا بلا واسطہ شاگردی اور استادی کا تعلق تھا۔ عالم گیر نے ان سے بعض درسیات کے علاوہ دوسری بھی کتابیں پڑھی تھیں۔ یہ (اورنگ زیب) ان (ملّا جیون) کے دینی رتبے اور علمی منصب کے شایانِ شان ان کی بڑی عزت وتوقیر کرتا تھا۔"[4]

یہی ڈاکٹر شبیر احمد "نور الانوار" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"نور الانوار" کیا ترتیبِ مضامین، کیا قوتِ استدلال، کیا استنباطِ مسائل، کیا سنت، اجماع، قیاس وغیرہ کے مباحث ضرور یہ، ہر اعتبار سے مالا مال ہے۔ طرزِ بیان دلکش، افہام کے طریقے آسان اور سہل تر، عبارت ثقل سے محفوظ اور تعقید وغموض سے پاک ہے۔"[5]

---

(۱) سبحة المرجان، ص: ۲۰۵، معهد الدراسات الاسلامية، علی گڑھ.
(۲) حدائق الحنفیہ، ص: ۴۵۴، مکتبہ رضویہ، دہلی۔
(۳) اسلام اور علمائے اسلام، ص: ۲۴۳۔
(۴) عربی زبان وادب: عہد مغلیہ میں، ص: ۲۵۱، مطبوعہ دانش محل لکھنؤ۔
(۵) عربی زبان وادب: عہد مغلیہ میں، ص: ۲۵۳، مطبوعہ دانش محل لکھنؤ۔

(۶)۔سید اقبال احمد جون پوری لکھتے ہیں:

''حضرت مخدوم ملّا احمد عرف جیون قدس سرہ کا شمار عہدِ شاہ جہانی کے ''اعظم العلما'' وافضل الفضلا'' میں تھا۔ لیکن آپ اپنی عرفیت ''جیون'' ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا خاندان یا آپ خود کب جون پور آئے؟ تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔ حضرت ملّا جیون تمام علوم ظاہر و باطن سے آراستہ و مالامال تھے۔ زہد و تقویٰ، پابندی شریعت و طریقت میں آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ ظاہری آراستگی اور نام و نمود سے سخت پرہیز تھا۔ توکل آپ کا شیوہ اور متوکلانہ زندگی تھی۔ ذکر و فکر، یادِ الٰہی اور درس و تدریس بس یہی کام تھا۔''(۱)

(۷)۔شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''اس وقت بھی ان علاقوں (اودھ، لکھنؤ) میں ایسے علما تھے، جن کے سامنے دوسروں کے چراغ ماند پڑ گئے۔ (ان علما میں سے) ایک بزرگ شیخ احمد المعروف ملّا جیون امیٹھوی بھی تھے۔ اورنگ زیب عالم گیر خود ان کا شاگرد تھا۔''(۲)

(۸)۔ ڈاکٹر محمد ارشاد نوگانوی کا قول ہے:

''آپ (ملّا جیون) اپنے دور میں زبردست اصولی (اصولِ فقہ کا ماہر) جامع المعقول والمنقول اور علامۂ دہر سمجھے جاتے تھے اور صاحب فتویٰ بھی تھے۔ (یعنی آپ مفتی تھے اور لوگ دینی و شرعی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔)''(۳)

(۹)۔محمد اشفاق علی تحریر کرتے ہیں:

''شیخ احمد معروف بہ ملّا جیون عہدِ عالم گیری کے ان ممتاز علما میں ہیں، جن کو ہندوستان میں اسلامی علوم کی تشکیل میں ایک ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے تذکرہ نگار اتنی گراں قدر اور عظیم المرتبت شخصیت کے ذکر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تفصیلی حالات کوشش کے باوجود بھی تاریخ کے صفحات میں ہم تک

(۱) تاریخ سلاطینِ شرقی اور صوفیۂ جون پور، ج:۱، ص:۳۶۵، مطبوعہ جون پور۔
(۲) رودِ کوثر، ص:۵۷۴، ادبی دنیا، دہلی۔
(۳) آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب، ص:۱۳۱، نئی کتاب پبلشر، دہلی۔

نہیں پہنچ سکے اور جس قدر ملتے ہیں، وہ اتنے مختصر اور تشنہ ہیں کہ ان کی علمی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر نہیں کر سکتے۔ "[1]

اشفاق علی صاحب اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"ملّا جیون کی معلّمی محدود معلّمی نہ تھی، بلکہ وہ ایک تاریخ ساز معلمی تھی۔ ان کی معلمی عوام سے شروع ہو کر بادشاہِ وقت اورنگ زیب کی ذہنی ساخت تک پر اثرانداز ہوئی۔ وہ ایک قصبہ (امیٹھی) کی فضا سے نکل کر دہلی کی ثقافتی مرکزیت میں اپنی اہمیت کو ظاہر کر سکی اور پھر دکن کو بھی متاثر کیا۔ اس طرح وہ (ملّا جیون کی معلمی اور تدریسی شان) ہندوستان گیر ہو کر غیر ممالک پر بھی اثرانداز ہوئی۔ "[2]

(۱۰)-روضۃ القیومیہ کے مصنف خواجہ محمد احسان مجدّدی سرہندی لکھتے ہیں:

"حضرت ملّا جیون، آپ حضرت قیّوم ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہم عصر ہیں۔ نہایت متقی و پرہیز گار تھے۔ ظاہری علم بدرجۂ کمال حاصل کیا۔ اس علم میں آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ "[3]

(۱۱)-پیرزادہ اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں:

"حضرت ملّا جیون (شیخ احمد بن ابی سعید بن عبد الرزاق بن خاصہ) حنفی، صدیقی، مالکی، صالحی، امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ برصغیر کے ممتاز علمائے کرام اور دانشوروں میں سے تھے۔ بلا کا حافظہ پایا تھا۔ ایک بار کتاب دیکھتے یا قصیدہ سن لیتے حفظ ہو جاتا۔ درسی کتابیں زبانی سنا دیتے۔ قرآن کے حافظ تھے۔ ابتدائی تعلیم ملّا لطف اللہ جہان آبادی سے حاصل کی علمی شہرت کی وجہ سے محی الدین اورنگ زیب کے دربار میں عالمِ مملکت قرار دیے گئے۔ اورنگ زیب نے آپ سے دینی کتابیں پڑھیں۔ زندگی بھر بادشاہ اورنگ زیب آپ کے علم و کمال کا معترف رہا۔ **فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں صفِ اول کے فقیہ تھے۔** ساری عمر تدریس و تالیف میں گزار دی۔ نور الانوار شرح منار مدینہ منورہ میں بیٹھ کر کسی کتاب کی مدد کے بغیر لکھی۔ تفسیرات احمدی (احکام قرآنی) یادگار زمانہ

(۱) ملّا جیون کے معاصر علما، ص:۱۹۔

(۲) ملّا جیون کے معاصر علما، ص:۴۹۔

(۳) روضۃ القیومیہ، ج:۲، ص:۳۸۲، مکتبہ نبویہ، لاہور۔

آپ کی تالیف ہے۔ ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء دہلی میں انتقال کیا اور امیٹھی میں دفن ہوئے۔"(۱)

(۱۲)- مولانا عبد اللطیف و مولانا عبد الکریم نے تفسیراتِ احمدیہ کی تصحیح و تنقیح کی ہے۔ یہ دونوں حضرات لکھتے ہیں:

"سیّد الفقها والمحدثین، رأس الحکماء والمتکلمین، امام المعقول والمنقول، سیّد العلماء الفحول حضرت المولانا الشیخ أحمد المدعو بملّا جیون جون پوری قدس الله سرّہ."(۲)

(۱۳)- ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی لکھتے ہیں:

"ملّا جیون شریعت میں راسخ اور علم وعمل میں عارف و کامل تھے۔ روزہ نماز کے پابند تھے۔ تلاوتِ قرآن اور وظائف کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آپ اپنے وقت کے بڑے عالم اور یگانۂ روزگار تھے۔ درس و تدریس، تعلیم و تربیت کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ علوم و مفاہیمِ قرآنی پر عبور حاصل تھا۔ علمائے سلف کی مشہور دینی کتب اور قرآنی تفاسیر کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ علم و ادب اور شرعی کتب سے دلی لگاؤ تھا۔ علمِ قراءت، علمِ فقہ، تصوف، احکام القرآن پر آپ کی نایاب کتب ہیں۔ شاعری سے بھی دلی لگاؤ تھا۔ مولانا روم، حافظ بوصیری سے کافی متاثر تھے۔ ان شعرا کی نہج پر آپ کے شعری کارنامے پائے جاتے ہیں۔

درس و تدریس میں مہارت حاصل تھی۔ معلمی آپ کا دل پسند پیشہ تھا۔ یہ سلسلہ عمر کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران بھی خالی نہیں بیٹھے، مختلف موضوعات پر قلم بھی اٹھایا اور درس و تدریس بھی دیتے رہے۔ جہاں بھی سفر کرتے وہاں درس و تدریس کا اہتمام کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں لوگ علمِ دین سے آشنا ہی نہیں ہوئے بلکہ عالمِ باعمل بھی بنے۔ ملّا جیون کی تصنیفی خدمت ہو کہ تدریسی خدمت، ہر میدان میں آپ ایک باکمال شخصیت کے مالک تھے۔ معلمی آپ کا آبائی پیشہ تھا۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ موروثی ہونے کی وجہ سے

(۱) حاشیہ روضۃ القیومیہ، ج:۲، ص:۳۸۲، مکتبہ نبویہ، لاہور۔
(۲) تفسیراتِ احمدیہ، ص:۱، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔

خدمتِ دین کی جانب ہمیشہ جھکے رہے۔ ہزاروں طلبہ کی دینی وعلمی پیاس بجھائی۔ ہمہ وقت خدمتِ دین میں مصروف رہے۔ دینی تدریس، مطالعۂ دین، تصنیف کتب اور خدمتِ خلق آپ کے محبوب مشاغل تھے، جو تمام عمر بے روک ٹوک جاری رہے۔ ایسی شخصیتیں برسہا برس میں پیدا ہوتی ہیں۔"(۱)

(۱۴)- مفکرِ اسلام حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی دام ظلہ ارقام فرماتے ہیں:

"شیخ احمد ملّا جیون اپنے دور کے زبردست محدّث، مفسر، فقیہ اور جامع المعقول والمنقول عالم تھے اور اپنے عصر میں مرجع الفتاویٰ بھی تھے۔"(۲)

نثر کے علاوہ نظم میں بھی ملّا جیون کی حیات وخدمات، محاسن وکمالات اور آپ کی تہ دار علمی وروحانی شخصیت کا اظہار واعتراف کیا گیا ہے۔ اشعار کی شکل میں چند تاثرات سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۵)- آپ کے تلمیذِ رشید مفتی تابع محمد لکھنوی نغمہ طراز ہیں:

معلّم بہ جیون شیخ احمد با ․․․ محیطِ علم آں مولائے اعظم

مسلّم باطن و ظاہر بہ عالمِ ․․․ جہاں را روشنی زاں شمعِ دیں بود(۳)

(۱۶)- راقم الحروف کے والدِ مکرم حضرت مولانا تحسین عالم تحسینؔ رضوی بھاگل پوری (محمد زین العابدین) یوں قصیدہ خواں ہیں:

ملّا احمد، ملّا جیون کی وہ عالی شان ہے
جس پہ ہر ذرّہ امیٹھی شہر کا قربان ہے

مفتیانِ دین میں علامۂ فاضل تھے وہ
دین و دنیا کے ہر اک فن میں بڑے کامل تھے وہ

---

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص:۶۹، ۷۲، مطبوعہ اندور۔
(۲) ماہنامہ اشرفیہ، فروری ۱۹۷۶ء، ص:۱۷، مبارک پور، اعظم گڑھ۔
(۳) تذکرہ مفسرینِ ہند، ج:۱، ص:۱۲۴، دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔

اہلِ علم و فضل میں تھے سیکڑوں کا انتخاب
عزت و رفعت میں اعلیٰ، بے مثال و لاجواب
آپ کی تصنیف "تفسیراتِ احمدیہ" کا نور
بخشتا ہے دل کو تسکیں اور ایماں کو سرور
دوسری تصنیف جو انوار کا اک نور ہے
وہ فقیہوں کے لیے مانندِ کوہِ طور ہے

(۱۷)-مولانا قاری محمد میکائیل ضیائی بھاگل پوری کہتے ہیں:

عہدِ عالم گیر میں تھی منفرد اک ذات وہ
علم و فن کی کر گئی تھی بے کراں برسات وہ
مسندِ تدریس و افتا پر رہے رونق فزا
بانٹتے تھے مستحق کو علم کی خیرات وہ
عالمِ دینِ نبی اور عارفِ ذاتِ خدا
اہلِ علم و زہد و تقویٰ اہلِ ترجیحات وہ
خدمتِ فقہ و اصولِ فقہ بھی فرماگئے
لکھ گئے ہیں بے بہا قرآں کی تفسیرات وہ

(۱۸)-برادرِ گرامی مولانا کلیم رضا نوری چشتی کہتے ہیں:

نائبِ سیدِ ابرار تھے ملّا جیون
حامیِ عظمتِ سرکار تھے ملّا جیون
علمِ قرآن و احادیث و فقہ کے سلطاں
علمِ تفسیر کے شہ کار تھے ملّا جیون

ملّا جیون کے سوانحی ماخذ:-

ماخذ و مراجع اور مصادر و منابع کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تصنیف و تالیف اور تحقیق و تنقید کے دشوار گزار مراحل، ماخذ کے بغیر طے نہیں ہو سکتے۔ ارباب تحقیق و تصنیف اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ایک مضمون، مقالہ، کتابچہ، رسالہ اور کتاب ترتیب دینے کے لیے سب سے پہلے مواد کی ضرورت اور ماخذ کی فراہمی کا دشوار کن مرحلہ سامنے آتا ہے اور ماخذ ہی اس دشوار کن اور دقت طلب مرحلہ کو آسان بناتا ہے۔ راقم الحروف طفیل احمد مصباحی عفی عنہ کو زیر نظر کتاب "حضرت ملّا احمد جیون: حیات و خدمات" ترتیب دینے کے لیے جتنی محنت و مشقت اٹھانی پڑی، کہیں اس سے زیادہ محنت اور دشواری مواد کی فراہمی اور ماخذ کی تلاش و جستجو میں اٹھانی پڑی۔ تقریباً ایک سال کا عرصہ "ملّا جیون کے سوانحی ماخذ" تلاش کرنے اور اکٹھا کرنے میں بیت گیا۔ اس سے آپ سوانحی ماخذ کی اہمیت، ان کے حصول میں دشواری اور مواد کی فراہمی میں جگر کاوی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ماخذ دو طرح کے ہوا کرتے ہیں: (۱)- منفرد اور مستقل ماخذ (۲)- جزوی اور ضمنی ماخذ۔

حضرت ملّا احمد جیون کے سوانحی ماخذ سب کے سب جزوی اور ضمنی ہیں۔ منفرد اور مستقل ماخذ نہیں ہیں اور اگر ہوں بھی تو میری نظر سے نہیں گزرے ہیں۔ البتہ ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی [جو ملّا جیون کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں] نے "شیخ ملّا احمد جیون: حیات اور علمی آثار" کے نام سے جو کتاب تیار کی ہے، اسے ہم ملّا جیون کا مستقل سوانحی ماخذ کہہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی حیات و خدمات سے متعلق جس قدر تذکرے کتب و رسائل میں ملتے ہیں، وہ جزوی ضمنی اور غیر مستقل ہیں۔ تاہم جزوی اور ضمنی ہونے کے باوجود یہ ملّا احمد جیون کے سوانحی ماخذ ضرور ہیں۔ ذیل میں حضرت ملا احمد جیون کے سوانحی ماخذ کی فہرست دی جا رہی ہے۔ تاکہ محققین اور ریسرچ اسکالروں کو مواد کی فراہمی میں آسانی ہو۔

(۱)- مناقبِ اولیا: از: ملّا احمد جیون امیٹھوی۔

یہ ملّا احمد جیون کے خاندانی علما و مشائخ کا فارسی تذکرہ ہے۔

اس کتاب کے آخر میں ملّا جیون نے اپنی مختصر خود نوشت سوانح بھی لکھی ہے، آپ کی جو زندگی کے ستر سال کا احاطہ کرتی ہے۔ بعد ازاں وصال تک کا حال آپ کے فرزند ملّا عبد القادر امیٹھوی نے لکھا ہے۔ دیگر کتب و رسائل کی طرح آپ کی یہ کتاب "مناقب اولیا" بھی اب تقریباً ناپید ہے۔ ہاں! مناقب اولیا کی روشنی میں تیار کردہ فارسی رسالہ "تذکرہ بزرگانِ امیٹھی" نسلاً بعد نسلٍ آپ کے خاندان میں چلا آرہا ہے اور آج بھی یہ رسالہ پایا جاتا ہے، جو تقریباً ۳۵/ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر خلیل احمد مشیرؔ صدیقی کے توسط سے راقم الحروف کو اس کتاب کی فوٹو کاپی (زیراکس) دستیاب ہوئی ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اگر یہ کتاب نہ ملی ہوتو میں اپنی اس کتاب کو ترتیب دینے میں کبھی کامیاب نہیں ہوپاتا۔ زندگی سلامت رہی تو اس فارسی رسالے کا اردو ترجمہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ انشاء اللہ العظیم۔

(۲)۔صبحِ بہار: از: خادم حسن علوی۔

یہ کتاب "مناقبِ اولیا فارسی" کا اردو ترجمہ ہے۔ ملّا جیون کے اکثر تذکرہ نگاروں کا بنیادی ماخذ یہی کتاب ہے۔ راقم الحروف کے پاس اس کا آخری حصہ، جو ملّا جیون کی خود نوشت سوانح پر مشتمل ہے، موجود ہے۔

(۳)۔مشائخِ امیٹھی: از: ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی۔

یہ کتاب "مناقب اولیا یعنی تذکرہ بزرگانِ امیٹھی فارسی" کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں بلکہ اس کی ترجمانی ہے۔ ملّا احمد جیون اور ان کے خاندان کے دیگر علما و مشائخ کے احوال سے متعلق یہ کتاب ایک مستند تاریخی دستاویز ہے۔

(۴) حضرت شیخ ملّا احمد جیون: حیات اور علمی آثار: از: ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی:

حضرت ملّا احمد جیون کی حیات و خدمات کا تفصیلی تذکرہ سب سے پہلے اسی کتاب میں ملتا ہے۔ میری معلومات کی حد تک یہ واحد کتاب ہے جو ملّا احمد جیون کی حیات و خدمات اور آثار و احوال پر مستقل سوانحی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

مندرجہ ذیل کتابوں میں حضرت ملّا احمد جیون کے ضمنی اور جزوی تذکرے ملتے ہیں۔

(۵) سبحۃ المرجان (عربی): از: علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی۔

(۶) مآثر الکرام تاریخ بلگرام (فارسی): از: علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی۔
(۷) ابجد العلوم (عربی): از: نواب صدیق حسن خاں بھوپالی۔
(۸) عربی زبان و ادب: عہدِ مغلیہ میں: از: ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی۔
(۹) حدائق الحنفیہ: از: مولوی فقیر محمد جہلمی۔
(۱۰) تذکرہ علمائے ہند: از: مولوی رحمان علی۔
(۱۱) آزاد ہندوستان میں عربی زبان و ادب: از: ڈاکٹر محمد ارشاد نوگانوی۔
(۱۲) تاریخ المصنفین والمؤلفین: از: اسلام الحق اسعدی مظاہری۔
(۱۳) مُلّا جیون کے معاصر علما: از: محمد اشفاق علی۔

نوٹ:- جناب محمد اشفاق علی صاحب نے اپنی کتاب ''مُلّا جیون کے معاصر علما'' کے پیشِ لفظ میں لکھا ہے کہ ''مُلّا احمد جیون کی زندگی اور ان کے علمی کارنامے Life and works of Mulla Jeewan میری پی ایچ ڈی کی تھیسیز کا عنوان ہے، جو کہ انشاء اللہ عنقریب مکمل ہونے والی ہے۔''(۱)

بہت ممکن ہے کہ یہ تحقیقی مقالہ کتابی شکل میں منظر عام پر آچکا ہو۔ لیکن راقم الحروف کو اس کا علم نہیں ہے۔

(۱۴) اسلام اور علمائے اسلام: از: نیاز فتح پوری۔

مُلّا احمد جیون کے ہم عصر علما و مشائخ:-

ہندوستان کی تاریخ میں مغلوں کا دورِ حکومت علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کا دور ہے۔ اکبر سے لے کر اورنگ زیب عالم گیر تک کے مختلف ادوار میں بڑے بڑے جلیل القدر علما، مشائخِ وقت، کاملانِ شریعت و طریقت، ادبا، شعرا اور دیگر فضلائے دہر ہندوستان کی دھرتی پر نمودار ہوئے۔ شاہانِ وقت کی علمی فیاضوں اور سرپرستیوں نے علوم و فنون کی اشاعت و ترقی کو منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔ اورنگ زیب یعنی مُلّا احمد جیون کا دور از ابتدا تا انتہا علوم و فنون کی ترقی کا دور ہے۔

(۱) مُلّا جیون کے معاصر علما، ص:۱۶۔

آپ کے عہد میں مطلعِ ہند پر علم و حکمت کی جو کہکشائیں علما و مشائخ کی شکل میں جگمگا رہی تھیں، انھیں دیکھ کر حیرت اور تعجب ہوتا ہے۔ جناب محمد اشفاق علی صاحب نے "ملّا جیون کے معاصر علما" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے، اس کتاب سے ملّا احمد جیون کے ہم عصر علما و مشائخ کی فہرست نقل کی جاتی ہے:

(۱)	ابوالبرکات بن حسام الدین	(۱۸)	جمال الدین گجراتی
(۲)	ابوالحسن سندھی کبیر	(۱۹)	حبیب اللہ قنوجی
(۳)	ابوالفتح خواجہ مفتی	(۲۰)	حمد اللہ سندیلوی
(۴)	ابوالمجد احمد آبادی	(۲۱)	حیدر کشمیری
(۵)	ابوالنجیب قلندر امیٹھوی	(۲۲)	خوب اللہ الہ آبادی
(۶)	ابویوسف امیٹھوی	(۲۳)	دارا شکوہ بن شاہ جہاں
(۷)	احمد بن ابی المنصور گوپاموی (ملّا احمد جیون کے شاگرد)	(۲۴)	داؤد مشکوتی بابا
(۸)	احمد بن غلام نقشبندی لکھنوی	(۲۵)	زیب النساء بیگم (ملّا جیون کی شاگردہ)
(۹)	احمد عبدالحق فرنگی محلی	(۲۶)	سعد اللہ سلونی
(۱۰)	امان اللہ بنارسی	(۲۷)	شرف الدین لکھنوی
(۱۱)	امین الدین جون پوری	(۲۸)	شکر اللہ جون پوری
(۱۲)	بدر الدین جون پوری	(۲۹)	شہاب الدین گوپاموی
(۱۳)	بڈھن امیٹھوی (ملّا جیون کے بڑے بھائی)	(۳۰)	صدر الدین لکھنوی
(۱۴)	برکت اللہ مارہروی	(۳۱)	طفیل محمد اترولوی
(۱۵)	پیر محمد لکھنوی	(۳۲)	شیخ رضی الدین بھاگلپوری (مرتب فتاویٰ عالمگیری)
(۱۶)	تابع محمد لکھنوی (ملّا جیون کے شاگرد)	(۳۳)	ظہیر الدین بالاپوری
(۱۷)	جلال الدین گجراتی	(۳۴)	عالم گیر بن شاہ جہاں

(۳۵)	عبدالاحد سرہندی	(۵۷)	قاضی محبّ اللہ بہاری
(۳۶)	عبدالجلیل حسینی بلگرامی	(۵۸)	محمد اشرف منٹو کشمیری
(۳۷)	ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی	(۵۹)	محمد اعلیٰ تھانوی
(۳۸)	شاہ عبدالرحیم دہلوی	(۶۰)	محمد افضل الہ آبادی
(۳۹)	عبدالرسول گجراتی	(۶۱)	محمد جان دہلوی
(۴۰)	عبدالرشید جون پوری	(۶۲)	محمد جمیل جون پوری
(۴۱)	عبدالکریم سندھی	(۶۳)	محمد سید قنوجی
(۴۲)	عبدالوہاب الحنفی گجراتی	(۶۴)	محمد زاہد ہروی
(۴۳)	عصمت اللہ لکھنوی	(۶۵)	محمد سعید سہالوی
(۴۴)	عظمت اللہ کاکوروی	(۶۶)	محمد شاکر لکھنوی
(۴۵)	عِلمُ اللہ شاہ	(۶۷)	محمد شفیع بدایونی
(۴۶)	علوی خاں حکیم	(۶۸)	محمد غوث کاکوروی
(۴۷)	علی اصغر قنوجی	(۶۹)	ملّا محمد دیوگامی
(۴۸)	علی معصوم الدستکی	(۷۰)	محمد معظم نابھوی
(۴۹)	علیم اللہ کچندوی (رفیقِ درس ملّا جیون)	(۷۱)	محمد معین سندھی
(۵۰)	غلام محمد لکھنوی	(۷۲)	حکیم ارزانی دہلوی
(۵۱)	غلام نقشبند لکھنوی	(۷۳)	امان اللہ دہلوی
(۵۲)	علامہ قطب الدین شمس آبادی	(۷۴)	جار اللہ سائن پوری
(۵۳)	ملّا قطب الدین شہید سہالوی	(۷۵)	جان محمد لاہوری
(۵۴)	شیخ کلیم اللہ جہان آبادی	(۷۶)	جلال الدین حمید عالم
(۵۵)	شیخ مبارک بلگرامی	(۷۷)	جلال الدین مچھلی شہری
(۵۶)	مبارک گوپاموی	(۷۸)	حامد جون پوری

(۷۹)	رستم علی قنوجی	(۹۵)	عبدالہادی بلگرامی
(۸۰)	زین الدین کشمیری	(۹۶)	عنایت اللہ کشمیری
(۸۱)	سراج الدین علی خاں اکبر آبادی	(۹۷)	محمد ابوالخیر ٹھٹھوی
(۸۲)	سعد اللہ بلگرامی	(۹۸)	محمد اسعد حنفی
(۸۳)	سیف الدین سرہندی	(۹۹)	محمد اشرف منٹو
(۸۴)	سیف اللہ بخاری	(۱۰۰)	محمد افضل سرہندی
(۸۵)	نظام الدین برہان پوری	(۱۰۱)	محمد اکرم دہلوی
(۸۶)	نور الہدیٰ امیٹھوی	(۱۰۲)	محمد حسین جون پوری
(۸۷)	سید شاہ ولی ٹھٹھوی	(۱۰۳)	محمد دولت فتح پوری
(۸۸)	یٰسین بن جنید امیٹھوی	(۱۰۴)	محمد صالح احمد آبادی
(۸۹)	شہاب الدین اورنگ آبادی	(۱۰۵)	محمد فاخر الہ آبادی
(۹۰)	صفت اللہ خیر آبادی	(۱۰۶)	محمد بن فتح اللہ شیرازی
(۹۱)	عبدالرحیم بیجا پوری	(۱۰۷)	محمد محسن دہلوی
(۹۲)	عبدالشکور پتلو	(۱۰۸)	محمد محسن کشور
(۹۳)	عبدالصمد جون پوری	(۱۰۹)	موسیٰ بن عبدالرقیب امیٹھوی
(۹۴)	عبداللہ گجراتی		

وفاتِ حسرت آیات:-

عمدۃ المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی پوری زندگی درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ وارشاد میں گزری۔ ۸۳/ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور ضعف و نقاہت کے باعث اکثر نڈھال سے رہنے لگے تھے۔ وصال سے قبل بار بار اپنے ارتحال کی خبر دینا شروع کر دی تھی۔ وقتِ وصال دہلی میں مقیم تھے، لیکن وطن مالوف قصبہ امیٹھی جانے کا قصد رکھتے تھے۔ وطن کا خیال کر کے بے چین ہو جاتے تھے۔ آخر کار وقت آخر آپہنچا۔ حسب معمول درس و تدریس میں مصروف رہے، درس و تعلیم سے فراغت کے بعد نماز مغرب مع اوّابین ادا کی اور اوراد و وظائف میں مصروف ہوئے۔ بعد فراغت حسب دستور رات کا کھانا تناول فرمایا۔ عشا کی نماز اور نوافل ادا کیے۔ نصف شب گزری تھی کہ آپ کے سینے میں سوزش محسوس ہوئی، آپ نے فرمایا: ''مغرب کے وقت ایک ستارہ ٹوٹتا ہوا نظر آیا۔ کوئی عالمِ کامل اس دنیا سے رخصت ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے شدید درد کی حالت میں اٹھے اور جامع مسجد دہلی کے جنوبی دالان کی طرف ایک کوٹھری میں جا کے لیٹ گئے۔ آپ کے بڑے بیٹے ملّا عبد القادر وہاں موجود تھے، ان سے فرمایا: ''وقتِ آخر ہے۔'' اور ذکرِ الٰہی میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ ڈیڑھ پہر رات باقی تھی کہ زبانِ مبارک پر کلمۂ طیبہ جاری ہوا اور روح مبارک جسمِ خاکی کو چھوڑ کر راہیِ جنت ہوگئی۔

صبح ہوتے ہی آپ کے وصال کی خبر عام ہوگئی، اسی دن یعنی پیر، منگل بتاریخ ۹/ ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ کو ظہر کے وقت آپ کی میت کو تکیۂ میر محمد شفیع قدس سرہٗ میں عقب مسجد سپرد خاک کیا گیا۔ ملّا جیون کو ۱۱۳۰ھ کے آغاز کے ساتھ ہی اس بات کا علم ہوگیا تھا کہ اب ان کے چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے۔ لہٰذا کئی بار اپنے وطن (امیٹھی) جانے کا قصد کیا اور اپنے آبائی وطن کے لیے مضطرب رہے۔ مگر ضعف و نقاہت نے وہاں جانے کی اجازت نہیں دی۔ اسی بے چینی اور بے بسی میں انتقال فرمایا۔ تجہیز و تکفین کے بعد ان کی اس آخری خواہش پر ایک عرصے تک غور و خوض ہوتا رہا۔ آخر کار پچاس دن کے بعد بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۴/ محرم الحرام ۱۱۳۱ھ کو آپ کے جسدِ خاکی کو نکال کر ایک تابوت میں رکھ کر امیٹھی لایا گیا جہاں عصر کے وقت میت (لاش) کو آبائی شہر کے مدرسہ اسلامیہ

کے ملحقہ مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ اس وقت سے امیٹھی ملّا جیون کی آخری آرام گاہ ہے۔

ملّا جیون کی وفاتِ حسرت آیات پر شیخ محمد تابع بن ملا ستر کھی نے مندرجہ ذیل تاریخی قطعہ تحریر فرمایا۔

محیطِ علم آں مولائے اعظم
باحمدِ عرف جیونؔ شد معلّم
جہاں را روشنی زاں شمعِ دین بود
بعلمِ ظاہر و باطن مسلم
چوں رحلت کرد در ذی قعدہ تاسع
بوصل دوست خود گشتہ مکرم
بتاریخش خود دادہ بگوشم [1]
(۱۱۳۰ھ)

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۶۷، ۶۸، مطبوعہ اندور۔

ملّا جیون سے متعلق چند واقعات

ملّا جیون اور اورنگ زیب کی دُوَنّی:-

مُلّا احمد جیون شہنشاہ اورنگ زیب کے استاذ تھے۔ اورنگ زیب مُلّا صاحب کی بہت عزت کرتا تھا اور مُلّا صاحب بھی اس کو اپنا بہترین شاگرد سمجھتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔

جب اورنگ زیب شہنشاہ عالم گیر کا لقب اختیار کرکے ہندوستان کے تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے استاذ کو پیغام بھجوایا کہ چند دنوں کے لیے دہلی تشریف لائیں اور مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں۔ مُلّا احمد جیون اس وقت تو دہلی نہ گئے کہ اس سے ان کے مدرسے کے طالب علموں کا حرج ہوتا تھا، لیکن رمضان کے مہینے میں جب کہ ان کے مدرسے میں چھٹیاں ہوتی تھیں، انھوں نے دہلی کا رُخ کیا۔ استاذ اور شاگرد کی ملاقات دہلی کی جامع مسجد میں عصر کی نماز کے وقت ہوئی۔ نماز کے بعد اورنگ زیب مُلّا صاحب کو اپنے ساتھ شاہی قلعے میں لے گیا۔ رمضان کا سارا مہینہ اورنگ زیب اور مُلّا صاحب نے اکٹھے گزارا، بادشاہ دربار میں بھی اپنے استاذ کو ساتھ لے جاتا اور رات کو تراویح کی نماز کے بعد دیر تک دونوں میں علمی گفتگو ہوتی۔

عید کی نماز مُلّا احمد جیون نے بادشاہ کے ساتھ ادا کی اور واپس جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے جیب سے ایک دُوَنّی نکال کر اپنے استاذ کو پیش کی، مُلّا احمد جیون نے بڑی خوشی سے اپنے شاگرد کے نذرانے کو قبول کیا اور خدا حافظ کہہ کر گھر کو روانہ ہوئے۔

اس کے بعد اورنگ زیب دکن کی لڑائیوں میں ایسا مصروف ہوا کہ اسے چودہ برس تک دہلی آنا نصیب نہ ہوا۔ جب وہ دہلی واپس آیا تو وزیر اعظم نے بتایا مُلّا احمد جیون بہت بڑا زمین دار بن چکا ہے۔ اگر اجازت ہو تو اس سے لگان وصول کیا جائے۔

یہ سن کر اورنگ زیب حیران رہ گیا، سوچنے لگا کہ ایک غریب استاذ بہت بڑا زمین دار کیسے بن سکتا ہے؟ اس نے فوراً مُلّا صاحب کو ایک خط لکھا اور ملنے کی خواہش ظاہر کی۔

مُلّا احمد جیون پہلے کی طرح رمضان کے مہینے میں دہلی آئے، اورنگ زیب نے بڑی محبت

سے انھیں اپنے پاس ٹھہرایا۔ مُلّا صاحب کا لباس اسی طرح سادہ تھا۔ ان کی بات چیت اور طور طریقوں سے بھی پہلے جیسی سادگی ظاہر ہو رہی تھی، اس لیے بادشاہ کو ان سے بڑا زمین دار بن جانے کے بارے میں پوچھنے کا کچھ حوصلہ نہ ہو سکا۔ لیکن ایک دن مُلّا صاحب خود ہی کہنے لگے۔

''آپ سے جو دُونی لے کر آیا تھا، وہ کوئی بہت ہی برکت والی تھی۔ میں نے اس سے بنولے خرید کر کپاس کی کاشت کی۔ خدا نے اس میں اتنی برکت دی کہ چند سال کے اندر ہی سینکڑوں سے لاکھوں ہو گئے۔''

اورنگ زیب اپنی دی ہوئی دونی کی یہ تعریف سن کر بہت خوش ہوا، پھر مسکرا کر کہنے لگا:

اگر اجازت ہو تو اس دونی کی داستان سناؤں؟

مُلّا صاحب نے کہا: ''ضرور، ضرور''

اورنگ زیب نے اپنے خادم کو حکم دیا: ''چاندنی چوک کے سیٹھ اُتم چند کو اطلاع کی جائے کہ وہ سن ۱۰۶۹ء کے بہی کھاتے کے ساتھ پیش ہو۔''

سیٹھ اُتم چند ایک معمولی بنیا تھا، اسے اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ اورنگ زیب نے نرمی سے کہا:

''گھبراؤ نہیں، آگے آجاؤ اور ۱۰۶۹ء کا کھاتا کھول کر خرچ کی تفصیل بیان کرو۔''

سیٹھ اُتم چند نے اپنا کھاتا کھولا اور تاریخ وار خرچ کی تفصیل پڑھ کر سنانے لگا، اورنگ زیب اور مُلّا احمد جیون خاموشی سے سنتے رہے۔ ایک جگہ پر آکر سیٹھ رک گیا۔ یہاں خرچ کے طور پر ایک دونی درج تھی، لیکن اس کے سامنے لینے والے کا نام نہیں لکھا تھا۔

اورنگ زیب نے نرمی سے پوچھا: ''ہاں یہ بتاؤ یہ دونی کہاں گئی؟''

اُتم چند نے کھاتا بند کر دیا، ایک آہ بھری اور کہنے لگا: حضور یہ ایک درد بھری داستان ہے۔ اجازت ہو تو عرض کروں؟

بادشاہ نے کہا: ''اجازت ہے۔''

اُتم چند کچھ دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا: ''حضور! ایک رات کی بات ہے کہ زور کی گھٹا گھر کے آئی اور موسلا دھار مینہ برسنے لگا۔ میرا مکان نیا نیا بنا تھا، وہ ٹپکنے لگا۔ میرا سارا سامان اور بہی کھاتے

اسی مکان میں تھے۔ میں نے بڑی کوشش کی لیکن مکان اسی طرح ٹپکتا رہا۔ میں نے گھبرا کر باہر جھانکا تو ایک آدمی سرکاری لالٹین کے نیچے کھڑا نظر آیا۔ میں نے اسے مزدور خیال کرتے ہوئے آواز دی:

"اے بھائی، مزدوری کروگے؟"

وہ بولا: "ہاں ہاں! کیوں نہیں۔"

میں نے اسے اندر بلا لیا اور کام پر لگا دیا۔ وہ بھلا مانس تین چار گھنٹے تک بڑی محنت سے کام کرتا رہا، تب جاکر مکان ٹپکنا بند ہوا، پھر اس نے اندر کا سامان درست کیا۔ اتنے میں مسجد سے صبح کی اذان کی آواز آئی۔ اس شخص نے کام سے ہاتھ روک کر اذان کی آواز سنی۔ اذان ختم ہوئی تو اس نے دعا مانگی، پھر مجھ سے کہنے لگا:

"سیٹھ صاحب، آپ کا کام ٹھیک ٹھاک ہو چکا ہے۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔"

میں نے اس کو مزدوری دینے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو صرف ایک دُونّی نکلی۔ میں نے کہا: "بھائی کام تو تم نے واقعی بہت اچھا کیا ہے۔ لیکن اس وقت میری جیب میں صرف ایک دُونّی ہے۔ تم یوں کرنا کہ صبح کو دکان آجانا۔ مزدوری بھی مل جائے گی اور انعام بھی۔ اس شخص نے ہاتھ بڑھا کر کہا: لاؤ یہی دُونّی دے دو۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔ میں پھر حاضر نہیں ہو سکتا۔

میں نے بہت کہا، میری بیوی نے بھی اس کی منتیں کیں لیکن وہ بولا: دیتے ہو تو یہی دونی دے دو، ورنہ میں جاتا ہوں۔ میں نے مجبور ہو کر وہی دُوَنّی اس کے ہاتھ میں دے دیا اور وہ لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد میں نے اسے بہت ڈھونڈا، لیکن وہ کہیں نہ ملا۔ آج اس بات کو پندرہ برس ہو چکے ہیں۔ میرا دل مجھے ملامت کرتا ہے کہ بھلے مانس، روپے نہ سہی اشرفیاں تو تمھارے پاس موجود تھیں۔ تم اسے ایک اشرفی ہی دے دیتے۔ اس وقت تو اس کا کام ہزار اشرفیوں کے برابر تھا۔ اُتم چند نے یہ داستان سنانے کے بعد ہاتھ جوڑ کر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اسے ایک قیمتی چغہ پہنایا اور پھر اسے عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

اُتم چند کے جانے کے بعد اورنگ زیب نے مسکراتے ہوئے اپنے استاذ کی طرف دیکھا اور کہا: "جناب، یہ وہی دونی تھی۔"

مُلّا صاحب خوش ہو کر بولے: ”میرا پہلے ہی خیال تھا کہ یہ دونّی میرے عزیز شاگرد نے خود اپنی محنت سے کمائی ہے۔ جبھی تو خدا نے اس میں اتنی برکت دی ہے۔“

اورنگ زیب نے کہا: ”یہ آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے آپ جیسا استاذ ملا۔ آپ کا یہ شاگرد اپنے ذاتی خرچ کے لیے شاہی خزانے سے کچھ نہیں لیتا۔ جب سے میں نے شاہی تخت پر قدم رکھا ہے، رات کو دو گھنٹے کام کاج کر کے اپنی روزی کماتا ہوں۔ ایک گھنٹے میں قرآن مجید لکھتا ہوں، دوسرے گھنٹے ٹوپیاں سیتا ہوں، ہفتے میں دو راتوں کے لیے شہر کی دیکھ بھال کے لیے نکلتا ہوں۔ جس رات اتم چند کے گھر کا کام کیا، وہ میرے بھیس بدل کر شہر میں پھرنے کی رات تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس طرح میرے ہاتھوں ایک ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوئی۔ یہ سب آپ کی دعاؤں کی وجہ سے ہے۔

نوٹ:- یہ واقعہ انٹرنیٹ ویب سائٹس اردو پوائنٹ ڈاٹ کام سے لیا گیا ہے۔

(طفیل احمد مصباحی عفی عنہ)

ملّا جیون کی رحم دلی اور ایثار و قربانی:-

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی لکھتے ہیں:

”ملّا جیون کی شخصیت اور ذات سے متعلق بہت سے لطائف و واقعات ہیں جن کی روشنی میں ان کی درویش صفتی اور سادہ لوحی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً اورنگ زیب نے ملّا جیون کو ان کی آمد و رفت کے پیش نظر ایک شاہی گھوڑا عنایت کیا تھا تاکہ امیٹھی سے دہلی آنے میں دقت نہ ہو۔ ایک دن آپ امیٹھی سے دہلی روانہ ہوئے۔ راستے میں کوئی اجنبی باپ بیٹے ایک مریل گھوڑی پر سوار تھے اور ساتھ ہی اس گھوڑی کا ایک بچہ پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ آپ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ آپ نے فوراً اپنا شاہی گھوڑا اس اجنبی شخص کو عطا کر دیا تاکہ باپ بیٹے کا سفر آسان ہو جائے اور خود اس مریل سی گھوڑی پر سوار ہو کر دہلی کے لیے چل پڑے۔ جب عالم گیر کے پاس پہنچے تو فرمایا: آپ نے مجھے ایک گھوڑا عطا کیا تھا۔ میں نے اس کے بدلے میں دو حاصل کر لیے۔ اورنگ زیب ان کی سادگی اور سادہ لوحی سے واقف تھا، مسکرا کر رہ گیا۔

ایک مرتبہ مُلّا جیون کو اورنگ زیب نے ایک دُوَنّی بطور بخشش عطا کی۔ آپ نے اس کو شاہی تبرک سمجھا اور مرغی خرید لی۔ اس کے انڈے بچوں میں اتنی برکت ہوئی کہ بھینسوں کے دودھ کا سلسلہ چل پڑا اور اس کاروبار سے بڑی آمدنی بھی ہوئی۔ اورنگ زیب کو جب ان کے اس کاروبار کی خبر لگی تو اس نے آپ کو طلب فرمایا۔ آپ نے کہا: ''یہ سب کچھ آپ کی دونی کی برکت کا انعام ہے۔'' اورنگ زیب نے جب اس دُوَنّی کی تحقیق اپنے ریکارڈ سے کی تو علم ہوا کہ یہ دُوَنّی اس کی محبتِ شاقہ کا ثمرہ تھی جو مُلّا جیون کے لیے باعث برکت بنی۔

اسی طرح ایک واقعہ مُلّا جیون کے روکھے سوکھے خورد و نوش سے متعلق سنایا گیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ امیٹھی سے زادِ راہ کے طور پر دو دن پرانے دہی بڑے لے کر اورنگ زیب سے ملنے پہنچے۔ جب کھانے کا وقت ہوا، اور دستر خوان بچھایا، مُلّا جیون نے اپنے سامانِ خوردنی سے وہی پرانے دہی بڑے اورنگ زیب کے سامنے رکھ دیے اور انھیں کھانے کی دعوت دی: اس نے ایک نوالہ کھایا تھا کہ ہاتھ کھینچ لیا۔ مُلّا جیون نے چٹکی لیتے ہوئے کہا: ''کیوں شاہی نوالے کے آگے فقیر کا نوالہ حلق کے نیچے نہیں اترتا؟'' اورنگ زیب ان کے اس سبق سے بے حد متاثر ہوا۔

مُلّا جیون کے ایسے بہت سے لطائف و واقعات ہیں جو اخبار و رسائل میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ خاندانی تعلق ہونے کی وجہ سے بھی ایسے بہت سارے لطائف کا ہمیں علم ہے، جن کی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔ (۱)

سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ اورنگ زیب جب تختِ سلطنت پر رونق افروز ہوا تو حضرت مُلّا جیون صاحب کی خدمت میں جون پور عرض داشت لکھا کہ ''خادم بوجہِ خدماتِ سلطنت و مہمّاتِ ملکی حاضر ہونے سے قاصر ہے۔ مگر یہ بھی بے ادبی ہے کہ حضور کو دہلی آنے کی زحمت اور سفر کی تکلیفیں دوں اور اشتیاقِ زیارت مجبور کر رہا ہے کہ اس قسم کی زحمت دوں۔ (بہر کیف! مُلّا احمد جیون اورنگ زیب عالم گیر سے بغرضِ ملاقات دہلی جانے کے لیے) تیار ہو گئے۔ سامان درست کر دیا گیا اور بادشاہ کو آپ آمد کی اطلاع دی گئی، مگر وقتِ مقررہ پر آپ دہلی نہ پہنچے۔ بادشاہ نے خدمت میں دوبارہ لکھا، جس کے جواب میں مُلّا صاحب نے لکھا کہ: ''بموجبِ وعدہ وقتِ مقررہ پر

(۱) شیخ مُلّا جیون، ص: ۹۱ - ۹۳، مطبوعہ اندور۔

دہلی پہنچا مگر جمنا کے پُل پر ایک بیل گاڑی خالی جاتی ہوئی ملی اور گاڑی بان نصف کرایہ پر راضی ہو گیا اور میں سستا کرایہ دیکھ کر پھر جون پور واپس آ گیا۔" اب اس سے زیادہ سادہ لوحی کیا ہوگی؟

پھر اس کے کچھ دنوں کے بعد آپ دہلی پہنچے، بڑے تپاک سے بادشاہ و اراکینِ سلطنت نے آپ کا استقبال کیا۔ شاہی محل کے اندر آپ کے قیام کا انتظام ہوا۔ حضرت مُلّا جیون صاحب نے ایک تھان گزی کا بادشاہ اورنگ زیب کو سوغات میں دے کر فرمایا کہ اس کے سوت (دھاگہ) کے ہر تار پر کلمۂ طیبہ پڑھ کر اس کو والدہ نے کاتا (بُنا، بنایا) ہے۔ پھر اس کے سوت کی پنڈی درود شریف پڑھ کر بنائی ہے۔ پھر حلال پیسے سے اس کی بُنائی کی گئی ہے۔ اورنگ زیب نے اس متبرک تھان کو آنکھوں سے لگایا اور چُوما پھر سر پر رکھا۔ بعدہٗ داروغہ توشہ خانہ کو بلا کر اسے حفاظت سے رکھنے کا حکم دیا۔

اس کے بعد حضرت مُلّا جیون نے اورنگ زیب کو ایک مٹی کی ہانڈی دیا، جس میں گُل گلے تھے اور فرمایا کہ والدہ نے چرخہ کات کر حلال پیسوں سے تیل، گُڑ اور آٹا مہیا کیا ہے۔ بادشاہ نے بڑی تعظیم سے اُسے لے لیا اور فوراً منھ میں رکھا۔ چوں کہ کئی روز کا پکا ہوا گلگلا ہانڈی میں بند تھا، اس لیے مزہ خراب ہو گیا تھا۔ بادشاہ ایک لقمہ بھی نہ کھا سکا۔ اُبکائی (قے) آئی اور تھوک دیا۔ بادشاہ کی یہ حرکت حضرت مُلّا جیون کو پسند نہ آئی اور (بڑی جرأت کا ثبوت دیتے ہوئے) کہا کہ "حرام کا لقمہ کھانے والے کی حلال لقمہ کھانے کی قوت سلب ہو جاتی ہے اور وہ پھر حلال لقمہ کی طرف جلد راغب نہیں ہوتا۔ بادشاہ اونگ زیب نے اپنے استاذ مُلّا جیون کی سخت باتوں پر ذرا بھی اُف نہ کیا اور گراں قدر نصیحت حاصل کی۔[1]

(۱) تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیۂ جون پور، ج:۱، ص:۱۲۶۶، ۱۲۶۵، شیراز پبلشنگ ہاؤس، جون پور۔

احقاقِ حق وابطالِ باطل کا جذبہ:-

مُلّا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو سلطان اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاذ ہیں، ان کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ شاہزادے کو فکر ہوئی کہ میں ریشم کا لباس پہنوں۔ یاد رکھو! کہ جو چیز مردوں پر حرام کی گئی ہے وہ چیز چھوٹے بچوں کے لیے بھی حرام ہے اور جو چیز عورتوں کے لیے ناجائز ہے وہ چھوٹی بچیوں کے لیے بھی ناجائز ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تو بچے ہیں ان کو کیا؟ چلو تماشا دکھاؤ، ان کو ریشمی لباس پہنا دو۔ اور یہ نہیں جانتے کہ وہ تو بچے ہیں، نابالغ ہیں، ان کو گناہ نہ ہو، نہ سہی لیکن آپ تو مکلّف ہیں، آپ مجرم بن رہے ہیں۔ خالص ریشم بچوں کے لیے بھی حرام ہے اور مردوں کے لیے بھی حرام ہے۔ دنیا میں جو خالص ریشم پہنے گا اس کو جنت میں ریشم کا لباس نہیں ملے گا، یہاں پہنتے ہو تو پہن لو وہاں محروم ہو جاؤ گے۔ بہر کیف شاہ زادے کو ریشمی کپڑا پہننے کا خیال پیدا ہوا تو دربار میں جو مولوی لوگ ملازم تھے، ان سے شاہزادے نے جواز کا فتویٰ چاہا تو ان لوگوں نے کہہ دیا کہ ہاں! بادشاہ کے لیے جائز ہے پہن سکتے ہیں، اور ادھر ادھر کر کے بات بنادی۔ مگر شاہزادہ نے کہا کہ جب تک مُلّا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس فتوے پر دستخط نہیں کریں گے میں ریشم استعمال نہیں کروں گا۔

لوگ مُلّا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس جب فتویٰ کو لے گئے تو انھوں نے کہہ دیا: ''مفتی و مستفتی ہر دو کافر اند'' فتویٰ دینے والے اور فتویٰ پوچھنے والے دونوں مجرم ہیں، اور دونوں کافر ہو گئے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس چیز کو حرام فرمادیں اس کو حلال قرار دینا صریح جرم ہے، اور کھلا ہوا کفر ہے۔ اب کیا تھا! لوگوں نے جاکر دربار میں شکایت پہنچادی کہ مُلّا جیون نے تو ایسی سخت بات کہہ دی ہے۔ بس کیا تھا! جلّاد مقرر کر دیے گئے اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ مُلّا جیون کا سر قلم کر لیا جائے۔

اب ذرا علماے ربانی کا حال سنیے۔ یہاں تو جلاد تعینات کر دیئے گئے اور وہاں مُلّا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے جاکر کہا کہ حضرت آپ کے قتل کے لیے جلّاد مقرر کر دیے گئے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے کیا جرم کیا ہے؟ کیا یہی جرم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پیش کر دی اور آپ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال قرار دینے سے منع کر دیا؟ اچھا تو لاؤ میں بھی وضو کر کے تیار ہو جاؤں، اس لیے کہ وضو مومن کا ہتھیار ہے۔ ان کو بھی جوش آ گیا کہ میں بھی ایمانی ہتھیار سے

تیار ہو جاؤں اور اسی کیفیت میں وضو کرنا شروع کر دیا، لوگ دوڑے ہوئے دربار میں پہنچے اور کہا کہ مُلّا جیون کو جوش آگیا ہے اور آپ کے مقابلہ کے لیے وضو کر کے تیار ہو رہے ہیں، اب خیر نہیں ہے۔ یہ سن کر بادشاہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور آکر معذرت کی۔

آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کیوں ڈر گیا؟ وہ سمجھ گیا کہ مُلّا جیون اللہ کے ولی ہیں، ان کی خفگی میں ہماری خیر نہیں، کیوں کہ اللہ کے ولیوں کو جو ستاتا ہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس سے خود انتقام لے گا۔ حدیث قدسی ہے:

"من عادیٰ لی ولیًا فقد آذنته بالحرب"

یعنی جو میرے ولی سے عداوت رکھے اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے لڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ عالم ربانی کا یہی مقام ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ قول حق ہی رہتا ہے۔ [۱]

رسالہ ساقی ستمبر ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں ہے کہ ایک روز شب میں بعدِ فراغتِ معمولات بادشاہ (اورنگ زیب) نے حضرت مُلّا جیون کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! جب تک کمرے میں روشنی نہیں ہوتی مجھے اندھیرے میں نیند نہیں آتی ہے۔ پریشان ہوں کہ قبر کی تاریکی میں کیسے سو سکوں گا؟ مُلّا جیون نے فرمایا:

اے اورنگ زیب! تیری یہ پریشانی حق بہ جانب ہے، لیکن جب تو دفن کیا جائے گا تو تجھ پر حقیقت ظاہر ہوگی۔ جو لوگ کتاب و سنت کا نمونہ اور عاشق رسول ﷺ ہیں، ان کے لیے خوش خبری ہے کہ جب سے وہ آفتاب رسالت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ زیر زمین جلوہ گر ہوئے ہیں، زمین کے تمام طبقات روشن و منور کر دیے گئے ہیں۔

تم کو حبیبِ کبریا رحمت اللعالمین ﷺ کے صدقے میں آرام سے پیر پھیلا کر انوارِ رحمت میں سونا نصیب ہوگا اور قبر جلوہ گر رہے گی۔ [۲]

(۱) پندرہ روزہ تعمیر حیات، لکھنؤ، جون ۲۰۱۰ء

(۲) تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیہ جون پور، ج:۱، ص:۱۶۷، شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس، جون پور۔

تفسیراتِ احمدیہ: ایک تحقیقی مطالعہ:-

حضرت مُلّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی ہمہ جہت دینی، علمی اور تصنیفی خدمات میں "تفسیراتِ احمدیہ" کو شاہ کار کا درجہ حاصل ہے، اور آپ کے گراں قدر اور زندہ وجاوید کارناموں میں اسے تقدم وتفوّق کا رتبہ حاصل ہے۔ اربابِ تحقیق کی صراحت کے مطابق قرآنی احکام سے متعلق علمِ تفسیر میں ایسی لاجواب کتاب اور بلند پایہ تصنیف بہت کم ہی وجود میں آئی ہے۔ غرض کہ تفسیراتِ احمدیہ علم تفسیر کی ایک بے نظیر کتاب اور منفرد و ممتاز کی حامل ہے۔ سب سے بڑی کرامت کی بات تو یہ ہے کہ یہ تفسیر مُلّا جیون کے زمانۂ طالب علمی کی یادگار ہے۔ ابھی آپ درسیات کی تکمیل سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے۔ سولہ سال کی عمر تھی اور اصولِ فقہ کی کتاب حسامی پڑھ رہے تھے کہ دریں اثنا اس بلند پایہ تفسیر کو لکھنا شروع کیا اور ۱۰۶۹ھ میں جب کہ آپ کی عمر اکیس سال کی تھی، پانچ سال کی مدت میں اسے مکمل کر لیا۔

مُلّا جیون "تفسیراتِ احمدیہ" کے اختتامیہ میں لکھتے ہیں:

"قد شرعت فی تسو ید تفسیر الآیات الشرعیه (تفسیرات أحمدية) فی البلدة الطيبة أميتهی حين قرات الحسآمی بسنة ألف وأربعة وستين وسنی يومئذ ستة عشرة سنة و فرغت عنه سنة ألف وتسعه وستين فی البلدة والمباركة المذكورة حين قرأت شرح مطالع الأنوار وسنی يومئذ إحدىٰ وعشرون سنة."(۱)

سولہ سال کی ننھی عمر میں علم تفسیر جیسے دشوار فن پر قلم اٹھانا اور تقریباً پانچ سو آیاتِ احکام کی مدلل اور مفصل تفسیر و توضیح کر کے اسے زمانۂ طالب علمی ہی میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دینا، یہ کسی عبقری شخصیت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

تفسیراتِ احمدیہ، حضرت مُلّا جیون امیٹھوی کی تفسیری مہارت، علمی وجاہت اور عربی زبان وادب پہ آپ کی غیر معمولی قدرت کی روشن دلیل ہے۔ مُلّا موصوف کی تہ دار علمی شخصیت اور آپ

(۱) تفسیراتِ احمدیہ، ص:۵۰۳۔

کے فکر و فن کے جلووں کا اندازہ لگانے کے لیے تفسیراتِ احمدیہ مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔
اس کتاب کا شمار علمِ تفسیر کی ان تین امّہاتِ کتب میں ہوتا ہے جو احکامِ قرآنی پر نہایت جامع، مدلّل اور قدر و قیمت کے لحاظ بلند پایہ ہیں۔ وہ تین کتابیں یہ ہیں:

(۱)-احکام القرآن، از: ابوحیّان اندلسی۔

(۲)-احکام القرآن، از: ابوبکر جصّاص۔

(۳)-تفسیراتِ احمدیہ، از: حضرت مُلّا احمد جیون امیٹھوی۔

ان کتابوں کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر پاکستان میں ایک مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی اور ارکانِ مجلس نے "احکام القرآن" کی مختلف کتب میں سے اندلسی کی "احکام القرآن"، ابوبکر جصّاص کی "احکام القرآن" اور برصغیر ہند و پاک کے مشہور عالم اور اورنگ زیب عالم گیر کے استاذ شیخ احمد مُلّا جیون کی "تفسیراتِ احمدیہ فی آیات الشرعیہ" کا انتخاب کیا۔ بہت غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ مُلّا جیون کی کتاب "تفسیرِ احمدیہ" کا ترجمہ کیا جائے۔ کیوں کہ مُلّا جیون کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ اسی سرزمین کے باشندے ہیں جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں۔ وہ ان تمام مسائل سے آگاہ تھے۔ جو اس مملکت میں پیش آتے رہے۔ اس فیصلے کے بعد اس مقبول کتاب کی طباعت کا ذمہ قرآن کمپنی اردو بازار، لاہور نے لیا۔ جس کو قاری محمد عادل خاں صاحب نے اردو کا جامہ پہنایا۔ اس ترجمے میں محمد فاضل خاں بھی پیش پیش رہے۔ اس طرح ایک بار پھر یہ جامع کتاب ۱۹۷۸ء میں پاکستان میں منظرِ عام پر آئی۔ جس میں فقہی مسائل پر دلائل کے ساتھ بحث موجود ہے۔ ساتھ ہی اس تفسیر کی یہ بھی خوبی ہے کہ یہ تمام شرعی مسائل سلیس اور عام فہم انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ جنھیں قرآن حکیم سے مستخرج کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر اپنی جامعیت و وسعت، سلاست و روانی کے لحاظ سے ہند و پاک میں لکھی جانے والی تمام تفسیرات سے بلند ہے۔ اور اپنی انفرادیت کے باعث کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اوّلاً ۱۲۶۳ھ میں کلکتہ سے، بعد ازاں مطبع کریمی ممبئی اور مکتبہ رحیمیہ دیوبند نے بھی بے حد خوب صورت انداز میں شرح و بسیط کے ساتھ شائع کیا ہے۔

ابھی چند سال قبل لاہور، پاکستان سے ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے تفسیراتِ احمدیہ کا اردو ترجمہ بڑے معیاری انداز میں شائع کیا ہے۔

مترجم حضرت مولانا مفتی محمد شرف الدین صاحب قبلہ ہیں۔ یہ کتاب ۹۹۲؍ صفحات پر مشتمل ہے۔ غرض کہ تفسیراتِ احمدیہ اپنے زمانۂ تصنیف سے آج تک مقبول اور ہر دل عزیز تصنیف مانی گئی ہے۔ اہمیت و معنویت اور قدر و منزلت کے باعث مختلف اہل علم و قلم نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور آج ہند و پاک کے اشاعتی ادارے اسے بڑے اہتمام سے شائع کر رہے ہیں۔ یہ کتاب اور مصنف کی مقبولیت نہیں تو اور کیا ہے؟

جس طرح علمِ تفسیر جملہ علومِ اسلامیہ میں افضل و اشرف اور مقبول و محبوب ہے، اسی طرح تفسیراتِ احمدیہ جملہ کتبِ تفاسیر میں افضل و اشرف اور مقبول و محبوب تصنیف ہے۔

علامہ زرکشی کے بیان کے مطابق ''تفسیر وہ علم ہے جس سے کلامِ الٰہی یعنی قرآن مقدس کے احکام و معانی کے بیان و استخراج کا طریقہ معلوم ہو۔''

''التفسیر والمفسرون'' میں ہے:

''وعرفه الزركشي: بأنه علم يفهم به كتاب الله المنزل على نبيه محمد ﷺ و بيان معانيه واستخراج معانيه وحِكمه.''(۱)

حضرت علامہ ابوحیّان اندلسی فرماتے ہیں:

''التفسير علم يبحث فيه عن كيفية النطق بألفاظ القرآن ومدلولاتها وأحكامها الإفرادية والتركيبيّة ومعانيها التى تحمل عليها حالة التركيب وتتمات لذالك.''(۲)

علم تفسیر کا موضوع کلام اللہ ہے اور قرآن کے احکام و معانی کا سمجھنا اور ان پر عمل کرنا اس کا فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رسی (قرآن مقدس) کو مضبوطی سے تھامنا اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال ہونا علم تفسیر کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔(۳)

(۱) التفسیر والمفسرون، ج:۱، ص:۱۵، احیاء التراث العربی، بیروت۔
(۲) تفسیر بحر المحیط، ج:۱، ص:۱۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
(۳) القواعد الإساسية فى علوم القرآن، ص: ۵، جدّه.

قرآنی علوم اور ان کے موضوعات تین ہیں:

(۱)-توحید (۲)-تذکیر واصلاح (۳)-احکام ومسائل۔

توحید میں اللہ رب العزت کی ذات وصفات اور اس کے اسماو افعال کی معرفت کے ساتھ مخلوقات کی معرفت بھی شامل ہے۔

تذکیر میں وعدہ وعید (ثواب وعذاب) جنت ودوزخ اور ظاہر وباطن کی اصلاح داخل ہے۔

احکام میں تکالیفِ شرعیہ مثلاً حلال وحرام، جائز وناجائز، اوامر ونواہی اور منافع ومفاسد وغیرہ شامل ہیں۔ آیت کریمہ: "وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" توحید کی مثال ہے۔

آیتِ کریمہ: "وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین" تذکیر کی مثال ہے۔ جب کہ فرمانِ الٰہی: "وان احکم بینھم" احکام کی مثال ہے۔

امام بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی فرماتے ہیں:

ذكر القاضي أبو بكر بن العربي في كتاب "قانون التاويل":

إن علوم القرآن خمسون علما و أربع مائة وسبعة آلاف علم وسبعون ألف علم، علىٰ عدد كلم القرآن مضروبة في أربعة....

وأمّ علوم القرآن ثلاثة أقسام: توحيد و تذكير وأحكام، فالتوحيد تدخل فيه معرفة المخلوقات ومعرفة الخالق بأسمائه وصفاته وأفعاله. والتذكير ومنه الوعد والوعيد والجنة والنار وتصفية الظاهر والباطن. والأحكام ومنها التكاليف كلها وتبيين المنافع والمضار والأمر والنهي والندب. فالأول: والٰهكم اٰله واحد، فيه التوحيد كله في الذات والصفات والأفعال والثاني: وذكر فان الذكرىٰ تنفع المومنين. والثالث: وان احكم بينهم."[1]

ہر علم کی فضیلت واہمیت اس کے موضوع اور غرض وغایت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ علم تفسیر کا موضوع چوں کہ کلام اللہ یعنی قرآن مقدس ہے۔ اسی وجہ سے علم تفسیر نہایت افضل واعلیٰ اور اشرف وارفع علم ہے۔

(۱) البرهان في علوم القرآن، ج:۱، ص:۱۷، مكتبه دار التراث، قاهره، مصر.

حضرت علامہ سیوطی قدس سرہ کے بیان کے مطابق: ”شدتِ حاجت کے لحاظ سے ہر کمال وخوبی وہ دینی ہو یا دنیاوی اور خواہ وہ عاجل (جلد حاصل ہونے والا) ہو یا آجل (تاخیر سے حاصل ہونے والا) یہ دینی و شرعی علوم کی تحصیل پر موقوف ہے اور یہ علوم موقوف ہیں علم کلام اللہ (قرآن) کے حصول پر۔“(۱)

اور قرآن مقدس کے علوم و معارف اور اس کے احکام و مسائل کا علم اسی فنِ تفسیر کے جاننے پر موقوف ہے۔ غرض کہ علم تفسیر نہایت مقدس و متبرک اور اشرف و افضل علم ہے۔ دارین کی سعادتوں کے حصول کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانۂ صحابہ سے لے کر دورِ حاضر تک بے شمار کتبِ تفسیر لکھی گئیں۔

حضرت مُلّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ کی ”تفسیراتِ احمدیہ“ علم تفسیر میں آیاتِ احکام و استخراجِ مسائل سے متعلق لکھی جان والی لاجواب اور بے مثال کتابوں میں سے ایک ہے۔ حلِّ لغات، تشریح الفاظ، صرفی و نحوی ابحاث، مسائلِ کلامیہ، تفسیری اقوال، استنباطِ مسائل اور استخراجِ احکام میں اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ عربی زبان میں قدرت کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی مقام پر عجمیت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ جس موضوع پر گفتگو فرماتے ہیں، بڑے محققانہ انداز اور ادیبانہ اسلوب کے ساتھ آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ نہ زبان میں الجھاؤ ہے، نہ اسلوب میں پیچیدگی۔

غرض کہ کتاب کی سطر سطر مُلّا جیون کی تفسیری مہارت، ادبی ملکہ اور آپ کی عالمانہ و محققانہ شان کی گواہی دیتی ہے۔

مُلّا جیون کے اسلوب نگارش کے تحت ڈاکٹر شبیر احمد قادری آباد لکھتے ہیں:

”تفسیراتِ احمدیہ میں مُلّا جیون صاحب کا اندازِ نگارش یہ ہے کہ ایک آیت سامنے لاکر اس پر ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔ حالاں کہ عنوان کا بظاہر آیت سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اپنے اندازِ بیان، غور و فکر اور زور استدلال سے اپنا مدعا ظاہر کر لے جاتے ہیں اور سننے والا مطمئن ہو جاتا ہے۔ بیشتر مسائل پر علما کے اختلافات کی پہلے تصریح کرتے ہیں اور ان کی آرا نقل کرتے ہیں، ان پر عالمانہ بحث کے بعد مرجح بات شرح و بسط کے ساتھ مدلل و مبرہن کرتے ہیں۔ کسی

(۱) تاریخ افکار و علوم اسلامی، ج:۱، ص:۲۲۵، مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی.

موقع پر ایسا بھی کیا ہے کہ آیت اور شان نزول بیان کی ہے، پھر مختصر الفاظ میں اس کی تفسیر کی ہے اور دوسری آیت کو سامنے لاکر اس کے مفہوم کی وضاحت کی ہے۔

ویسے تو تمام ہی مفسرین آیاتِ قرآنی کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ دقت طلب مسائل کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں بعض سیر حاصل بحثیں بھی کرتے ہیں لیکن مُلّا جیون نے الگ سے اور نئے خطوط پر یہ کام کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ انھوں نے تقریباً ساڑھے چار سو آیتیں ایسی منتخب کی ہیں جن میں ان کا نقطۂ نظر حنفی ہے، مگر انھوں نے مسائل کے بیان میں دوسرے فرقوں کے اصولوں کا بھی تذکرہ کر دیا ہے۔"[1]

کتاب کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی انزل علیٰ عبده الکتاب ففصله تفصیلا و اودعه لطائف و اسرار و اٰیات و اٰثار تذکرة لاولی الالباب وتبصرة لمن اراد تکمیلا وجعله اجل الکتب قدر او اعزّها علما و اعذبها نظما وابلغها فی الخطاب واحسنها تفسیرا وتأویلا قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غیر ذی عوج لعلهم یتقون وفرقا نا مبینا هدی و بشری للمؤمنین نزله بلسان الروح الامین تنزیلا لیطلعوا علی سرائر الاولین والآخرین و یقفوا علیٰ غیوب السمٰوات والارضین و یستنبطوا لعلوم الشرعیة کلها اصولها وفروعها و یستخرجوا الفنون الادبیة والصناعات العربیة بانواعها وما اوتینا من العلم الا قلیلا ففریقا هدی وفریقا حق علیهم الضلالة فمن یظهره السعادة و یبدیه الهدایه فیؤمن باقواله و یعمل باحکامه و یتلوه لیلا طویلا ومن یرزق الشقاوة ویحق علیه الضلالة فلیقعد مذموما مخذولا وسیقول یالیتنی اتخذت مع الرسولِ سبیلا فیارب ذا الجلال وذالعزو الجمال وذا المجدو المعال صل علیه صلوٰة دائمة ناصیة لاانقطاع لمددها ولا منتهی لامدها وصل علی من اعانه وشید بنیانه وذیل ارکانه تذییلا وارض

(۱) عربی زبان وادب: عہد مغلیہ میں، ص: ۲۵۷، نظامی پریس، لکھنؤ۔

ارواحهم المقدسة العزيزة عنا و بلغهم تحية وسلاما منا و اوصل بركاتهم الينا و ادم فتوحاتهم علينا بكرة واصيلا و بعد فان انفع المطالب حالا ومالا و ارفع المارب منقبة وكما لاهو المعارف الدينية والمعالم اليقينية وعلم القرآن من بينها اعلاها شانا و اقواها برهانا ولقد بذل السلف فيه جهدهم وافرغوا فى ذلك وسعهم حيث وضعوا لتحقيقه علوما وجعلوا لها فروعا واصولا فشعبوا فيها شعبا ونحوه و احزابا و دونوا كتابا ووضعوا فيها فصولا وابوابا فقوم يضبطون مخارج حروفه و يقصدون رعاية وقوفه فسموه بعلم القراءة وقوم يضبطون لغاته حركة وسكونا ليكون فاؤها وعينها محفوظا ومصونا فسموه بعلم اللغة وقوم ينظرون الىٰ كون لفظه مثلا مستعملا فى الاستقبال او موضوعا للحال فسموه بعلم الصرف وقوم ينظرون الىٰ تحقيق اعرابه و بنائه واحوال كلماته فيما بين كلامه فسموه بعلم النحو وقوم ينظرون الىٰ فصاحته و بلاغته ووجوه اعجازه وتحسينه فسموه بعلم البيان وقوم ينظرون الىٰ تحقيق مبانية وتدقيق معانية فسموه بعلم التفسير وقوم ينظرون الىٰ ادلته العقلية وشواهده الاصلية فاستنبطوا منها عللاعلىٰ وحدانية الله تعالىٰ وقدرته فسموه بعلم الكلام وقوم يتأملون معانى خطاباته فوجدوا بعضها يقتضى العموم و بعضها الخصوص و بعضها مسوقا فيه و بعضها غير مسوق فيه فسموه بعلم الاصول ثم تفكروا فيها بصدق النظر وصحيح الفكر منها حل شئى وحرمة شئى اٰخر فسموه بعلم الفقه ومع هذا كله لم يطالعوا على سرائره وخفاياه وان علموا ظواهره و بداياه اذهوبحر مديد لا يعد فرائده وواد عظيم لا يقتص شوارده وكيف لاوقد قال الله تعالىٰ: ما فرطنا فى الكتاب من شئى وقال: ولا رطب ولا يابس اِلّا فى كتاب مبين وقال: نزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شئى. فما من شئى الا ويمكن استخراجه من القراٰن حتى استنبط بعضهم على الهيئة والهندسة والنجوم والطب واكثر العلوم العربية منه.[1]

(۱) مقدمہ تفسیراتِ احمدیہ، ص:۳،۲۔

تفسیراتِ احمدیہ کی وجہِ تصنیف:-

حضرت مُلّا جیون قدس سرہ اپنی مایۂ ناز اور بلند پایہ کتاب "تفسیراتِ احمدیہ" کی وجہِ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد کنت قدیما اسمع من افواہ الرجال الکرام ان الامام الغزالی الذی ھو من اجلۃ علماء الاسلام قد جمع اٰیات الاحکام بحسب الطاقۃ والامکان حتی بلغت خمسمائۃ بلا زیادۃ ولا نقصان و کنت علیٰ ذلك برھۃ من الزمان ومدۃ من الاکوان حتی وقفت علیٰ کتب الاصول للعلماء الفحول ذکروا فیھا تلك القصّۃ البدیعۃ واورد واھناك ھاتا الحکایۃ العجیبۃ فلما زدت ایمانا وکملت ایقانا طفقت اتفحص تلك الاٰیات واتجسسھا فی القعدۃ والقیامات فلم اجد علیھا ظفر اولم اقف منھا اثرا فامرت بلسان الالھام ان استنبطھا بعون اللہ تعالیٰ وتوفیقہ واستخرجھا بھدایۃ طریقۃ فاخذت اجمع الاٰیات التی استنبطت عنھا الاحکام الفقھیہ والقواعد الاصولیۃ والمسائل الکلامیۃ بالترتیب القراٰنیۃ ثم فسرتھا باحسن وجہ من التفسیر وشرحتھا باکمل جھۃ من التحریر اٰخذا من الکتب المتداولۃ لفحول العلماء والزبر المتعاورۃ بین الائمۃ والصلحاء۔[1]

یعنی میں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ (جو اجلّہ علمائے اسلام میں سے تھے) نے قرآن کریم کی پانچ سو آیاتِ احکام جمع کی ہیں اور ان کی تفسیر لکھی ہے۔ میں عرصۂ دراز تک امام غزالی کی آیاتِ احکام پر مشتمل کتاب وتفسیر کی تحقیق و جستجو میں لگا رہا۔ مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا۔ علمائے کرام کے اصول پر لکھی ہوئی بہت ساری کتابیں دیکھیں جن میں یہ قصہ لکھا ہوا تھا۔ جب میرا ایمان زیادہ ہوگیا اور دل یقین کے جوہر سے بھر گیا تو میں نے ان آیات کی مزید تحقیق و تفتیش اور تلاش و جستجو شروع کردی۔ لیکن افسوس مجھے اس کوشش میں نہ کامیابی ملی اور نہ ان آیات کا کہیں سراغ ملا۔ بالآخر مجھے ہی کمرِ ہمت باندھنی پڑی اور بذریعۂ الہام یہ حکم ملا کہ

(۱) مقدمہ تفسیراتِ احمدیہ، ص:۵۔

میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں اور اللہ عزوجل کی مدد و توفیق سے احکام و مسائل پر مشتمل آیات کو جمع کروں اور ان آیات سے احکام و مسائل کا استنباط و استخراج کروں۔ پس میں نے قرآنی ترتیب کے مطابق وہ تمام آیات جن سے احکامِ فقہیہ، قواعدِ اصول اور مسائل کلامیہ کا استخراج ہوتا ہے، جمع کیں اور بطریقِ احسن ان کی تفسیر و توضیح کی۔

تفسیراتِ احمدیہ کے ماخذ و مراجع:-

مصنفِ کتاب حضرت مُلّا جیون کی صراحت کے مطابق "تفسیراتِ احمدیہ" کے ماخذ و مراجع مندرجہ ذیل کتبِ تفاسیر و فقہ ہیں:

(۱) انوار التنزیل، (۲) مدارک التاویل، (۳) اتقان فی علوم القرآن، (۴) تفسیر غوری، (۵) تفسیر واعظ کاشفی، (۶) تفسیر امام زاہد، (۷) تفسیر کشّاف، (۸) شرح وقایہ، (۹) ہدایہ مع شروح، (۱۰) فتاویٰ حمادیہ، (۱۱) اصول بزدوی، (۱۲) شرح الشیخ ہدّاد بہاری، (۱۳) حسامی، (۱۴) توضیح مع تلویح (۱۵) اصولِ بن حاجب (۱۶) شرحِ عقائد نسفی، (۱۷) حاشیۂ خیالی، (۱۸) شرح مواقف۔

حضرت مُلّا جیون تفسیراتِ احمدیہ کے مقدمہ میں اپنے تفسیری ماخذ کی جانب یوں اشارہ کرتے ہیں:

ثم فسرتها بأحسن وجه من التفسير وشرحتها بأكمل جهة من التحرير آخذا من الكتب المتداولة لفحول العلماء والزبر المتعاورة بين الأئمة والصلحاء وما ذالك من فن و شعب بل من فنون مختلفة وشعب كثيرة فمن كتب التفاسير: انوآر التنزيل ومدآرك التأويل وكذا الكتاب الجليل الشان باهر البرهان الموسوم بالاتقآن فى علوم القرآن وتفسيّر الشيخ الرئيس الرئى المعروف بظهير الشريعة الغورى وتفسّير الشيخ الكبير العلى الحسين الواعظ الكاشفى وتفسير الشيخ الاجل الزاهّد الفهامة وكذا الثقة المعروف بجار الله العلامة ومن كتب الفقه: شرحّ وقاية الرواية بحواشيها وكتاب الهدآية بشروحها وكذا الفتآوىٰ الحمادية فى المسائل الفقهية ومن كتب الاصول:

الامام الاجل فخر الاسلام العلی البزدوی مع الکشف وشرح الشیخ الهداد البهاری وفروعه من کلام الشیخ الحسام وتصنیف الامام الفهام حافظ الدین البخاری وکتاب التوضیح مع شرحه التلویح وکذا مختصر اصول ابن الحاجب مع شرحه المشتهر فی المشارق والمغارب ومن کتب الکلام: شرح العقائد لسعد الدین التفتازانی مع حاشیته للفاضل المولی الخیالی وکذا شرح الشریف السید السند علی المواقف المشهور للقاضی العضد وقد الحقت الیها بعض ما ذکر فی کتب السیر والمحدثین فضلا علیٰ ما اورده بعض المفسرین وضممت الیها من الابحاث الشریفة والنکت اللطیفة مالم اظفر فی کلامهم بالتصریح بها ولم اجد الاشارة الیها واخترت من الاٰیات مایکون المسائل فیها صریحة او یشیر الیها اشارة قریبة.[1]

پروفیسر خلیل احمد مشیر صدیقی ''تفسیراتِ احمدیہ'' کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تفسیراتِ احمدیہ'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے قرآنی احکامات کی تشریح میں دنیائے اسلام کے ہر مفکر کا بغور مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ ان کے نظریات کو قرآن حکیم کی روشنی میں احسن طریقے سے پرکھنے کی کوشش بھی کی ہے تاکہ دینِ اسلام کی صحیح رہبری ہوسکے۔ اس تفسیر میں مباحثِ شریعہ اور نکاتِ لطیفہ پر اچھی طرح بحث کی گئی ہے۔ اس بحث میں علمائے کرام کی معروف اسلامی کتب سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ مُلّا جیون نے صرف ان ہی پانچ سو آیاتِ کریمہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ کسی مخصوص مسئلے کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ان آیاتِ کریمہ کی تفسیر میں جن احکاماتِ فقہیہ، قواعدِ اصولیہ اور مسائلِ کلامیہ کا استنباط ہوسکتا ہے، انھیں اخذ کیا تاکہ قرآن کی روشنی میں شرعی مسائل کی تشریح ہوسکے۔ اس بابرکت کام کے لیے مُلّا جیون نے قرآنی ترتیب کی روشنی میں وہ تمام آیاتِ کریمہ جن سے شرعی احکامات کا علم ہوتا ہے، انھیں منتخب کیا اور مشہور علمائے اسلام کی کتب کی مدد سے ان کی تفسیر و تشریح پیش کی۔ جن مبارک سورتوں میں پانچ سو آیاتِ کریمہ کا انتخاب کیا گیا ہے اور ہر سورتِ مبارکہ

(۱) مقدمہ تفسیراتِ احمدیہ، ص:۵، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔

میں سے جن احکامات و مسائل کا استخراج و استنباط کیا گیا ہے، ان کی تفصیل پیش کرنا تو یہاں ممکن نہیں مگر ان احکامات و مسائل کی تعداد پر سرسری نگاہ ڈالی جاسکتی ہے۔ مثلاً:

(۱) سورۂ بقرہ میں سے پینتالیس شرعی مسائل واحکامات (۲) سورۂ آلِ عمران میں سے چار (۳) سورۂ نساء میں سے چالیس (۴) سورۂ المائدہ میں سے سترہ (۵) سورۂ الانعام میں سے دس (۶) سورۂ الاعراف میں سے آٹھ (۷) سورۂ الانفال میں سے گیارہ (۸) سورۂ توبہ میں سے سترہ (۹) سورۂ یونس میں سے ایک (۱۰) سورۂ ہود میں سے ایک (۱۱) سورۂ یوسف میں سے تین (۱۲) سورۂ ابراہیم میں سے ایک (۱۳) سورۂ النحل میں سے نو (۱۴) سورۂ بنی اسرائیل میں سے چار (۱۵) سورۂ الکہف میں سے دو (۱۶) سورۂ مریم میں سے ایک (۱۷) سورۂ طٰہٰ میں سے دو (۱۸) سورۂ الانبیا میں سے تین (۱۹) سورۂ الحج میں سے چار (۲۰) سورۂ مومنون میں سے ایک (۲۱) سورۂ النور میں سے تیرہ (۲۲) سورۂ الفرقان میں سے دو (۲۳) سورۂ الشعراء میں سے چار (۲۴) سورۂ القصص میں سے ایک (۲۵) سورۂ الروم میں سے تین (۲۶) سورۂ لقمان میں سے تین (۲۷) سورۂ سجدہ میں سے ایک (۲۸) سورۂ الرحمٰن میں گیارہ (۲۹) سورۂ یٰسین میں سے ایک (۳۰) سورۂ الصّافات میں سے ایک (۳۱) سورۂ صٓ میں سے دو (۳۲) سورۂ الزمر میں سے دو (۳۳) سورۂ مومن میں سے ایک (۳۴) سورۂ الزخرف میں سے دو (۳۵) سورۂ الدخان میں سے ایک (۳۶) سورۂ الزخرف اور الاحقاف میں سے دو (۳۷) سورۂ فتح میں سے چھ (۳۸) سورہ الحجرات میں سے تین (۳۹) سورۂ الذاریات میں سے ایک (۴۰، ۴۱) سورۂ الطور والقمر میں سے ایک (۴۲، ۴۳، ۴۴) سورۂ الواقعہ والمجادلہ میں سے ایک ایک اور سورۂ الحشر میں سے تین (۴۵) سورۂ الممتحنہ میں سے چار (۴۶) سورۂ الطلاق میں سے چھ (۴۷، ۴۸) سورۂ التحریم اور نوح میں سے ایک ایک (۴۹) سورۂ مزمل میں سے پانچ (۵۰) سورۂ مدثر میں سے دو (۵۱) سورۂ القارعہ میں سے دو (۵۲، ۵۳، ۵۴) سورۂ الانشقاق، الاعلیٰ اور الکوثر میں سے ایک ایک۔

اس طرح مُلّا جیون نے قرآن کریم کی پانچ سو آیاتِ کریمہ کا مطلب و مفہوم شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جن میں کسی نہ کسی طرح شرعی احکامات و مسائل بیان ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مُلّا جیون نے علمائے سلف و فقہائے وقت اور مفسر حضرات کے اقوال و احادیث کی

روشنی میں اصل قرآنی مفاہیم کو سمجھنے کے بعد اپنی تمام مساعی قاری کے لیے صرف کیں اور اس امر میں کامیاب بھی ہوئے۔ ان کی موجودہ تفسیر، تحقیق و تفحّص کی آئینہ دار ہے۔ مُلّا جیون قرآنی علوم میں علمِ قرأت، علمِ لغت، علم البیان، علم التفسیر، علم الکلام، علمِ اصول اور علمِ فقہ سے گہری واقفیت رکھتے تھے جس کا اندازہ ان کی اس تفسیر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

''تفسیراتِ احمدیہ'' کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے قرآن کریم کی پانچ سو آیاتِ کریمہ کے انتخاب میں اور ان کے مفاہیم و مطالب کی توضیح و تشریح میں کافی دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مُلّا جیون ایک جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کا مطالعہ بھی قرآنی علوم کے سلسلے میں وسیع تھا۔ آپ کا حافظہ بھی حیرت انگیز تھا۔ جو کتاب بھی آپ کی نگاہ سے گزرتی اس کے صفحات اور عبارتیں ازبر ہوجاتی تھیں۔ جہاں تک آج تک علمیت کا سوال ہے اس کا اندازہ ان کی تصانیف سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس ذیل میں ''تفسیراتِ احمدیہ'' کا دیباچہ ہی کافی ہے جس کے ذریعے مُلّا جیون کی علمیت، خداترسی، دین داری، عقبیٰ پرستی، وضع داری، منکسر المزاجی، غریب الطبعی، درویش صفتی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[1]

تفسیراتِ احمدیہ کی جامعیت اور اس کی علمی افادیت تو اپنی جگہ مسلّم ہے، لیکن گیارہ صفحات پر مشتمل اس کا وقیع اور گراں قدر ''مقدمہ'' بھی بڑا علمی، تحقیقی اور معلوماتی ہے۔ قرآنیات کے حوالے سے یہ مقدمہ بڑا جاندار اور شاندار ہے۔ قرآن مقدس کی عظمت و رفعت اور اس کی اہمیت و معنویت سے متعلق بیش قیمت علمی افادات کو مقدمہ میں مُلّا جیون نے بڑے اختصار سے بیان کر کے گویا سمندر کو کوزے میں بند کردیا ہے۔

قرآن مقدس جملہ علوم و فنون کا مصدر و منبع اور سرچشمہ ہے، اس تعلق سے مُلّا جیون فرماتے ہیں:

إن انفع المطالب حالا ومآلا وأرفع المآرب منقبة وكما لاهو المعارف الدينية والمعالم اليقينية وعلم القرآن من بينها أعلاها شانا وأقواها برهانا ولقد بذل السلف فيه جهدهم وأفرغوا في ذالك وسعهم حيث وضعوا لتحقيقه

(۱) شیخ مُلّا احمد جیون: حیات اور علمی آثار، ص: ۱۵۰، ۱۵۴، مطبوعہ اندور۔

علوما وجعلوا لها فروعا وأصولا فشعبوا فيها شعبا ودونوا كتبا ووضعوا فيها فصولا وأبوابا، فقوم يضبطون مخارج حروفه و يقصدون رعاية وقوفه فسموه بعلم القرآءة وقوم يضبطون لغاته حركة وسكونا ليكون فاؤها وعينها محفوظا ومصونا فسموه بعلم اللغة وقوم ينظرون الىٰ كون لفظه مثلا مستعملا فى الاستقبال او موضوعا للحال فسموه بعلم الصرف وقوم ينظرون الىٰ تحقيق اعرابه و بنائه واحوال كلماته فيما بين كلامه فسموه بعلم النحو وقوم ينظرون الىٰ فصاحته و بلاغته و وجوه اعجازه وتحسينه فسموه بعلم البيان وقوم ينظرون الىٰ تحقيق مبانية وتدقيق معانية فسموه بعلم التفسير وقوم ينظرون الىٰ ادلته العلية و شواهده الاصلية فاستنبطوا منها عللاعلىٰ وحدانية الله تعالىٰ وقدرته فسموه بعلم الكلام وقوم يتأملون معانى خطاباته فوجدوا بعضها يقتضى العموم و بعضها الخصوص و بعضها مسوقافيه و بعضها غير مسوق فيه فسموه بعلم الاصول ثم تفكروا فيها بصدق النظر وصحيح الفكر فظهر منها حل شئى وحرمة شئى اٰخر فسموه بعلم الفقه ومع هذا كله لم يطالعوا على سرائره وخفاياه وان علموا ظواهره و بداياه اذهو بحر مديد لايعد فوائده وواد عظيم لايقتص شوارده وكيف لا وقد قال الله تعالىٰ: ما فرطنا فى الكتاب من شئى وقال: ولا رطب ولا يابس الا فى كتاب مبين وقال: نزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شئى فما من شئى الا ويمكن استخراجه من القراٰن حتى استنبط بعضهم على الهيئة والهندة والنجوم والطب واكثر العلوم العربية منه. (۱)

ترجمہ: بے شک تمام مطالب خواہ ان کا نفع فی الحال ہو یا ان کا انجام نفع بخش ہو اور وہ مقاصد منقبت و کمال کے اعتبار سے سب سے بلند و بالا ہیں، وہ صرف اور صرف دینی علوم و معارف ہیں اور یہ امر بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ معارفِ دینیہ اور علومِ یقینیہ میں قرآن و مقدس کی

(۱) مقدمہ تفسیراتِ احمدیہ، ص:۵۰، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔

شان سب سے بلند ہے اور اس کے دلائل سب سے مضبوط ہیں۔ ائمہ دین و سلف صالحین نے اپنی تمام تر مساعی قرآن پاک کو سمجھنے میں صرف کر دیں اور اس میں کامیاب رہے۔ انھوں نے اس میں تحقیق و تفحص کے لیے متعدّد علوم وضع کیے اور اصول و فروغ بنائے۔ نیز ان محققین کرام نے قرآنی علوم میں تحقیق کی الگ الگ راہ متعیّن کی اور جماعت در جماعت اور گروہ در گروہ مختلف موضوع پر بہت سی تحقیقی کتابیں مدوّن کیں۔ ایک جماعت نے قرآنِ کریم کے حروف کے مخارج، محاسن اور صفات نیز رموز واو قاف پر بحث کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قرآنی حروف کی ادائیگی کس طرح کی جائے اور قرآن میں کہاں ٹھہر جائے اور کہاں نہیں۔ اس علم کا نام ''علم القراءت'' رکھا گیا۔

ایک گروہ نے قرآنی الفاظ کے حرکات و سکنات پر بحث کی۔ اس علم نے ''علم لغت'' کا نام پایا۔ ایک جماعت نے کلام مجید میں واقع افعال کے حال و مستقبل سے بحث کی اور یہ ''علم صرف'' کے نام سے مشہور ہوا۔ کچھ علما نے قرآنِ کریم کے الفاظ کی بر بنائے اعراب تحقیق کی جس کو ''علم نحو'' کا نام دیا گیا۔ بعض حضرات نے اس کلام کی بلاغت و فصاحت، وجوہ اعجاز، حسن و خوبیِ بیان سے بحث کی اور یہ ''علم البیان'' کے نام سے مشہور ہوا۔ محققین کی ایک جماعت نے اس عظیم کتاب کے فرمودات کی تحقیق اور معانی کی باریکی پر بحث کی جس کا نام ''علم التفسیر'' رکھا۔ ایک گروہ نے اس کلامِ مقدس کے دلائل عقلیہ و شواہد اصلیہ پر گہری نظر ڈال کر اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کا ثبوت فراہم کیا۔ اور یہ علم ''علمِ الکلام'' کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک جماعت نے کلامِ پاک کے خطابات پر غور و فکر کیا۔ بعض جگہ خطابِ عام ہے اور بعض جگہ خاص اور بعض جگہ ایسے احکام ہیں جن پر بنی نوع انسان کو چلنا ہے اور بعض جگہ منہیات کا بیان ہے جن سے انسان کو بچنا ہے۔ اس علم نے ''علم اصول'' کا نام پایا۔ علما کے ایک گروہ نے قرآنی آیات میں غور و فکر کر کے بتایا کہ اس میں کچھ باتیں حلال ہیں اور کچھ حرام۔ اس علم کا نام ''علم فقہ'' رکھا گیا۔

تمام علوم و فنون حاصل کرنے کے باوجود اربابِ علم و تحقیق قرآن کریم کے لطائف و معارف اور اس کے اسرار و رموز پر مکمل دسترس حاصل نہ کر سکے اور قرآن کے مخفی علوم پر مطلع نہ ہو سکے، اگرچہ ان کی محنتوں اور کاوشوں نے قرآن کے ظاہری مفہوم تک رسائی حاصل کر لی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے اور وہ یہ کہ قرآن ایک ناپیدا کنار سمندر ہے جس کے اندر پوشیدہ موتیوں کو انسان

اپنے قبضے میں نہیں لے سکتا۔ نیز یہ ایک عظیم وادی و صحرا ہے، جس کے تمام شکاروں کا شکار ناممکن ہے۔ بھلا بتاؤ قرآنِ مقدس جملہ علوم و معارف کا خزانہ اور سرچشمہ کیوں نہ ہو؟

اللہ رب العزت خود ارشاد فرماتا ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ.

ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔

اور فرمایا:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ.

ہر خشک و تر شے کا ذکر و بیان اس کتاب میں موجود ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ.

ہم نے یہ کتاب آپ پر اُتاری جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

لہٰذا کوئی چیز ایسی نہیں جس کا استنباط و استخراج قرآنِ کریم سے ناممکن ہو۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے علم ہیئت، علم ہندسہ اور علمِ نجوم کا قرآن سے استنباط کیا ہے۔ اسی طرح علمِ طب اور اکثر علومِ عربیہ قرآن سے ہی ماخوذ و مستنبط ہیں۔

علامہ قاضی ابوبکر عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”قانون التاویل“ میں ارشاد فرماتے ہیں:

قرآنی علوم کی تعداد ستر ہزار ہے۔ قرآنِ کریم کی ظاہری عبارات اور واضح اشارات کے اعتبار سے اگر اس میں موجود جملہ علوم کی بات کی جائے تو حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی کے بیان کے مطابق وہ سات علوم ہیں:

(۱)-زمانۂ گزشتہ سے تعلق رکھنے والے واقعات و قصص۔

(۲)-زمانۂ آئندہ میں پیش آنے والی وعدہ و عید پر مبنی خبریں۔

(۳)-تذکیر و اصلاح اور پند و نصیحت کی باتیں۔

(۴)-شرعی احکام اور دینی مسائل۔

(۵)-امثال و تمثیلات۔

(٦)-اوامر یعنی جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(٧)-نواہی جن چیزوں سے باز رہنے اور پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

غرض کہ قرآن مقدس بے شمار اور ان گنت علوم و فنون کا خزانہ اور سر چشمہ ہے، جنھیں اللہ رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

تفسیراتِ احمدیہ کے مسائل و موضوعات:-

تفسیراتِ احمدیہ کا موضوع قرآنِ کریم کی وہ آیات ہیں، جن سے کوئی حکم شرعی صراحتًا یا اشارتًا نکلتا ہے۔ مُلّا جیون نے اپنی اس مایۂ ناز تصنیف میں تقریبًا پانچ سو آیات کا انتخاب کیا ہے اور اپنی تفسیری مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے احکامِ شرعی و مسائلِ دینی کی تفسیر و توضیح فرمائی ہے۔ استنباطِ مسائل و استخراجِ احکام میں احناف کے فقہی نقطۂ نظر کو سامنے رکھا گیا ہے۔ تفسیراتِ احمدیہ کے مسائل و موضوعات بے شمار ہیں، جن کا بالکلیہ احاطہ ایک مستقل کتاب کا متقاضی ہے۔ سرِ دست چند مسائل کی مختصر فہرست ہدیۂ قارئین ہے:

(١) اشیا میں اصل اباحت ہے (٢) نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت اور جماعت کا وجوب (٣) نسخِ قرآن کا جواز (٤) عصمتِ انبیا علیہم السلام (٥) کفار امامت کا اہل نہیں (٦) نماز کے لیے استقبال قبلہ کی شرط (٧) حیاتِ شہدا (٨) روزہ اور اس کے احکام و حدود (٩) وجوبِ قصاص (١٠) تقدیر اور اس کے احکام (١١) اعتکاف کے مسائل (١٢) قتال و جہاد کے ضروری احکام (١٣) حج و عمرہ کے مسائل (١٤) حالتِ حیض اور دبر میں وطی کی حرمت و ممانعت (١٥) ایلا کی بحث اور اس کے مسائل (١٦) طلاقِ رجعی و مغلّظہ کا بیان (١٧) حلالہ اور اس کے متعلقات (١٨) مسائل رضاعت (١٩) نماز کے چند ضروری احکام (٢٠) عدّت کی بحث (٢١) ترکہ اور وراثت کے مسائل (٢٢) کلالہ کا بیان (٢٣) دورِ جاہلیت کا نکاح (٢٤) لونڈی کے ساتھ نکاح وغیرہ کے مسائل (٢٥) وضو غسل اور تیمم کے مسائل (٢٦) حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت کا بیان (٢٧) وہ جانور جن کا کھانا حرام ہے (٢٨) چوری اور اس کی حد (٢٩) شراب اور جوئے کی حرمت (٣٠) گواہ، دعویٰ اور قسم کا بیان (٣١) مرتد کے احکام (٣٢) غنائم کی تقسیم کا مسئلہ (٣٣) کفار کو حج و عمرہ کی اجازت نہیں (٣٤) سونے اور چاندی

کی زکوٰۃ (۳۵) مصارفِ زکوٰۃ کا بیان (۳۶) اوقاتِ نماز (۳۷) حالتِ اِکراہ میں کلمۂ کفر بولنے کی اجازت و رخصت (۳۸) ولی کے لیے قصاص اور دیت کا جواز (۳۹) نماز کی قضا کا بیان (۴۰) چند اجتہادی مسائل (۴۱) زنا اور اس کی حد (۴۲) حدّ قذف کا بیان (۴۳) وکالت کی شرعی حیثیت (۴۴) لعان کی بحث (۴۵) مرد اور عورت کے ستر کا بیان (۴۶) مسلمان اور کفار حربی کے مابین عقودِ فاسدہ کا بیان (۴۷) گاجے باجے کی حرمت (۴۸) پردہ کے احکام (۴۹) متبنّٰی کا حکم (۵۰) حشر و نشر کا اثبات (۵۱) عذابِ قبر کا اثبات (۵۲) فاسق کی خبر میں توقف واجب ہے (۵۳) کمزوروں پر جہاد فرض نہیں (۵۴) عورتوں کی بیعت (۵۵) مطلقہ کی رہائش اور اس کے نان و نفقہ کا بیان (۵۶) سجدۂ تلاوت کا وجوب (۵۷) صلاۃ اللیل اور تلاوتِ قرآن کا حکم (۵۸) نماز کے لیے کپڑوں کی طہارت شرط ہے (۵۹) نماز استسقا کی کیفیت (۶۰) پلِ صراط اور حوضِ کوثر کی حقانیت (۶۱) ذمّی کافر کے لیے وصیت کا جواز (۶۲) کفّارۂ ظہار (۶۳) مومنوں کے لیے دیدارِ الٰہی کا ثبوت (۶۴) نماز میں سرّی اور جہری قراءت کا بیان (۶۵) مدّتِ بلوغ کا بیان (۶۶) علاماتِ قیامت (۶۷) زمین کی پیداوار اور پھلوں کی زکوٰۃ کا حکم (۶۸) مجلسِ بدعت میں حاضری ناجائز ہے (۶۹) اجماع، حجت شرعی ہے (۷۰) جن عورتوں سے نکاح جائز اور حلال ہے، ان کا بیان (۷۱) جن عورتوں سے نکاح حرام ہے (۷۲) خبر واحد کی حجیت (۷۳) قسم اور اس کے اقسام کا بیان (۷۴) حج و عمرہ کے طریقے (۷۵) منسوخ کے اقسام (۷۶) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بیان (۷۷) مال تجارت میں زکوٰۃ کا شرعی حکم (۷۸) توحید و صفاتِ باری تعالیٰ کا بیان (۷۹) صبح صادق و صبحِ کاذب کی علامت (۸۰) مسلمان مقتول کے اقسام (۸۱) استواء الی السماء کی تحقیق (۸۲) مہر اور ہبہ کا بیان (۸۳) فوت شدہ خاوند والی عورت کی عدت (۸۴) قنوت کی بحث (۸۵) عدت کے دوران رجوع اور نکاح (۸۶) فرعون کے ایمان و عدمِ ایمان کی بحث (۸۷) اذان کی مشروعیت (۸۸) ہدیٰ اور قلائد کی بحث (۸۹) مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا بطلان (۹۰) قصاص کا بیان (۹۱) دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت (۹۲) کتابیہ سے نکاح کا بیان۔ (۹۳) ذمّیوں کا عہد توڑنا اور اس کا حکم۔ (۹۴) امر وجوب کے لیے آتا ہے (۹۵) پانی کے طاہر و مطہر ہونے کا بیان (۹۶) نماز میں فارسی قراءت کا حکم (۹۷) مدّت رضاعت ڈھائی سال ہے (۹۸) جنبی کو قرآن شریف چھونے

کی حرمت و ممانعت وغیرہ۔

ان کے علاوہ دیگر مسائل و موضوعات پر حضرت مُلّا جیون نے بڑی عالمانہ اور مفسرانہ گفتگو فرمائی ہے۔ بلا مبالغہ تفسیراتِ احمدیہ ایک عظیم فقہی سرمایہ اور دینی احکام و مسائل کا ایک گراں قدر مجموعہ ہے۔ اسے ہم فقہ حنفی کا ایک انسائیکلوپیڈیا بھی کہہ سکتے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بیش بہا فقہی مجموعے کا آسان اردو زبان میں ترجمہ کے ساتھ اس کی تلخیص شائع کی جائے اور اس کے مسائل زیادہ سے زیادہ عام و تام کیے جائیں۔ کتاب اتنی اہم اور وقیع ہے کہ اسے بجا طور پر ریسرچ و تحقیق کا موضوع بنایا جا سکتا ہے اور اس پر پی ایچ ڈی ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی ''تفسیراتِ احمدیہ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مُلّا جیون مسائل بیان کرنے اور اپنی بات کے ثبوت میں احادیث نبوی اور صحابۂ کرام کے اقوال اور مروّجہ باتوں کو بھی بیان کرتے گئے ہیں۔ اس سے باتیں مدلل اور زیادہ پر زور ہو گئی ہیں... انھوں نے بعض کتبِ تفاسیر کو بھی اپنے مطالعے میں رکھا تھا، جن کا حوالہ مختلف جگہوں پر دیتے ہیں۔ مثلاً بیضاوی، تفسیر کبیر، اتقان فی علوم القرآن وغیرہ۔ کتب تفسیر کے ساتھ فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ اور فتاویٰ حمادیہ، کچھ کتابیں اصول فقہ اور علمِ کلام کی اور ان کے علاوہ بعض دوسری کتابیں اہم علوم و فنون پر بھی ان کے زیر نظر تھیں۔ غرض اس طرح انھوں نے (مُلّا جیون) نے اپنے وسیع مطالعہ اور خداداد لیاقت سے اس تفسیر (تفسیراتِ احمدیہ) کو بڑی حد تک عظیم بنا دیا ہے۔

ویسے تو تقریباً تمام مفسّرین آیاتِ قرآنی کی تشریح و توضیح کرتے وقت مسائل کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔ بعض سیر حاصل بحثیں کرتے ہیں۔ لیکن مُلّا جیون نے الگ سے یہ کام کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔[1]

تفسیراتِ احمدیہ کی چند خصوصیات:-

تذکرہ مفسرین ہند میں مُلّا جیون کی تفسیری خصوصیات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے، اس کی روشنی میں تفسیراتِ احمدیہ کی چند خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں۔ اس سے قبل بیان ہو چکا کہ تفسیراتِ

(۱) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ص: ۱۹۴، ۱۹۵، اسلامک فاؤنڈیشن، دہلی۔

احمدیہ قرآن مجید کی مکمل تفسیر نہیں ہے، بلکہ اس میں صرف احکام و مسائل سے متعلق آیتوں کی ہی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ اس تفسیر میں قرآن مجید کی اکسٹھ سورتوں سے دو سو ستہتر (۲۷۷) احکام پر بحث کی گئی ہے اور اس کی مکمل فہرست مقدمہ میں درج کردی گئی ہے۔ بقیہ سورتوں کے بارے میں مُلّا جیون نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ احکام سے خالی ہیں۔ تفسیر کی ترتیب قرآن مجید کی سورتوں کے مطابق ہے، آیات کی تشریح میں ان کے نزول کا پس منظر بھی بیان کیا ہے۔ الفاظ کی لغوی تحقیق اور فقہی مباحث میں فقہ اور علم کلام کی اہم کتابوں کی روشنی میں منطقیانہ استدلال بھی کیا ہے اور حنفی نقطہ نظر کو نمایاں کرکے پیش کیا ہے۔ زبان و بیان دل کش اور دل آویز ہے۔ سجع و قوافی کے باوجود ادائے مطلب میں خلل واقع نہیں ہوا ہے۔

ذیل میں تفسیر احمدی کے بعض مباحث پیش کیے جاتے ہیں، ان سے اس کی خصوصیات اور مُلّا جیون کے طریقہ استدلال اور ان کی نکتہ آفرینی کا اندازہ ہوگا۔

نبیّین کی لغوی تحقیق:-

سورۂ بقرہ کی آیت:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (۱)

اس آیت کی روشنی میں مُلّا جیون نے ایمان مفصل اور احکام اسلام کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے:

"میرے خیال میں النبیین کو جمع مذکر سالم کے صیغہ میں ذکر کرنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ کوئی عورت کبھی نبی نہیں ہوئی، بلکہ تمام انبیا مرد تھے اور اس سے ان لوگوں کے قول کی تردید

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۷۷.

ہوتی ہے، جو چار عورتوں حوا، سائرہ، ام موسیٰ، اور ام عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں۔ [1]

مُلّا جیون نے آگے چل کر اس کی مزید وضاحت یوں کی ہے:

یہ دلیل ایک زمانہ سے میرے دل میں رہ رہ کر گونجتی تھی اور جب میں اس میں غور وفکر کرتا تو اس بارے میں مزید الجھن پیدا ہوتی، کیوں کہ اس کا احتمال ہے کہ جمع مذکر سالم کا صیغہ بربنائے تغلیب استعمال ہوا ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُھُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ. [2]

میں نے گیارہ ستارے اور سورج و چاند کو دیکھا کہ وہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔

اس میں لفظ شمس کسی بھی طرح مذکر نہیں ہے، نہ تو سماعی طور پر اور نہ تاویلاً درست ہے، کیوں کہ کواکب تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں اور شمس و قمر یا تو ان کے والدین ہیں یا والد اور خالہ، مگر اس کے باوجود ان کو جمع مذکر سالم کا فرد بنایا گیا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے استدلال کیا جائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ. [3]

آپ سے پہلے ہم نے نہیں بھیجے مگر ایسے لوگ جن پر ہم وحی بھیجتے ہیں۔

اس آیت میں سیاق کلام اس کا متقاضی ہے کہ کوئی فرشتہ نبی نہیں ہوا، مگر اسی سے اشارتاً یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی عورت بھی نبی نہیں ہوئی۔ [4]

حنفی مسلک کی تائید:-

مُلّا احمد جیون مسلکاً حنفی تھے، اس لیے انھوں نے اپنی تفسیر میں جابجا اس مسلک کی تائید کی

---

(۱) التفسیرات الاحمدیه، ص: ٤١.

(۲) قرآن مجید، سورۃ الیوسف، آیت: ٤.

(۳) قرآن مجید، سورۃ الیوسف، آیت: ١٠٩.

(۴) التفسیرات الاحمدیه، ص: ٤٢، مکتبه اشرفیه، دیو بند.

ہے۔ ذیل میں اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

قصاص کے مسئلہ میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بعض دوسرے فقہا کے نزدیک آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے عوض غلام، مرد کے بدلے مرد اور عورت کے بدلے عورت ہی قتل کی جائے گی۔ ان حضرات کا استدلال اس آیت سے ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.[1]

اس کے برخلاف فقہائے احناف آزاد کے بدلے غلام اور مرد کے بدلے عورت کا قتل درست قرار دیتے ہیں۔ وہ مذکورہ بالا آیت کو سورۂ مائدہ کی آیت: "النَّفْسَ بِالنَّفْسِ"[2] سے منسوخ مانتے ہیں اور مشہور حدیث: "المسلمون تتكافأ دمائهم" کو بہ طور دلیل پیش کرتے ہیں، چناں چہ مُلّا جیون اس مسئلہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ آیت وجوب قصاص میں برابری اور مساوات کے لیے عبارت النص ہے اور مشروعیت قصاص یعنی مقتول کے بدلہ میں قاتل کو قتل کیے جانے کے سلسلہ میں اشارۃ النص ہے۔ اس کی صراحت گو کسی نے نہیں کی ہے، مگر میں نے اس کو امام زاہد کے اس بیان سے مستنبط کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب دو قبیلوں کے درمیان لڑائی ہوتی تھی تو طاقت ور قبیلہ (بنو نضیر) کے لوگ کمزور قبیلہ (بنو قریظہ) کے دو آزاد آدمیوں کو اپنے ایک آزاد کے بدلہ میں اور ان کے ایک آزاد کو اپنے ایک غلام کے عوض میں قتل کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے ایک مرد کو اپنی عورت کے بدلہ میں قتل کیا کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس فعل کو حرام قرار دیا گیا۔ اس طور پر آیت کا صحیح مطلب یہ ہوگا کہ اے ایمان والو! تم پر مقتول کا قصاص یعنی اس میں مساوات و برابری فرض کی گئی ہے نہ کہ زیادتی، چنانچہ اس کے بعد "اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى" کی وضاحت کر دی گئی، یعنی ایک آزاد کے بدلہ میں ایک آزاد ہی قتل کیا جائے، دو نہیں اور

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۷۹، ۱۸۷.
(۲) قرآن مجید، سورۃ المائدۃ، آیت: ۴۵.

غلام کے بدلہ میں غلام ہی قتل کیا جائے، آزاد نہیں اور عورت کے عوض عورت ہی قتل کی جائے، مرد نہیں۔ "(۱)

مُلّا جیون آیت قصاص کو سورۂ مائدہ کی آیت " النَّفْسَ بِالنَّفْسِ " سے منسوخ نہیں مانتے بلکہ اس کی خوبصورت توضیح کرتے ہوئے فقہائے احناف کی تائید یوں کرتے ہیں:

"میرے نزدیک اس موقع کے لیے بہترین جواب یہ ہے کہ جب قصاص کا دار و مدار مساوات پر ہے تو جس نے قتل کیا ہے اسی کو قتل کیا جانا چاہیے، خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، کمسن ہو یا بڑا، صحت مند ہو یا مریض، آیت شریفہ میں " اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ " کی تعیین اس لیے کی گئی ہے کہ عرب صرف قاتل ہی کو قتل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ غلام کے بدلے آزاد اور آزاد کے بدلے میں دو آزاد اور عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کرتے تھے، پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آزاد نے اگر قتل کیا ہو تو اسے قتل کیا جائے اور اگر عورت قاتلہ ہو تو اسے قتل کیا جائے وغیرہ، اس طرح یہ آیت منسوخ ہوئے بغیر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف دلیل بن جائے گی۔ (۲)

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تفسیر:-

سورۂ بقرہ کی آیت ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ. (۳)

اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور لہو اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔

ملّا احمد جیون نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کے عہد میں جو جانور اولیاے اللہ کی نذر و نیاز کے طور پر ذبح کیے جاتے ہیں، ان کا کھانا حلال ہے، کیوں کہ ذبح کے وقت ان پر غیر اللہ کا نام

(۱) التفسیرات الاحمدیه، ص: ٤٣، مکتبه اشرفیه، دیو بند.

(۲) التفسیرات الاحمدیه، ص: ٤٤، مکتبه اشرفیه، دیو بند.

(۳) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۷۳.

نہیں لیا جاتا ہے۔ (۱)

مُلّا جیون کے اس قول پر صاحب تفسیر جواہر القرآن نے یہ اعتراض کیا ہے:

"تفسیراتِ احمدیہ میں دوسرے پارے کی تفسیر میں جو یہ لکھا ہے کہ اولیاے اللہ کی نذر و نیاز کا کھانا جائز ہے، مردود ہے الّا آنکہ اس کی یہ تاویل نہ کی جائے کہ نذر کرنے والے کا مشرکانہ عقیدہ بدل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے۔" (۲)

مولانا اشرف علی تھانوی نے بیان القرآن میں اس اعتراض کو ذکر کر کے مُلّا جیون کا یوں دفاع کیا ہے:

"بعض لوگوں کو تفسیراتِ احمدیہ کی عبارت سے جو شبہہ ہوا ہے، اس کا جواب اس کے منہیّہ سے ظاہر ہے کہ مُلّا صاحب (ملّا احمد جیون) نے ایصالِ ثواب کی بنا پر حلّت کا حکم لگایا ہے اور وہ بلا تاویل حلال نہیں کہتے ہیں۔"

تفسیر آیات میں ربط و نظم کا اہتمام:-

مُلّا جیون نے اپنی تفسیر میں آیتوں کے درمیان باہمی مناسبت بھی دکھائی ہے۔ سورۂ بقرہ میں نہایت تفصیل سے روزہ کے احکام بیان ہوئے ہیں، مگر انھیں کے درمیان بعض ایسے امور بھی بیان کر دیے گئے ہیں جن کا بہ ظاہر احکام صیام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ. (۳)

اس آیت سے پہلے روزہ کے مفصل احکام بیان ہوئے ہیں اور اس کے بعد اس میں سرزد ہونے والی لغزشوں کا تذکرہ ہے، چناں چہ مُلّا جیون اس آیت کا ربط بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

یہ اس دعائے مغفرت کی قبولیت کا حکم ہے جو روزہ کے سلسلہ میں ہونے والی لغزشوں کی بنا پر

(۱) التفسیرات الاحمدیہ، ص: ۳۹، مکتبہ اشرفیہ، دیو بند.
(۲) مولانا غلام اللہ خان، تفسیر جواہر القرآن (افادات: مولانا حسین علی)، ج: ۱، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص: ۵۱۔
(۳) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸٦.

بندوں کی جانب سے کی جاتی ہے اور اس طور پر یہ آیت اپنے ماقبل ومابعد سے مربوط ہوجاتی ہے۔

سورۂ بقرہ کی ایک ہی آیت میں دو علاحدہ حکم ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں، ارشاد باری ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (۱)

مُلّا جیون نے آیت بالا میں دونوں علاحدہ حکموں کے درمیان ربط وتعلق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں احکام میں باہم کیا رشتہ ہے اور یہ دونوں بغیر کسی مناسبت کے ایک ہی آیت میں کیوں ذکر کیے گئے ہیں؟ تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ یا تو یہ تعلق ہے کہ چاند کی منزلوں کو حج کا آلۂ شناخت اوقات بتایا گیا ہے اور ان کا یہ فعل یعنی گھروں میں دروازہ کے بجائے پشت کی طرف سے داخل ہونا بھی زمانۂ جاہلیت میں حج کا ایک فعل تھا، اس لیے ضمناً اس کا ذکر بھی حج کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یا یہ کہ ان لوگوں نے ان دونوں احکام کے بارے میں سوال کیا تھا، اس لیے دونوں کے جوابات دیے گئے ہیں یا یہ کہ انھوں نے وہ بات دریافت کی جس کا تعلق خود ان سے ہے، علم نبوت سے اس کا کوئی سروکار نہیں ہے اور انھوں نے وہ بات نہیں پوچھی جس کا تعلق علم نبوت سے ہے، تو ان کے سوال کا جواب دینے کے بعد اس کو بھی تاکیدی طور پر ذکر کیا گیا کہ تمھارے لیے تو بہتر یہ تھا کہ تم اس طرح کی باتیں دریافت کرتے اور ان کو جاننے کی کوشش کرتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے ان کے الٹے سوالات پر تنبیہ مقصود ہو اور ان کو اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہو جو گھر کا دروازہ چھوڑ کر اس کی پشت کی جانب سے اس میں داخل ہو۔“(۲)

مُلّا جیون کے مندرجہ بالا بیان سے اس اہتمام اور کدوکاوش کا اندازہ ہوتا ہے جو انھوں نے آیات واحکام کی باہمی مناسبت بیان کرنے میں صرف کی ہے۔

سورۂ قیامہ کی مندرجہ ذیل آیتوں کا سیاق وسباق سے بہ ظاہر کوئی ربط نہیں ہے مگر مُلّا جیون

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۹.

(۲) شیخ احمد جیون، التفسیرات الاحمدیہ، ص:۶۴۔

نے اس سلسلہ میں اپنی منفرد اور دلچسپ رائے بیان کی ہے، وہ آیتیں یہ ہیں:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾ (۱)

ان آیتوں کی تفسیر میں مُلّا جیون نے پہلے تو مفسرین کا یہ عام قول نقل کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ وحی کی آمد کے وقت جلدی جلدی اسے یاد رکھنے کے لیے دہرایا کرتے تھے تاکہ وہ محفوظ رہ جائے، پھر وہ لکھتے ہیں کہ اس صورت میں ان آیتوں کا تعلق ماقبل و مابعد کی آیتوں سے منقطع ہوجاتا ہے، چناں چہ وہ اس کی دوسری تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان آیات کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں متکبر انسان کی قیامت کے دن کی حالت بیان کی گئی ہے کہ جب اعمال نامہ اس کو پڑھنے کے لیے دیا جائے گا کہ اے انسان اس اعمال نامہ کو پڑھنے میں جلدی نہ کر بلکہ اس میں غور کر اور ٹھہر، ہم نے اسے جمع کیا ہے، پھر جب ہم اسے پڑھیں تو اسے اقرار و تامل کے ساتھ پڑھ، پھر ہم اس کا بدلہ واضح طور پر دیں گے، اسی طرح آگے کی آیتیں بھی انسان کی حالت کو بیان کرتی ہیں، اس صورت میں تمام سلسلہ کلام مربوط ہوجاتا ہے۔"(۲)

نور الانوار شرحِ منار الانوار:-

حضرت مُلّا احمد جیون کے دینی و علمی کارناموں میں "نور الانوار شرح منار الانوار" کی تصنیف ایک عظیم علمی کارنامہ ہے۔ اصولِ فقہ پر آپ کی یہ تصنیف بڑی اہمیت اور شہرت کی حامل ہے۔ کتاب کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر گذشتہ دو صدی سے یہ مدارسِ اسلامیہ کے نصابِ درس میں شامل ہے۔ اسی کتاب نے آپ کو شہرت دوام بخشی اور عرب و عجم میں آپ کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ یہ بلند پایہ تصنیف "نور الانوار" امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی (متوفی: ۷۱۰ھ) کی مشہور کتاب "منار الانوار" کی وقیع اور جامع ترین شرح ہے۔

شیخ ابو البرکات اجلّہ علمائے اسلام میں تھے اور فقہ و اصول کے جیّد عالم تھے۔ آپ اپنے

(۱) قرآن مجید، سورۃ القیامۃ، آیت: ١٦، تا ٢١.

(۲) تذکرہ مفسّرین ہند، ج:۱، ص: ۱۴۷ تا ۱۴۵، دار المصنفین اعظم گڑھ۔

زمانے کے بے نظیر عالم و فاضل، فقہ و اصول کے رمز شناس اور علومِ حدیث پر اجتہادی بصیرت رکھنے والے محدث تھے۔ علمِ اصول میں آپ کی یہ کتاب نہایت مفید، بیش بہا اور مقبول خواص و عوام تھی۔ حاجی خلیفہ (مُلّا کاتب چلپی) کے بقول: ''منار کی عبارت ٹھوس اور قوی، مختصر، جامع اور نفع بخش ہے۔ شیخ ابوالبرکات کی جملہ مطوّل و مختصر کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ اگرچہ حجم اور ضخامت کے لحاظ سے یہ رسالہ چھوٹا ہے، لیکن حقائق و معارف کے موتیوں سے لبریز ایک بڑا سمندر اس کی تہوں میں پوشیدہ ہے۔''

''معجم الأصولیین'' میں شیخ ابوالبرکات نسفی کا تذکرہ ان الفاظ میں درج ہے:

"ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود نسفى فقيه حنفى من المبرزين الأئمه و من المفسرين من أهل إيذج." (من كور اصبهان)

كان اماما كاملا عديم النظير فى زمانه راسا فى الفقه و الأصول بارعًا فى الحديث و معانية، له مصنفات معتبره، منها كتاب "المنار فى أصول الفقه" و هو من الكتب التى سارت بذكرها الركبان و انتشر ذكرها فى البلد ان فاعتنٰى به الدارسون و الباحثون فنظم كثيرون و شرحه كثيرون و اختصره آخرون و لا يزول مرجعا معتمدا عليه فى فن اصول الفقه.... وهو مع صغر حجمه و وجازة نظمه بحر محيط..... و قد وضع صاحب الترجمة علىٰ كتابه هٰذا "المنار" شرحا سماه "كشف الأسرار فى شرح منار الأنوار."(1)

اسے حسنِ اتفاق کا نتیجہ یا پھر مُلّا جیون کے علم و فضل اور اخلاص کا کرشمہ ہی کہا جائے گا کہ جو اوصاف و خصوصیات متن ''منار الانوار'' کو حاصل تھی، بعینہٖ وہ خصوصیات مُلّا جیون کی شرح ''نور الانوار'' کو بھی حاصل ہیں۔ جس طرح امام ابوالبرکات کا یہ متن عرب و عجم میں مشہور و مقبول ہو کر اربابِ علم و اصول کی توجہ کا مرکز بنا اور اہلِ علم نے اس کے شروح و حواشی لکھے۔ اسی طرح مُلّا جیون کی یہ شرح ''نور الانوار'' بھی اکنافِ عالم میں مشہور و مقبول ہوئی اور بہت سارے علما نے اس کی شرحیں لکھیں۔

(۱) معجم الأصوليين، ص: ۳۰۱،۳۰۰، دار الكتب العلمية، بيروت.

ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی لکھتے ہیں:

نور الانوار، کیا ترتیبِ مضامین، کیا قوتِ استدلال، کیا استنباطِ مسائل، کیا سنت، اجماع قیاس وغیرہ کے مباحثِ ضروریہ، ہر اعتبار سے یہ کتاب مالا مال ہے۔ طرزِ بیان دلکش، افہام کے طریقے آسان اور سہل تر، عبارت نقل سے محفوظ اور تعقید وغموض سے پاک ہے۔ مُلّا جیون نے یہ کتاب مسجد نبوی میں بیٹھ کر لکھی تھی۔ اس کی سعادت کے لیے یہی کیا کم تھا اور پھر تائید غیبی اس طرح شاملِ حال ہوئی کہ اس کی تالیف میں کل دو ماہ صرف ہوئے۔ ربیع الاول اور ربیع الثانی ۱۱۱۲ھ میں کل دو ماہ میں کتاب مکمل ہو کر جب عرب و عجم کے حلقۂ علما میں پہنچی تو مقبول اور نہایت مقبول ہوئی۔ [۱]

حضرت مُلّا احمد جیون کی ذہانت، جودتِ طبع اور علمی ترفّع کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ نے درس و تدریس اور دیگر ضروریات سے وقت نکال کر صرف دو ماہ کے قلیل عرصے میں مسجد نبوی شریف میں مواجہۂ اقدس ﷺ کے قریب یہ بلند پایہ کتاب تصنیف فرمائی۔

چناں چہ آپ لکھتے ہیں:

"وبعد از رسیدن بمدینہ منورہ بتقریب درس بعضے یاران نسخہ "نور الانوار" شرحِ منار تالیف نمودہ در عرصہ دو ماہ یعنی ربیع الاول و ربیع الآخر در مواجہہ حضرت ﷺ واقع شد و برکتِ مواجہہ آں حضرت در اندک زمانہ مقبول خاص وعام عرب وعجم شد، الحمد للہ علیٰ ذلک۔" [۲]

غرض کہ نور الانوار حضرت مُلّا احمد جیون کی ایک عظیم علمی شاہ کار اور اصولِ فقہ کے اصول و فروع پر ایک نہایت ہی جامع اور بیش قیمت کتاب ہے۔ قرآن مقدس اور احادیث طیبہ سے استنباطِ مسائل اور استخراجِ احکام پر جو اصول و قواعد اور گراں قدر علمی افادات اس میں موجود ہیں، علما اور مدارس کے طلبہ اس حقیقت سے خوب اچھی طرح واقف ہیں۔

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی، نور الانوار پہ تعارف و تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علمِ فقہ کی اسلامی شریعت میں جو اہمیت ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس پہلو سے بھی مُلّا جیون کی خدمات لائقِ ستائش ہیں۔ وہ علمِ فقہ کے بڑے مفسر اور جلیل القدر عالم ہیں۔ انھوں

(۱) عربی زبان وادب: عہد مغلیہ میں، ص: ۲۵۳، دانش محل لکھنؤ۔
(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، فارسی قلمی نسخہ، ص: ۲۹۔

نے تمام اہلِ علم فقہا کا مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ علمِ فقہ کے ہر پہلو کی آسان و سہل انداز میں افہام و تفہیم کے دلکش طریقے سے تمام مباحث کی ترجمانی بھی کی ہے۔ ترتیبِ موضوع کے اعتبار سے قرآن و سنت، اجماع و قیاس کی اہمیت کے پیشِ نظر ضروری امور زیرِ بحث رہے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کتاب "نور الانوار" درسِ اسلامی کے ہر طالب علم میں مقبولِ عام اور پسندیدہ ہے۔

تاریخی نوعیت سے اس فن پر سب سے پہلے حضرتِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توجہ فرمائی، اصولِ فقہ کو باقاعدہ پیش کیا۔ بعد ازاں فقہاے کرام نے ان اصولوں کی پیروی کی۔ قرآن و سنت، اجماع و قیاس کے بنیادی اصولوں کے ساتھ احکامِ فقہ کا استنباط کیا اور ہر اصول کو عام فہم زبان و بیان میں مع تشریح پیش کرنے کی سعی فرمائی۔ کیوں کہ علمِ فقہ ایک کلی اصولی علم ہے جس میں دلائل کے ساتھ احکامِ فقہ کا استنباط ہوتا ہے۔ اس فن میں مکمل قواعد و ضوابط موجود ہیں جن کے ذریعے مُلّا جیون نے اس فن کو اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔ ساتھ ہی علمِ فقہ کے قواعد و ضوابط کی روشنی میں قانونِ اسلامی کی تدوین اور تخریج کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ فقہ کے مذکورہ بالا چار بنیادی اصولوں کی حتی الامکان تشریح فرمائی۔ اس کی عملی مثال ان کی مشہور تصنیف تفسیرات احمدیہ میں بھی دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ جہاں حسبِ ضرورت فقہی مسائل کی ترجمانی موجود ہے۔[1]

قرآنِ پاک کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اربابِ عقل و بصیرت کو اپنی پُر اسرار حکمت، آیاتِ قدرت اور وعظ و تذکرہ سے بہرہ مند فرمایا۔ اہلِ ایمان کے لیے بشارت وہدایت کے پہلو عام کیے۔ کفر و شرک کے انجام سے خبردار کیا۔ اہلِ علم و بصیرت پر قرآنی علوم کھولے۔ علماے وقت نے ان علوم پر غور و خوض کیا۔ علم الکلام اور علمِ فقہ کے ساتھ متعدد قرآنی علوم وضع ہوئے اور اصولِ فن وجود میں آئے۔ علما نے اپنی مساعی اس کو سمجھنے میں صرف کیں، مختلف علوم کے ذریعے تحقیق تفحص کا راستہ کھلا۔ مُلّا جیون نے بھی اپنی تمام مساوی قرآن فہمی میں صرف کیں۔ علما حضرات نے قرآنی علوم پر جو تحقیقیں اور تفسیریں پیش کی ہیں ان کا مطالعہ کیا۔ ان علوم اور دیگر علوم کی تحقیقات کے بعد بھی کلامِ مقدس کے بے شمار علمی موتی ہماری بازیافت سے باہر رہے ہیں۔ تاہم علومِ قرآنی میں بقول مُلّا جیون: "احکام القرآن کہ یہ علم سب علوم میں عظیم تر اور اعلیٰ معلومات سے پُر ہے۔ اپنی قلت کے باوجود انھیں سے تمام شرعی علل کا استنباط کیا جاتا ہے۔

(۱) مقدمہ مشکوٰۃ الانوار، ص:۹،۸۔

اللہ تعالیٰ کی مدد سے مُلّا جیون کا کام آسان ہوا۔ ۱۶ر سال کی عمر میں اصول شیخ الحسام پڑھتے پڑھتے "تفسیراتِ احمدیہ" کے ذریعے احکام القرآن پر قلم اٹھایا۔ اس دوران انھیں سخت مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ لیکن ہمت نہیں ہاری۔ اپنی مدد کے لیے علمائے اسلام اور صلحاے امت کی مشہور کتب جو مختلف فنون و شعبہ پر تھیں، جمع کیں۔ ان میں علمِ تفسیر، علمِ فقہ و اصول اور علم الکلام کا خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کیا۔ ان مختلف علوم کی مدد سے "تفسیراتِ احمدیہ" مکمل ہوئی۔ یہ تصنیف علمی اعتبار سے ان کی پہلی اعلیٰ کاوش ہے۔ جس میں انھوں نے تمام علومِ قرآنی کو عملی طور پر پرکھا ہے اور جگہ جگہ فقہی مسائل کی ترجمانی کی ہے۔ ایسی صورت میں "نور الانوار" ان کے گہرے علمی مطالعہ اور اعلیٰ معلومات کی روشنی میں تخلیق ہوئی ہے۔ جو علمِ فقہ میں اپنی نوعیت کی بے مثال تصنیف ہے۔ جس میں احکامِ فقہ، قواعد و اصول اور فقہی مسائل کو احسن طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کتاب کی تکمیل سے قبل کتب فقہ میں شرح وقایہ مع حواشی، ہدایہ مع شرح و حواشی اور فتاویٰ حمادیہ فی مسائل فقیہہ ان کی نگاہ سے گزر چکی تھیں۔ جن کا ذکر "تفسیراتِ احمدیہ" کے حوالے سے آچکا ہے۔

جہاں تک اصولِ فقہ کی تاریخی حیثیت کا سوال ہے، اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کاوشیں اہم ہیں۔ اولاً: انھیں کے ہاتھوں علمِ فقہ کی اصول مدون ہوئے۔ اصولِ فقہ کی پہلی تصنیف بقول علامہ اسنوی امامِ شافعی کا وہ رسالہ ہے جس میں آپ نے اوامر و نواہی اور خبر نسخ کے بارے میں چند مباحث قلم بند کیے ہیں۔

دراصل یہی مقدمہ علمِ فقہ کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد علماے اسلام نے اصولِ فقہ پر نہایت تحقیق کے ساتھ مختصر اور طویل کتب قلم بند کیں۔ اس سے قبل صحابہ کرام کے عہد میں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیوں کہ صحابہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض صحبت حاصل تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشاروں پر کام کرتے تھے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر شعبۂ حیات کے فدائی تھے اور تمام معاملات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے حل ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات و افعال پر عمل کیا۔ غرض صحابہ کے عہد میں اصولِ فقہ کی تدوین کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ عہدِ صحابہ کے بعد اس فن کی تدوین و تخریج کی اہمیت کو سمجھا گیا۔ لہٰذا فقہاے کرام نے اس فن کو قرآن و سنت کی روشنی میں آگے بڑھایا۔ رسالے

اور کتب تحریر ہوئیں۔ دنیائے اسلام نے اس فن کو سمجھا اور اسلام کی سچی خدمت کا ثبوت پیش کیا۔

مُلّا جیون کی گراں قدر کتاب ''نور الانوار'' بھی علم فقہ کی تشریح و تنقیح کرتی ہے۔ اوامر و نواہی، حرام و حلال کی تشریحات سے متعلق فقہائے کرام کے تفصیلی مباحث قلم بند کر کے مُلّا جیون نے اسلامی دنیا کی ایک قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اصولِ فقہ کو نہایت تحقیق و تفحص اور تنقیح کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اصولِ فقہ کی یہ پیش کش ہر اعتبار سے جامع ہے۔ جس کو علمِ فقہ کا سنگِ میل کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے قبل بھی کئی قابلِ قدر کتب منظرِ عام پر آ چکی تھیں۔ جو اصولِ فقہ، علمِ فقہ پر اہم تھیں جن میں ''منار الانوار'' کافی مقبول تھی۔ جس کی اہمیت علمی نکات اور قرآنی علوم کے اعتبار سے تو تھی ہی مگر اختصارِ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی کم نہ تھی۔ اس کے مقابلے میں دوسری اہم کتب طویل اور پیچیدہ تھیں۔ مُلّا جیون نے علمِ فقہ و اصول کی تمام کتب کا مطالعہ کیا اور علمِ فقہ کے طالب علموں کے لیے ایک عام فہم اور سہل الحصول مسائل و مباحث پر مبنی ایک بے مثال کتاب ''نور الانوار'' کے نام سے قلم بند فرمائی۔

مُلّا جیون سے قبل جو شروح ''منار الانوار'' پر قلم بند کی گئیں، وہ یا تو مختصر ہیں یا پھر طویل اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے مُلّا جیون نے جو منصوبہ دل و دماغ میں تعمیر کیا، اس کی تکمیل مدرسہ نبوی (مدینہ منورہ) میں ہوئی۔ چنانچہ وہ اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک زمانۂ دراز تک میرے لیے اس کا کوئی موقع فراہم نہ ہو سکا۔ کثرتِ مشاغل کی وجہ سے اس طرف ملتفت نہ ہو سکا۔ پس اچانک مدینۂ شہرِ مکرم کی جانب جانا ہوا اور اس مقدس مقام میں کتابِ مذکور کو میرے بعض دوستوں اور مخلص بھائیوں نے مجھ پر اس کتاب کو پڑھا اور ان تمام حضرات نے بغیر سوچے سمجھے اس کارِ گراں کی مانگ کی۔ اور مجھے بلا کسی عذر کے اس کام کو کرنے کا حکم دے ڈالا۔ لہٰذا میں نے اس مقصد کو انجام دینے اور ان کے مطالبے کو پورا کرنے کے لیے جو کچھ وسائل حاضر تھے کام شروع کر دیا۔''[1]

مُلّا جیون کی محنت و لگن اور آپ کی علمیت و اہلیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ''نور الانوار'' کو صرف دو ماہ کے عرصے میں مکمل کر لیا۔ جب کہ حالت یہ تھی کہ نووارد

---

(۱) ترجمہ بحوالہ مشکوٰۃ الانوار، ص: ۶۳۔

تھے اور کتب حوالہ جات کا بھی کوئی اہتمام نہ کیا گیا تھا۔ تائیدِ غیبی کے سوا یہ کام ممکن نہ تھا۔

مُلّا جیون نے اپنی تصنیف "نور الانوار" کو ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے خالص ہی نہیں کیا بلکہ اس نورِ برحق سے مستفید بھی ہوئے اور علمِ فقہ کو روشن بھی کیا۔ کوئی بھی کام خدا کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کتاب کی تکمیل اور مقبولیت میں ذاتِ باری تعالیٰ کی معاونت شامل ہے۔ جس کے باعث یہ کتاب علمِ فقہ کی تاریخ میں انفرادیت کی حامل ہے۔

"نور الانوار" کی تخلیقی کاوش پر باری تعالیٰ کی اعانت و شکر گزاری کے بعد مُلّا جیون نے "منار الانوار" میں جو متن اور عبارتیں واضح ہیں یا جن کے مطالب صاف اور واضح ہیں انھوں نے اعتراف کیا ہے اور جہاں طوالت، پیچیدگی یا الجھاؤ یا اختصارِ معنی و مطالب میں حائل نظر آئے وہاں ہر نوع کے نکات واضح کرتے ہوئے مقصدِ مراد تک طلبہ و قارئین کو پہنچانے کی کاوش کی ہے۔

مُلّا جیون نے اصولِ فقہ پر نہایت غور و خوض کے ساتھ مختصر اور جامع الفاظ میں جو باتیں کہی ہیں، ان کے حسنِ بیان و زبان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (۱)

قرآن کو کتاب اللہ، منزل، مکتوب اور منقول ہونے کی صورت میں بہت سے نکات واضح کیے ہیں، ان نکتہ آفرینیوں کے بعد قرآنِ کریم کے موضوعات، مطالب، زبان و بیان کے تعلق سے بھی آپ نے اپنی علمیت اور گہرے مطالعہ کا ثبوت دیا ہے۔ جس کا علم ہمیں "نور الانوار" کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ "نور الانوار" علمِ فقہ پر ایک بے مثال کتاب ہے۔ جس میں فقہی اور اصولی مسائل پر بحث ہے اور یہ کتاب تمام شرعی مسائل کو نہایت سلیس انداز میں پیش کرتی ہے۔ اس میں مضامین کی ترتیب، قوتِ استدلال، استنباطِ مسائل، اصولِ ثلاثہ اور اصولِ قیاس پر مدلل بحث موجود ہے۔ طرزِ بیان دلکش ہے۔

افہام و تفہیم کا انداز بھی سہل ترین ہے۔ علمِ فقہ کے مبتدی کے لیے بھی قابلِ قبول ہے۔ یہاں اس کتاب کے تمام خیالات کا کرنا ناممکن ہے۔ تاہم احکامِ شریعت اور علمِ فقہ کے مسائل پر یہ کتاب لاجواب ہے۔ (۲)

---

(۱) شیخ مُلّا جیون: حیات اور علمی آثار، ص: ۱۶۷، ۱۷۲، مطبوعہ اندور۔

(۲) شیخ مُلّا احمد جیون: حیات اور علمی آثار، ص: ۱۶۷، ۱۷۵۔

خود نوشت سوانح حیات

از: مُلّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہ:-

در بیان بعضے واردات کاتب حروف تولد فقیر جیون بن ابی سعید روز سہ شنبہ وقت صبح صادق بتاریخ بست پنجم شہر شعبان المعظم سن اوسبع واربعین واقع شد داز طفولیت بصحبت پدر بزرگوار خود تربیت واقع شد و در مدت ہفت سالگی بہ سبب شرف صحبت ایشاں حفظ قرآن مجید روزے گشت باوجود آنکہ قواعد تہجی واعراب و مہملہ و منقوطہ ہیچ در میان نبود اما از موہبت الٰہی لفظاً و معنیٰ جمیع قرآن از اول و آخر بواقعی مستحضر شد و در اکثر مقام بے وسیلہ علم صرف و نحو از معانی آن بہرہ تمام میسر شد بعد ازان در پے تحصیل علومِ ظاہری نمودند باوجود آنکہ رعایت کتب و حفظ مرایت تقدیم و تاخیر در میان نبود اما بکرم اللہ تعالیٰ سخن ہر کتاب و مطالعہ آن از قرار واقع مکشوف شد و در عمر سیزدہ سالگی چوں والد بزرگوار برحمت حق پیوستند تصنیف نسخہ آداب احمدی کہ در علم سیر و سلوک مشائخان است واقع شد و اکثر خطبات جمعہ و عیدین و کتاب ہائے عربی باکمال بلاغت واقع می شدند و بعضے مسودات جدی حضرت میاں شیخ عبید اللہ و حضرت میاں شیخ علیم اللہ نیز ترتیب دادہ تمام نمودہ شد و در مدت شانزدہ سالگی در وقت قراۃ نسخہ حسامی مامور بہ تسوید تفسیر احمدی گشتیم در اندک زمانہ از تصحیح آن فارغ شدیم و در عمر بست و دو سالہ از تحصیل علوم معقول و منقول بواقعی فارغ شدیم استقامت بدرس گرفتیم بسیارے از طالب علمان بدرجہ کمال رسیدہ اند و دریں اثنا یک رسالہ در علم قراۃ منتخب از شاطبی نیز واقع شد و از اکثر مشائخ وقت تہذیب باطن و اذکار سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ و چشتیہ اخذ نمودیم و مسند بیعت و ارادت بہ اجازت سلسلہ قادریہ و چشتیہ از خدمت قطب الوقت استادی مولوی حضرت میاں شیخ محمد صادق سترکھی اخذ نمودہ شد و ایشاں را از حضرت میاں شیخ جعفر بن شیخ نظام الدین قدس سرہ می رسد و ایشاں را از حضرت میاں شیخ عبد الرزاق بن خاصۂ خدا میرسد و ایشاں را از حضرت بندگی شیخ نظام الدین قدس سرہٗ الیٰ آخر ہم میرسید قدس اللہ اسرار ہم و چوں عمر فقیر ہذا چہل سال رسید اتفاق سفر حضرت دہلی و اجمیر شریف واقع شد مدت مدید در آں جا اقامت روے داد ہزارانِ ہزار خلایق از استفادہ علومِ ظاہری بہرہ مند شدند و بدرجہ کمال خود رسیدند و دریں اثنا دو بار در عشق و محبت گرفتار شدیم و از غلبہ

جوش و قوت سکر ایک مثنوی اول مرتبہ بشش دفتر شامل بر بست ہزار بیت بر طبق مثنوی مُلّا روم و آخر مرتبہ یک دیوان مشتمل بر پنج ہزار بیت کسرے کم بطرز دیوان خواجہ حافظ صاحب واقع شد و چوں عمر ایں فقیر بہ پنجاہ و پنج سال رسید قصد زیارت حرمین شریفین میسر م شد بہ ایں تقریب سیر ملک دکن و عرب نمودہ شد و یک قصیدہ عربی مشتمل بر دو صد و ہفت بیت بر عروض و قافیہ قصیدہ بردہ واقع شد وانرا وسیلہ خوشنودی روح پاک حضرت پیغمبر ﷺ کردہ تحفہ بحضرت مدینہ بردیم و چوں بہ بندر سورت رسیدم شرح عربی بر قصیدہ مذکور سر نوشیتم و تغیر و تبدل کہ در قصیدہ واقع شد در شرح آغاز بیان گشتہ و دریں اثنا باز بہ بلائے محبت گرفتا شدیم و بسبب آں بلاے دریا در میان ہجر و فرقت سی و نہ قصیدہ عربیہ و رعایت فصاحت و بلاغت واقع شد چنانچہ اکثر مردمان حرمین شریفین آنرا حسین کردند و بعد از رسیدن بمدینہ منورہ بتقریب درس بعضے یاران نسخہ نور الانوار شرح منار تالیف نمودہ در عرصہ دو ماہ یعنی ربیع الاول و ربیع الآخر در مواجہہ حضرت ﷺ واقع شد و برکت مواجہہ آں حضرت در اندک زمانہ مقبول خاص و عام عرب و عجم شد۔ الحمد اللہ علیٰ ذلک.

و در سال آغاز شصتم سال از عمر باز در وقت مراجعت حرمین شریفین سیر ملک دکن واقع شد واتفاق اقامت شش سال در لشکر معلیٰ روے داد و از مقتضاے ارادہ الٰہی بہ بادشاہ دین پناہ حضرت عالم گیر اتفاق ملاقات و صحبت چند روزہ واقع شد اکثر بندگان الٰہی بمرادات دنیوی فایض گشتہ اند و چوں از مدت مدید مرکوز خاطر داشتم کہ بار دیگر حج بہ نذر ثواب والدین بجا آرم و مکرر حضرت والدہ را بطلب ایں امر در خواب دیدم لاچار در سنہ یک ہزار و یک صد و دوازدہ کہ عمر ایں فقیر بہ شصت و شش سال رسیدہ از بادشاہ جیو رخصت گرفتہ راہی بحرمین شریفین شدیم دو سال آنجا اتفاق سعادت افتاد و یک حج بہ نذر و ثواب حضرت والدہ و یک حج بہ نذر ثواب حضرت والد بزرگوار بجا آوردم حق تعالیٰ قبول کند و دریں اثنا مطالعہ صحیحین و اتفاق درس آں از اول تا آخر تمام با شروح اتفاق افتاد و در رسالہ سوانح بر محازات لوائح جامی در علم تصوف نوشتہ و تالیف نمودہ شد و بعد از مراجعت یاز اتفاق سیر براہ دکن افتاد سہ سال کامل بہمین تقریب تمام شد و در سنہ یک ہزار و یک صد و شانزدہ در آغاز سال ہفتادم مراجعت بوطن نمودیم اللہ تعالیٰ خاتمہ بخیر کند و بعد از رسیدن بوطن قبرہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، شیخ یٰسین بن شیخ عبد الرزاق بن شیخ شرف الدین بن شیخ احمد بن شیخ علی بن شیخ احد بن زرفہ شیخ عبد القادر جیلانی اجازت سلسلہ قادریہ از بغداد مصحوب سیدی سندی میر سید محمد قادر بلگرامی بہ فقیر جیون فرستادہ اند

بدین طریق یقول کاتبہ الشیخ یٰسین بما سألنی العالم الفاضل الشیخ احمد المعروف بشیخ جیون اجازۃ السلسلۃ العالیہ القادریہ وان یکون خلیفۃ الھذا السلسلۃ واماماً بفقراھم و شیوخھم اجزتہ والتبسہ الخرقۃ الشریفۃ کما البسنی والدی الشیخ عبدالرزاق کما البسہٗ والدہٗ الشیخ شرف الدین کما التبسہ عمہ الشیخ جلال الدین کما البسہ ابن عمہ الشیخ شہاب الدین احمد کما البسہ اخوہ الشیخ جمال الدین کما البسہ عمہ الشیخ شمس الدین ابوالوفا کما البسہ اخوہ الشیخ شہاب الدین احمد کما البسہ والدہ الشیخ قاسم کما البسہ ابن عمہ الشیخ بدر الدین کما البسہ والدہم الشیخ علاء الدین کما البسہ والدہ ہم الشیخ شمس الدین کما البسہ والدہم الشیخ شرف الدین کما البسہ والدہم الشیخ شہاب الدین کما البسہ والدہ ابن عمہ الشیخ عبدالباسط کما البسہ والدہ الشیخ شہاب الدین احمد کما البسہ والدہ قاضی القضاۃ عماد الدین کما البسہ والدہ ابوبکر عبدالرزاق کما البسہ والدہ القطب الزمانی محبوب الصمدانی شیخ عبد القادر جیلانی کما البسہ الشیخ ابوسعید الخزومی کما البسہ شیخ ابوالحسن القرشی کما البسہ ابوالفرح الطوسی کما البسہ ابو الفضل الیمینی کما البسہ ابوبکرا الشبلی کما البسہ الشیخ جنید بغدادی کما البسہ الشیخ سری سقطی کما البسہ الشیخ حبیب عجمی کما البسہ الشیخ حسن البصری کما البسہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کما البسہ رسول اللہ ﷺ۔

یہاں سے مُلّا جیون کے صاحب زادے مُلّا عبدالقادر نے حالات قلم بند کیے ہیں:

حضرت مولوی صوری و معنوی اوستاد الملک والدی اوستادی مرشدی مُلّا شیخ جیون قدس سرہٗ العزیز احوال خود را تا سال ہفتادم از عمر شریف خویش بدست مبارک خود نوشتہ بودند و بعد وفات حضرت ایشاں بموجب اجازت و وصیت اطاعۃ از امور الامر ایں خادم الطلبہ و عبدالقادری کہ عمر من چہل و سہ واقع است بقیہ احوال بہ تحریر می آرد کہ شیخ اکمل قدس سرہٗ در سال ہفتادم و ہفتاد و یکم دو سال از عمر شریف خود در قصبۂ امیٹھی استقامت و اشتند بعدہٗ در سال ہفتاد و دوم کہ سند احد حضرت خلد منزل بودہ بتاریخ بست و پنجم محرم الحرام با جمعی کثیر طالب علم روانہ بدار الخلافت شاہ جہان آباد شدو در روز آخر چہار شنبہ در ماہ صفر رسیدند و چند مدت استقامت داشتند بعدہٗ چوں حضرت خلد منزل از ملک دکن مراجعت نمودہ قریب بلدہ اجمیر رسیدند ملاقات با ایشان میسر آمدہ ہمراہ ایشاں تا بہ بلدہ لاہور رسیدند و بعد وفات ایشاں باز در بلدہ شاہ جہان آباد تشریف آوردند از نگاہ تا آخر عمر کہ ہستاد و سہ شدہ ہمیں جا استقامت داشتند۔ ہمدریں اثنا در سنہ جلوس مبارک فائز الجود والسخا صاحب السیف واللواء المنصور الناصر الہد والمجاہد فی سبیل اللہ ابوالمظفر معین الدین محمد عالم گیر ثانی شاہ فرخ سیر بادشاہ غازی با مشار الیہ ملاقات شدہ از نگاہ تا باقی عمر از توجہات و فیوضات ایشاں بسیار حاجات خلائق را روا

کردند چنانچہ مردم بسیار چہ از قرب وجوار وچہ از دیگر دیار ہمہ فائزالامال ومرفع الحال گشتند واز آغاز شہر ذی قعدہ سال ہفتم جلوس والا مطابق سنہ یک ہزار ویک صد وسی ہجریہ مقدسہ کرات مرات اگاہ نمودند واز وصال خود خبرے دادند وچندے ماہ از پیشتر عازم بر رفتن قصبہ امیٹھی بودند چناں چہ اکثر اوقات اضطراب می کردند لیکن چوں مراجعت انجا نصب نبودہ میسر نماندہ عافیت بروز دوشنبہ تاریخ ہشتم ماہ مذکور بدستور دایمی تابوقت شام درس تمام کردند ودر ہماروز شخصے حکایت کردہ کہ دی در معاملہ دیدہ گویا یک ستارہ از جانب مغرب فرود امدہ بطرف مشرق رفتہ تعبیر آن بزبان مبارک فرمودند کہ عالم اعالم واکمل از عالم فنا بعالم بقا شتافت بعدۂ نماز شام با صلوٰۃ اوّابین و دیگر نوافل و وظائف ادا نمودند وطعام شب ہم بدستور سابق خودند بعدۂ نماز خفتن با سنن ونوافل نیز ادا کردند بعد ازان بمواعظ ونصائح مشغول بودند چوں یک ونیم پاس شب گذشتہ سوزشے در سینہ ایشاں پیدا گشتہ چناں چہ قدرے قی نمودند ودرد پہلو نیز لاحق شدہ ہمدران اثنا فقیر حاضر شدہ فرمودند کہ ایں وقت آخر است بعدۂ بپاے خود بالاے دروازہ کلاں مسجد جامع در کوٹھری دالان جنوبی خوابیدہ بذکر الٰہی مشغول گشتند ہر گاہ یک ونیم پاس شب باقی ماندہ کلمہ شہادت بزبان راندہ مرغ روح پاک ایشاں از قالب جان پریدہ بآشیانہ جنت الماویٰ رسیدہ بعدۂ بروز سہ شنبہ تاریخ نہم شہر مسطور کہ روز ولادت ہم ہمین روز بود بوقت ظہر تابوت ایشاں در تکیہ میر محمد شفیع قدس سرہ در پس مسجد میر مشار الیہ بزمین سپرد کردہ مدفون ساختم وبعد پنجاہ روز از روز وفات تابوت ایشاں را روانہ بوطن نمودہ شد چنانچہ بتاریخ چہار دہم شہر محرم الحرام ۱۱۳۱ھ مطابق روز چہار شنبہ تابوت ایشاں در قصبہ امیٹھی رسیدہ بوقت عصر در مقبرہ مدرسہ کہ در قصبہ مذکور واقع است مدفون ساختہ شد وفضائل پناہ شیخ تابع محمد مفتی بلدہ لکھنؤ کہ تلمیذ واستاذ زادہ حضرت ایشاں است تاریخ وصال منظوم ساختہ و دارالخلافت بلدہ شاہ جہان آباد ارسال کردہ۔

’’صبح بہار‘‘ ترجمہ خود نوشت: از خادم حسین علوی:

فقیر جیون بن ابی سعید روز سہ شنبہ وقت صبح صادق تاریخ پچیس شعبان ۱۰۴۷ھ میں پیدا ہوا، بچپن سے والد بزرگوار کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی صحبت کی برکت سے سات برس کی عمر میں کلام مجید کا حافظ ہو گیا اور گو کہ قواعد تہجی واعراب ومہملہ ومنقوطہ کا کچھ علم نہ تھا لیکن

بفضل خداوند تعالی قرآن مجید شروع سے آخر تک صحیح ادا ہوتا تھا اور بعض وقت بے وسیلہ علم صرف ونحو اس کے معنیٰ بھی معلوم ہوجاتے تھے۔ اس کے بعد تحصیل علوم ظاہری شروع کی اور گوکہ پڑھنے میں کتابوں کی تقدیم وتاخیر کی رعایت کچھ بھی نہ تھی لیکن خدا کے کرم سے کمال قوت حاصل ہوجاتی تھی۔ تیرہ سال کی عمر میں جب والد صاحب نے انتقال فرمایا اس کے بعد میں نے نسخہ آداب احمدی جو علم سیر وسلوک مشائخ میں ہے تصنیف کی اور اکثر خطبات جمعہ وعیدین اور عربی کتابیں بکمال بلاغت ترتیب دیں۔ اس کے بعد جدی شیخ عبید اللہ وشیخ علیم اللہ کی بعض کتابوں کو ترتیب دے کر تمام کیا۔ سولہ برس کی عمر میں جب شرح جامی پڑھتا تھا اس وقت کتاب تفسیرات احمدیہ لکھی اور تھوڑی مدت میں اس کی تصحیح سے فارغ ہوا۔ غرض کہ بائیس برس کی عمر میں تحصیل علوم سے کامل طور سے فارغ ہوگیا اور درس شروع کیا۔ بہت سے طالب علم درجہ کمال کو پہنچے۔ اس کے بعد ایک رسالہ علم قرأت میں لکھا اور اکثر مشائخ وقت سے تہذیب باطن واذکار کا سلسلہ نقش بندیہ و قادریہ حاصل کیے۔ سلسلہ چشتیہ کی سند قطب الوقت استاذی مولوی شیخ محمد صادق سترکھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کی جس کا سلسلہ یوں ہے۔

شیخ محمد صادق سترکھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بواسطہ بندگی جعفر ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن بندگی نظام الدین قدس سرہ۔ جب فقیر کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو دہلی شریف واجمیر شریف کے سفر کا اتفاق ہوا اور بہت مدت تک وہاں قیام رہا، ہزار ہا آدمی علوم ظاہری سے مستفیض ہوکر کامل ہوئے۔ اس عرصے میں دو بار حالت محبت کا غلبہ ہوا اور حالت سکر میں غلبۂ جوش سے ایک مثنوی بطرز مثنوی شریف مولانائے روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس میں چھ دفتر پچیس ہزار اشعار کے تھے تصنیف کی۔ ایک دیوان پانچ ہزار کا بطرز دیوان حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی حوالہ قلم کیا۔

جب فقیر کی عمر پچپن سال کی ہوئی تو قصد زیارت حرمین شریفین کا کر کے روانہ ہوا اور ملک دکھن کی سیر کرتا ہوا عرب پہنچا۔ اس زمانے میں ایک قصیدہ دو سو اشعار کا ہم وزن قصیدہ بردہ کہا اور اس کو وسیلہ خوشنودی روح اطہر حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تحفۃً مدینہ طیبہ لے چلا۔ جب بندر گاہ جدہ میں پہنچا تو اسی قصیدہ کی عربی شرح لکھی اور بعض تغیر وتبدل بھی کیے۔ اب پھر بلائے محبت میں گرفتار ہوا اور سفر دریاہی کی حالت میں غلبہ شوق میں انتیس قصائد عربی نہایت فصاحت و بلاغت سے کہے جن کی تعریف اکثر حرمین شریفین کے لوگوں نے بھی کی۔ جب مدینہ طیبہ پہنچا تو

بعض دوستوں کے اصرار سے کتاب نور الانوار شرح منار دو مہینے یعنی ربیع الاول و ربیع الثانی میں بحضوری مزار پاک حضرت ﷺ تالیف کی اور حضور کے فیض سے تھوڑی مدت میں کتاب مذکور عرب وعجم میں مقبول خاص وعام ہوگئی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلك.

جب میری عمر ساٹھ سال کی ہوئی تو حرمین شریفین سے واپس ہوکر ملک دکن پہنچا اور چھ برس تک لشکر معلیٰ عالم گیری میں رہا، بادشاہ دیں پناہ حضرت عالم گیر سے ملاقات و نشست برخاست کے دوران میں اور سیکڑوں بندگان خدا کی مرادات دنیوی حاصل ہوئیں۔ چوں کہ مدت سے خیال تھا کہ دوبارہ حج بہ نذر ثواب والدین کرنا چاہیے اور اس زمانے میں حضرت والد کو دوبارہ خواب میں دیکھا کہ مجھ سے طلب فرماتے ہیں۔ ناچار ۱۱۱۲ھ میں کہ اس وقت عمر اس فقیر کی چھیاسٹھ سال کی تھی بادشاہ سے رخصت ہوکر حرمین شریفین پہنچا اور دو سال وہاں قیام کیا ایک حج بہ نذر ثواب والدہ اور ایک حج نذر ثواب حضرت والد ادا کیا اور اور اس اثنا میں صحیحین (بخاری و مسلم) کے مع شروح تمام و کمال مطالعہ اور درس کا اتفاق ہوا۔ ایک رسالہ بنام سوانح بر مجازات لوائح ملا جامی علم تصوف میں تصنیف کیا۔ بعد مراجعت پھر دکن آیا اور اس طرح تین سال ختم ہوئے۔ ۱۱۱۶ھ میں میری عمر کا سترواں سال شروع تھا وطن واپس آیا۔ شیخ یٰسین بن شیخ عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن شرف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن شیخ احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن شیخ علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن شیخ احمد بن زرحہ نے اجازت سلسلہ قادریہ کی بدست سیدی میر سید محمد قادر بلگرامی فقیر کے پاس بھیج دی۔ وھوہذا۔

اجازت سلسلہ قادریہ از طرف شیخ یٰسین برائے عالم و فاضل الشیخ احمد المعرف بہ شیخ جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شجرہ خرقہ، شیخ یٰسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید والد خود شیخ عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید والد خود شیخ شرف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید عم خود شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید عم خود شیخ شہاب الدین احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید برادر خود شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید عم خود شہاب الدین احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید عم خود شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید برادر خود شہاب الدین احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید والد خود شیخ قاسم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مریس شیخ بدر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید والد خود شیخ علاء الدین مرید والد خود شیخ شمس الدین مرید والد خود شیخ شرف الدین مرید والد خود شہاب الدین مرید خود شہاب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید عم خود شیخ عبد الباسط مرید والد خود شیخ شہاب الدین مرید والد خود قاضی القضاۃ عماد الدین مرید والد خود القطب الربانی و محبوب الصمدانی الشیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید شیخ ابی السعید المعروفی مرید شیخ ابوالحسن ابوالفرح طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مرید الفضل.... مرید ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید شیخ حسن البصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرید امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بواسطہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ وھوہذا۔ (۱)

حضرت صوری و معنوی استاذ الملک والدی واستادی و مرشدی مُلّا شیخ جیون قدس سرہ العزیز نے اپنی عمر کے ستر برس تک کا حال خود دست مبارک سے تحریر فرمایا ہے۔ بعد آپ کی وفات کے بقیہ احوال فقیر عبد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب اجازت و وصیت و حکم آں جناب اپنی عمر کے تینتالیسویں سال میں لکھا ہے، جو حسب ذیل ہے۔

حضرت مُلّا صاحب قدس سرہ اپنی عمر کے سترویں و اکہترویں سال امیٹھی میں رہے۔ بعد ازاں بہترویں سال کہ پہلا سال جلوس محمد معظم بادشاہ خلد منزل کا تھا بتاریخ ۲۵ر محرم طلبا کی جماعت کثیر کے ساتھ شاہ جہان آباد کو روانہ ہوئے اور سفر کے آخری چہار شنبہ کو دہلی میں پہنچ گئے۔ چند مدت تک وہاں مقیم رہے بعدہٗ جب محمد معظم بادشاہ دکن سے لوٹے اور اجمیر کے قریب پہنچے تو مُلّا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے ملاقات کی اور انھیں کے ساتھ ساتھ لاہور گئے اور وہیں مقیم رہے جب بادشاہ نے انتقال کیا تو پھر شاہ جہان آباد لوٹ آئے اور اس وقت سے آخر تک یعنی عمر کے تراسویں سال تک وہیں تشریف فرما رہے۔ اسی اثنا یعنی سنہ اول جلوس میں قابض الجود والسخا صاحب السیف واللوا المنصور الناصر باللہ والحامد فی سبیل اللہ ابوالمظفر معین الدین محمد عالم گیر ثانی شاہ فرخ سیر بادشاہ غازی سے ملاقات فرمائی، اور اس وقت سے آخر عمر تک آپ کے توجہات سے ہزارہا آدمیوں کی حاجت روائی ہوئی اور کثیر التعداد لوگ امیٹھی و دیگر مقامات کے کامیاب و مرفہ الحال ہو گئے۔ شروع ماہ ذی قعدہ سال ہفتم جلوس والا مطابق ۱۱۳۰ھ قدسی سے آپ نے بار بار اپنے ارتحال کی خبر دینا شروع کی۔ اس سے چند ماہ پیشتر امیٹھی جانے کا قصد ظاہر فرمایا اور اکثر جانے کے لیے اضطراب فرماتے تھے لیکن چوں کہ واپسی نصیب میں نہ تھی میسر نہ ہوئی۔

آخر کار وقت برابر پہنچا اور دوشنبہ تاریخ ۸ر ماہ ذی قعدہ ۱۱۳۰ھ کو شام تک حسب معمول درس تمام کیا لیکن آپ نے اس وقت دیکھا کہ ایک ستارہ مغرب سے ٹوٹ کر مشرق کی طرف آیا۔

(۱) **نوٹ:-** یہاں تک کا حال خود حضرت مُلّا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا لکھا ہوا ہے اس سے آگے آپ کے پسر و شاگرد رشید مُلّا محمد عبد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا لکھا ہے جسے ہم لفظ بلفظ مثل سابق ترجمہ کرتے ہیں۔

اس کی وجہ بیان فرمائی کہ کوئی عالم اکمل دنیا سے رخصت ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے نمازِ مغرب ادا کی پھر نماز اوابین مع اوراد و وظائف سے فارغ ہوئے پھر بدستور سابق شام کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد عشا مع سنن و نوافل ادا کی اور وعظ و نصائح فرمانے لگے۔ جب ڈیڑھ پہر رات گزری تو سینۂ مبارک میں سوزش پیدا ہوئی اور تھوڑی تھوڑی بڑھنے لگی یہاں تک کہ پہلو میں بھی ہونے لگی۔ اس وقت بندہ (کاتب حروف) حاضر ہوا فرمایا کہ وقت آخر ہے۔ اس کے بعد اُٹھے اور جامع مسجد کے بڑے دروازہ پر دالان جنوبی کی کوٹھری میں لیٹ گئے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوئے اور ڈیڑھ پہر رات باقی تھی کہ زبان مبارک پر کلمہ شہادت جاری ہوا اور روح مبارک قفس جسم کو چھوڑ کر جنت الماویٰ کو راہی ہوئی۔

روز سہ شنبہ جو کہ آپ کی ولادت کا بھی دن ہے، وقت ظہر آپ کا تابوت میر محمد شفیع کے تکیہ میں سپرد کر کے دفن کیا گیا پھر نکال کر چالیس دن کے بعد بتاریخ ۱۴ر محرم الحرام ۱۱۳۱ھ روز چہار شنبہ تابوت قصبۂ امیٹھی پہنچا اور وقت عصر قصبہ امیٹھی میں مقبرہ مدرسہ میں دفن ہوئے۔ فضائل پناہ شیخ تابع محمد مفتی لکھنؤ نے جو کہ شاگرد اور استاذ زادہ حضرت کے تھے۔ آپ کے وصال کی تاریخ نظم کر کے شاہ جہان آباد بھیجی تھی۔ جو حسب ذیل ہے:

قطعۂ تاریخِ وفات:-

محیطِ علم آں مولائے اعظم | باحمدؔ عرف جیونؔ شد معلم
جہاں را روشنی زاں شمعِ دیں بود | بعلم ظاہر و باطن مسلم
چو رحلت کرد در ذی قعدہ تاسع | بوصل دوست خود گشتہ مکرم
بتاریخش خود و ادا بگوشم | ندا او کامل و فیاض عالم

۱۱۳۰ھ

لوح مزار شریف پر تاریخ ذیل کندہ ہے۔

و یتم نعمتہ علیہ ۱۱۳۰ھ

مناقب

در شان حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نتیجۂ فکر: مولانا تحسین عالم تحسینؔ بھاگل پوری (والدِ گرامی راقم الحروف محمد طفیل احمد مصباحی)

مُلّا احمد ملّا جیون کی وہ عالی شان ہے
جس پہ ہر ذرہ امیٹھی شہر کا قربان ہے

دورِ شاہانِ مغلیہ میں ہوا اُن کا وجود
رحمتِ باری تعالیٰ نے انھیں بخشا سعود

مفتیانِ دین میں علّامۂ فاضل تھے وہ
دین و دنیا کے ہر اک فن میں بڑے کامل تھے وہ

آپ کو حاصل تھا عربی دانی پہ کامل عبور
آپ کی نظروں سے کوئی علمی نکتہ تھا نہ دور

آپ کا سینہ تھا منبع انشراحِ صدر کا
روئے زیبا ضوفشاں جیسے فلک پر بدر کا

پہلے علّامہ کو ملتا تھا جو مُلّا کا لقب
حضرتِ جیونؔ تھے علّامہ تو یہ پایا لقب

دورِ شاہی میں تھے جتنے فاضلانِ ذوالکرام
حضرتِ جیونؔ کا بھی ان سب میں تھا اعلیٰ مقام

اہلِ علم و فضل میں تھے سیکڑوں کا انتخاب
عزت و رفعت میں اعلیٰ، بے مثال و لاجواب

فاضلانِ دہر میں تھے جتنے بھی عالی وقار
حضرتِ علّامہ جیونؔ کا بھی تھا اُن میں شمار

حضرتِ جیونؔ کی ایسی شان کی تھی زندگی
جس پہ کرتی ناز تھی محبوبِ رب کی بندگی

یادگارِ ماضی جو ہے آپ کا دارالعلوم
اُس پہ نازاں ہیں ہزاروں علم کے ماہ و نجوم

آپ کے ذکروں سے خالی ہے نہ کوئی درس گاہ
آپ کی فکروں میں جلوہ گر ہے اعلیٰ خانقاہ

آپ کی تصنیف "تفسیراتِ احمدیہ" کا نور
بخشتا ہے دل کو تسکیں اور ایماں کو سرور

دوسری تصنیف جو انوارؔ کا اک نور ہے
وہ فقیہوں کے لیے مانند کوہِ طور ہے

آپ کے شاگرد تھے شاہنشہِ اورنگؔ زیب
جو کہ زاہد پارسا تھے، حاملِ صبر و شکیب

باپ بیٹے دونوں علمِ دین سے معمور تھے
دونوں شاکر حضرتِ جیونؔ ہوئے مشکور تھے

وہ شہنشہ جو کہ ملکِ ہند کا سلطان تھا
اس پہ حضرت مُلّا جیونؔ کا بڑا فیضان تھا

بادشاہ نے جان و دل سے کی جو خدمت دین کی
آپ نے بھی بخش دی اُس کو حیاتِ سرمدی

فیضِ جیونؔ سے جو عالم گیر نے پایا کمال
ہند پر اپنی حکومت اس نے کی پنجاہ سال

اس کا شاہی کارنامہ ہے یہی سب سے بڑا
قوم کو بخشی کتابِ "فتویٰ عالم گیریہ"

شاہ عالمگیرؒ نے جو دین کی تعمیر کی
یادگار اس کی رہے گی حشر تک شاہنشہی

واہ اے شہرِ امیٹھیؔ کتنا تو خوش بخت ہے
مُلّا احمدؒ مرد حق کا تجھ پہ پائے تخت ہے

مُلّا جیونؒ کی حسیں تاریخ پر صد آفریں
جو ہے ذہن و فکرِ صالح کا حسیں نقشِ نگیں

حضرتِ جیونؒ کے علمی باب پر لاکھوں سلام
اُن کی روحِ پاک اور اصحاب پر لاکھوں سلام

کاش میں دیکھوں کبھی اُن کے مزارِ پاک کو
آنکھ کا سرمہ بناؤں اس جگہ کی خاک کو

تیرا اے تحسینؔ یہ نوری ترانہ خوب ہے
مُلّا جیونؒ کی ثنا خوانی مجھے محبوب ہے

حضرت مُلّا احمد جیون کی بار گاہ میں نذرِ عقیدت

نتیجۂ فکر: مولانا قاری محمد میکائیل ضیائی، صدر نعت اکیڈمی، کانپور

عہدِ عالم گیر میں تھی منفرد اک ذات وہ
علم و فن کی کر گئی تھی بے کراں برسات وہ

مسندِ تدریس و افتا پر رہے رونق فزا
بانٹتے تھے مستحق کو علم کی خیرات وہ

طالبانِ علم کی راہیں کشادہ ہوگئیں
کر گئے ہیں حل، بہت اشکالِ درسیّات وہ

عقدۂ مشکل کی وہ ہندی کی چندی کر گئے
پیدا کر دیتے تھے ہر اک بات میں اک بات وہ

بادشاہِ ہند عالم گیؔر ان کے خوشہ چیں
پھر بھی کرتے تھے قناعت سے گزر اوقات وہ

سنتِ سرکار تھے فقر و غنا ان کو عزیز
گرچہ شاگردوں کی رکھتے تھے بڑی بارات وہ

عالمِ دینِ نبی اور عارفِ ذاتِ خدا
اہلِ علم و زہد و تقویٰ، اہلِ ترجیحات وہ

علمِ دیں کی روشنی ہر سمت پھیلاتے رہے
قاطعِ عصیان و بدعت دافعِ آشتات وہ

مفتی و زاہد تھے مستقبل کی رکھتے تھے خبر
جانتے تھے آنے والے وقت کے حالات وہ

جو خدائے پاک نے دی ہیں نبی کی معرفت
آپ نے دی ہیں جہاں والوں کو تعلیمات وہ

انکساری کی زمیں پر رکھ کے قرطاس و قلم
دے گئے اقران کو بہتیری تصنیفات وہ

خدمتِ فقہ و اصول فقہ بھی فرما گئے
لکھ گئے ہیں بے بہا قرآں کی تفسیرات وہ

جن کو پڑھ کر رہنمائی کا ہنر آجائے گا
آج بھی ان کی کتابوں میں ہیں تحریرات وہ

حشر تک ہوتے رہیں گے لوگ ان سے بہرہ مند
اپنے ہاتھوں سے لگائے علم کے باغات وہ

دین کے ہر علم کی ہر شاخ پر تھی دسترس
حاویِ فقہ و اصول فقہ و جزئیات وہ

جن سے ہوجاتی ہے سب فقہی مسائل کی پرکھ
آپ نے دی ہیں زمانے والوں کو زیجات وہ

آج ان کی کوئی بھی قیمت لگا سکتا نہیں
آپ نے چھوڑے ہیں دنیا کے لیے شذرات وہ

نام اُن کا ملّا احمدؔ اور جیونؔ لاحقہ
بس اسی سے جانے جاتے ہیں سرِ اَسمات وہ

جائے پیدائش امیٹھیؔ، ہے وہیں اُن کا مزار
نزد شہرِ لکھنؤؔ ہے جائے بابرکات وہ

اے ضیائیؔ تھیں جو حضرت کی حیاتِ پاک میں
رکھتا ہے اسمِ گرامی اب بھی تاثیرات وہ

منقبت

در شان فقیہ اجل علامہ شاہ مُلّا احمد جیون علیہ الرحمۃ والرضوان

نتیجۂ فکر: مولانا محمد کلیم رضا نوری، بھاگل پوری

نائبِ سیدِ ابرار تھے مُلّا جیون
حامیِ عظمتِ سرکار تھے مُلّا جیون
چرخِ اخلاق و وفا کے تھے مہرِ منیر
قاسمِ فیض کے دربار تھے مُلّا جیون
مکتسب آپ سے اربابِ علوم و افکار
دین و دانش کے وہ مینار تھے مُلّا جیون
فکر و تحقیق کے تھے روشن و اعلیٰ مینار
علم و فن کے درِ شہوار تھے مُلّا جیون
علم قرآن و احادیث و فقہ کے سلطاں
علم تفسیر کے شہکار تھے مُلّا جیون
آشنا رمزِ شریعت کے تھے وہ بطلِ جلیل
عشق کے سپہ سالار تھے مُلّا جیون
اہلِ ثروت سے رہے آپ سدا مستغنیٰ
فقر فخری کے علم دار تھے مُلّا جیون
مشعلِ راہِ یقیں عشقِ رسالت کے چراغ
نافعِ امتِ سرکار تھے مُلّا جیون
اہلِ دانش کی ہر اک بزم منوّر اُن سے

فکر کی شمعِ ضیابار تھے ملّا جیون
رب کے محبوب کے انوار میں اک نورِ مبیں
بالیقیں صاحبِ انوار تھے ملّا جیون
ہر ادا آپ کی تھی سنت و قرآں کی امیں
نشہ عشق کے سرشار تھے ملّا جیون
رہروانِ رہ مقصودِ حقیقی کے لیے
بالیقیں مطلعِ انوار تھے ملّا جیون
وہ محقق بھی مفسر بھی مفکر بھی عظیم
اک جواں غازیِ کردار تھے ملّا جیون
بہرِ حق نرم تھی ذات آپ کی مانندِ گلاب
کفر کے واسطے تلوار تھے ملّا جیون
اپنے بے گانے سبھی آپ کے مدّاح ہوئے
نوریؔ وہ علم کے گلزار تھے ملّا جیون

منقبت

در شان حضرت مُلّا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

نتیجۂ فکر: مولانا محمد اطہر حسن ضیائی، خطیب ماریشش، ساؤتھ افریقہ

فضلِ پروردگار کیا کہنا
مُلّا احمدؔ سا یار کیا کہنا

اپنی اُمت کو مصطفیٰ نے دیا
علم کا تاج دار کیا کہنا

مُلّا جیونؔ کی شکل و صورت میں
علم و فن کی بہار کیا کہنا

ذرہ ذرہ دعائیں کرتا ہے
عالمِ باوقار کیا کہنا

وہ مفسر! کہ جس پہ تفسیریں
ہو رہی ہیں نثار کیا کہنا

وہ محقق! ہیں جن کی تحقیقیں
لائقِ اعتبار کیا کہنا

وہ مفسر! ہے جس کی تفسیرات[1]
باعثِ افتخار کیا کہنا

نورؔالانوار مُلّا جیون کی
ہے حسیں یادگار کیا کہنا

---

(۱) تفسیراتِ احمدیہ۔

درس گاہوں کی بن گئی زینت
وہ ہے تصنیفِ یار کیا کہنا

دارِ افتا میں نام ہے تیرا
قابلِ اعتبار کیا کہنا

ذرہ ذرہ دکنؔ کا کہتا ہے
قاضیِ باوقار کیا کہنا

تجھ سے پڑھتا تھا، تجھ پہ نازاں تھا
ہند کا شہریارؔ کیا کہنا

مُلّا جیونؔ تمھاری عظمت پر
جان و دل ہیں نثار کیا کہنا

روح نکلی تو لب پہ کلمہ تھا
ایسا تقویٰ شعار کیا کہنا

برسے ہر آن تیری تربت پر
رحمتِ کردگار کیا کہنا

تیرے اشعار کاش اے اطہرؔ
ہوتے مقبولِ یار کیا کہنا

علمی شمشیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

نتیجۂ فکر: مولانا کاشف رضا حنفی، قاضی نکاح وطلاق حکومت اڑیسہ، ضلع سمبل پور، اڑیسہ

عالم، مفتی، پیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے
وقت کو عالم گیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

شاہوں کو جاگیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے
ہر فن کی تدبیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

"تفسیرات احمدیہ" جو بھی پڑھتا ہے کہتا ہے
کیا عمدہ تفسیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

اُن کی عنایت جاری ہے شکلِ نور الانوار میں
طلبہ کو توقیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

فقہ، ادب، منطق میں مل کر دیکھا تھا جو خواب کبھی
اس کو حسیں تعبیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

استاذ الشعرا کہتی ہے دنیا میر و غالب کو
کتنے غالب میر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

جس سے جہالت کی گردن کٹ سکتی ہے بآسانی
وہ علمی شمشیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

اپنی تصنیفات سے اپنی آنے والی نسلوں کے
لہجے کو تعبیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

صوفی اور درویش صفت کو دیکھو نہ تحقیر سے تم
یہ درسِ اکسیر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

صبر و رضا میں ڈھال کے رکھا ہر پل اپنی ہستی کو
اندازِ شبّیرؑ دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

جس پہ فصاحت اور بلاغت ناز کرے ہیں اے کاشفؔ
وہ دل کش تحریر دیا ہے مُلّا احمد جیون نے

تیسرا باب

خاندانی علما و مشائخ

مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا:-

حضرت مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا، علم بردارِ رسول عبد اللہ مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بانی سلسلہ قلندریہ) کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت ملّا احمد جیون، مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا کی اولاد میں سے ہیں۔

مخدوم خاصۂ خدا کی بدولت ہی قصبہ امیٹھی علم و روحانیت کا مینار اور شریعت و طریقت کا لہلہاتا ہوا گلزار بنا۔ امیٹھی کی ولایت آپ کو عطا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے امیٹھی کو اپنا مسکن بنایا اور اس ویران بستی کو شاد و آباد کیا۔ مخدوم خاصۂ خدا کا شمار سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے اولیائے کاملین میں ہوتا ہے۔ آپ کا شجرۂ بیعت و خلافت آٹھ واسطوں سے حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی تک اور گیارہ واسطوں سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک پہنچتا ہے۔ ایام طفولیت سے ہی آپ کی مبارک پیشانی پر فضل و شرف اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے۔ بچپن سے عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔

عمر شریف ۱۲؍ سال کی تھی کہ ایک رات آپ پر نیند کا شدید غلبہ ہوا، صبح وقت پر نہیں اُٹھ سکے اور فجر کی نماز قضا ہوگئی۔ دایا کے جگانے پر بیدار ہوئے اور کہا کہ ’’اب بیدار ہوکر منھ ہاتھ دھونے سے کیا فائدہ! نمازِ فجر تو قضا ہوگئی۔‘‘ اس کے بعد اپنے آپ کو کوسنے اور نفس کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس روسیاہ کو لے کر کہیں نکل جاؤں۔ اس کے بعد طلبِ معرفت اور مرشدِ کامل کی تلاش میں شہر شہر قریہ قریہ گھومتے رہے تاکہ دین و دنیا کی سعادت سے ہمکنار کرنے والا کوئی راستہ نظر آئے اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال ہوسکے۔ تلاش و جستجو رنگ لائی اور اپنے وقت کے عارف باللہ اور صاحب کشف و کرامات بزرگ حضرت شیخ محمد بن عبد العزیز جون پوری کا پتا چلا، پھر کیا تھا؟ امیٹھی کا یہ شہبازِ طریقت محوِ پرواز ہوا اور ایک ہی جست میں جون پور میں آشیانہ نشیں ہوگیا۔ مخدوم خاصۂ خدا، شیخ محمد جون پوری کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ان سے بیعت

ہو گئے اور نقدِ جان و دل سب اپنے مرشد کے حوالے کر دیے۔ شیخ خاصہ خدا نے ایک طویل عرصہ اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں گزاری اور سخت عبادت و ریاضت اور مجاہدات کیے، یہاں تک کہ سلطان العارفین اور قدوۃ الواصلین کے منصبِ عظیم پر فائز ہو گئے اور آپ کا شمار اولیائے کاملین میں ہونے لگا۔ شیخ محمد جونپوری نے مخدوم خاصہ خدا کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا۔

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی اپنے جد اعلیٰ مخدوم خاصہ خدا کے روحانی سفر کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

"حضرت مخدوم خاصہ خدا قدس سرہ با ایشاں (شیخ محمد جون پوری) دست بیعت کردند و خود را بہ پلّہ ایشاں بستند و نہایت حالات باکمالات و خوارق عادات پیدا کردند و از جملہ کمّل اولیائے وقت شدند۔ و بعد از چند گاہ حضرت شیخ محمد (جون پوری) ایشاں (خاصہ خدا امیٹھوی) را جامۂ خلافت چشتیہ عطا فرمودند۔"(۱)

شریعت اور طریقت دونوں میدان کے آپ شہسوار تھے۔ بے شمار لوگوں نے آپ کی ذات سے فائدہ اٹھایا اور خاصہ خدا کی برکت سے دوسرے افراد بھی بارگاہ ذوالجلال کے مخصوص بندے بن گئے۔ درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور خدمت خلق کا فریضہ تادم حیات جاری رہا۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

"كان من رجال العلم والطريقة .... وكان يدرس و يفيد، أخذ عنه خلق كثير."(۲)

شیخ محمد بن خواجگی سدھوری جو کہ علمائے صالحین میں سے ہیں اور احسان و سلوک میں جن کی خواجگی و پیشوائی مسلم ہے، یہ شیخ خاصہ خدا امیٹھوی ہی کے قابل فخر شاگرد و مرید تھے۔ جیسا کہ نزہۃ الخواطر ۴/۲۶۳، میں سید عبدالحی رائے بریلوی نے لکھا ہے۔

مخدوم خاصہ خدا، شیخ محمد خواجگی بن شیخ علی سدھوری کے داماد بھی تھے۔ شیخ خواجگی کی دو دختر نیک اختر خاصہ خدا کے نکاح میں آئیں۔ آپ کی پہلی زوجہ صالحہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور وہ لاولد

(۱) تذکرہ بزرگان امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۔
(۲) نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۸۸، معارف عثمانیہ، دکن۔

فوت ہوگئیں۔ آپ نے شیخ خواجگی کی دوسری دختر ناسکہ سے نکاح کیا، جن سے ایک صاحب زادے شیخ محمد پیدا ہوئے اور بعد ازاں بالترتیب چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کے بعد آپ کے ہونہار اور لائق وفائق فرزند شیخ عبدالرزاق پیدا ہوئے۔ شیخ عبدالرزاق امیٹھوی، ملّا احمد جیون کے پردادا ہیں۔ شیخ عبدالرزاق ہی سے ملّا احمد جیون کا خاندان پھیلا اور برگ وبار لایا۔ مخدوم خاصۂ خدا کی تمام اولاد نہایت متقی و پرہیز گار، علم و حکمت اور زہد و ورع کی جملہ خوبیوں سے آراستہ تھیں۔ مخدوم خاصۂ خدا نے اپنے اولاد کو نصیحت کی تھی کہ ہمارا یہ مصلیٰ (شریعت و طریقت کا روحانی سلسلہ) قیامت تک جاری رہے۔ مخدوم خاصۂ خدا کی نصیحت اور دلی آرزو پوری ہوئی اور ہر دور میں آپ کی اولادِ پسری و دختری میں بڑے بڑے علما، جیّد فقہا اور اساطین طریقت پیدا ہوئے۔ [1]

قصبہ امیٹھی میں قیام:-

مخدوم خاصۂ خدا فنافی الشیخ کے مرتبہ پر فائز تھے۔ شیخ محمد بن عبدالعزیز جون پوری کی بیعت وارادت میں داخل ہونے کے بعد پیر و مرشد کی مفارقت و جدائی آپ کے لیے ناقابل برداشت امر تھا۔ اپنے شیخ کے ساتھ کامل وابستگی اور گہری عقیدت کے نتیجے میں آپ دوبارہ امیٹھی جانے کے لیے کسی بھی قیمت پر تیار نہیں تھے۔ مخدوم خاصۂ خدا کے بڑے بھائی شیخ سعد اللہ امیٹھوی نے بڑی مشکل سے آپ کو گھر (امیٹھی) واپسی کے لیے آمادہ کیا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

کچھ دن تک اپنے بڑے بھائی کے ساتھ امیٹھی میں رہے اور اس کے بعد دوبارہ سفر پر نکل پڑے۔ دورانِ سفر آپ کا گزر قصبہ "سدھور" سے ہوا جہاں آپ کی ملاقات شیخ محمد خواجگی بن شیخ علی سے ہوئی۔ شیخ خواجگی جو آگے چل کر آپ کے خسر (سسر) بھی ہوئے، بڑے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ شیخ خواجگی علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ ہونے کے ساتھ ایک روشن ضمیر ولی بھی تھے۔ شیخ خواجگی نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ ایک عارف کامل اور ولیِ وقت ہے۔ شیخ خواجگی

(۱) مشائخ امیٹھی ملخصًا، ص:۲۲، مطبوعہ اندور۔

نے آپ کی خاطر مدارات کی اور کہا کہ درس سے فراغت پانے کے بعد آپ سے گفتگو کروں گا۔ چنانچہ جب شیخ خواجگی درس سے فارغ ہو چکے تو مخدوم خاصۂ خدا بولے: میں نے تا زندگی شادی نہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ اس پر شیخ خواجگی نے فرمایا: آپ ضرور شادی کریں کہ آپ کی نسل سے بے شمار اولیا اللہ پیدا ہوں گے۔ یہ سن کر مخدوم خاصۂ خدا راضی ہو گئے اور یکے بعد دیگرے شیخ خواجگی کی دو لڑکیوں سے آپ نے نکاح کیا۔ بعد ازاں شیخ خواجگی نے خاصۂ خدا کو شہر لکھنؤ میں قیام کرنے کا مشورہ دیا۔ خسر اور مرشد کے حکم کے مطابق عازمِ لکھنؤ ہوئے۔ دورانِ سفر قصبہ امیٹھی سے آپ کا گزر ہوا۔ رات کا وقت تھا آپ وہیں ٹھہر گئے اور امیٹھی کے ایک مقام پر استراحت کی اور یہ وہی مقام ہے جہاں آج آپ کا مبارک مزار واقع ہے اور مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

بہر کیف! حضرت مخدوم خاصۂ خدا قصبہ امیٹھی پہنچے اور وہاں ایک مقام پر قیام فرمایا، اس مقام سے ملحق جوگیوں اور غیر مسلموں کے مکانات تھے۔ ان لوگوں نے اس جگہ قیام کے لیے آپ کی مخالفت کی اور بولے: یہاں قیام مت کرو ورنہ ہمارے دیوی دیوتا اور سانپ بچھو آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔ مخدوم خاصۂ خدا نے جواب دیا کہ بس ہم ایک رات کے مسافر ہیں، صبح یہاں سے چلے جائیں گے۔ اگر کسی چیز نے ایذا پہنچائی تو ہم اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

غرض کہ مخدوم خاصۂ خدا نے کفار اور جوگیوں کی بات کا اعتبار نہیں فرمایا اور رات میں اسی جگہ قیام کیا۔ ادھر جوگیوں نے آپ کو تکلیف پہنچانے اور قصبہ امیٹھی سے آپ کو باہر کرنے کی غرض سے رات کے وقت کئی سانپ، بچھو آپ کی قیام گاہ پر لا کر چھوڑ دیے۔ اور اس انتظار میں پڑے رہے کہ اب بہت جلد نو وارد شیخ کے مرنے کی خبر آئے گی۔ لیکن ان کافروں اور بے دینوں کو کیا خبر کی "من کان للہ کان اللہ لہ" جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ دیکھا گیا کہ جوگیوں کے رکھے گئے سانپ، بچھو مخدوم خاصۂ خدا کے قدموں میں سر جھکائے پڑے ہوئے ہیں۔

ملّا احمد جیون بیان کرتے ہیں:

"ماران و کژدمانِ ہمہ در زیر اقدامِ ایشاں سر بہ سجدہ نہادہ و ازآں جا رفتند..... چوں وقت صبح صادق گشت حضرت مخدوم خاصۂ خدا فرمودند حکم خدامی شود کہ ہمیں جا اقامت کن و برخاستند و اذانِ فجر دادند و نماز گزار دند و جمیع جوگیان و کفاران عاجز شدہ رفتند۔ حضرت مخدوم جیو ازاں جا اقامت نمودند و سائر ساکنانِ قصبہ امیٹھی از ہر فرقہ ہر کدام مرید شدند۔ چناں کہ ملک قدن و قاضی منور خان

وشاہ بدلی وشیخ ابو بہلول وغیر ذالک وبعض ہارا خلافت دادند وہمیشہ برارشادِ مریدانِ صادق وخلفائے واثق مستقر بودند۔"(۱)

ترجمہ: جوگیوں کے چھوڑے ہوئے سانپ بچھو آپ کے قدموں میں سر جھکائے کھڑے رہے اور خود ہی اپنی راہ لگ گئے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے اذان پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ اعلان کیا کہ "خدا کا حکم ہے کہ ہم اسی جگہ (امیٹھی) قیام کریں۔ کفار ومشرکین اور جوگی سادھو آپ کے مقابلے سے عاجز رہے اور وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔ حضرت مخدوم جیو (خاصۂ خدا) نے امیٹھی کو اپنا مسکن بنایا اور اسی جگہ مقیم ہو گئے۔ امیٹھی میں آباد ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لوگ آپ کے مرید ومعتقد بن گئے۔ ملک قدن، قاضی منور خان، شاہ بدلی اور شیخ ابو بہلول آپ کے مریدانِ خاص میں سے ہیں۔ ان میں سے بعض کو آپ نے اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔ مخدوم خاصۂ خدا اپنے مریدان صادق اور خلفائے واثق کی اصلاح وتزکیہ اور ان کے وعظ وارشاد میں ہمیشہ منہمک رہتے۔

ملّا احمد جیون کے والد شیخ ابو سعید اور حضرت بندگی میاں بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت مخدوم کے یہاں سماع کی مجلس میں تقریباً تیرہ بار حاضری دی ہے، جہاں انھوں نے خاصۂ خدا کے کشف وکرامات کے عینی جلوے دیکھے ہیں۔ اکثر محفلِ سماع کے دوران آپ کے قدم مبارک زمین پر نہیں ٹکتے۔ بلکہ ایک دو بالشت زمین سے اوپر معلّق گشت کرتے نظر آتے۔ ایک مرتبہ آپ کھڑاؤں پہنے وضو فرمارہے تھے کہ آپ پر محفل سماع کے باعث کیفیت طاری ہوئی اور آپ ہوا میں معلق ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے پیروں کی کھڑاؤں بھی ہوا میں رقص کرنے لگی۔

سماع کی اس کیفیت سے متعلق ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ ایک دن حضرت مخدوم جونپور میں حضرت شیخ محمد بن معروف عبدالواسع کی خانقاہ میں تشریف لے گئے جہاں محفلِ سماع جاری تھی اور قوّال کچھ عربی ابیات گا رہا تھا۔ جب حضرت مخدوم نے ان ابیات کو سنا تو ان پر بھی رقص کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حضرت مخدوم کی اس کیفیت کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ شیخ محمد بن معروف عبدالواسع بھی رقص کی کیفیت سے محفوظ نہ رہ سکے اور ان پر بھی رقص طاری ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رقص ان کی تمام عمر کا پہلا روحانی تجربہ تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ قصبہ امیٹھی میں بارش نہیں ہوئی، شہر کے

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ فارسی، ص:۶۔

اکابر اکٹھا ہو کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: بارش کا رُک جانا میری شامتِ اعمال کے باعث ہے۔ مجھے قصبے سے نکال دو تو بارش ہو جائے گی۔ اہلِ شہر یہ سن کر سہم گئے۔ کچھ لمحہ بعد آپ اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو گئے۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ قصبے میں پانی برسنا شروع ہو گیا اور اتنا پانی گرا کہ لوگ خوف زدہ ہو کر پناہ مانگنے لگے۔ پھر آپ کی دعاؤں سے پانی بند بھی ہوا۔[1]

وفاتِ حسرت آیات:-

مخدوم خاصۂ خدا کی ولایت و کرامت مسلم ہے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کے دہنِ پاک سے مشک کی خوشبو نکلنے لگی۔ لوگ متحیر ہوئے کہ آخر یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟ تفحص بسیار اور سعیِ بے شمار کے بعد معلوم ہوا کہ یہ خوشبو مخدوم خاصۂ خدا کے دہن پاک سے نکل رہی ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے وصال کا وقت قریب ہے۔

ع کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

حضرت ملّا احمد جیون نقل فرماتے ہیں:

”چوں حضرت مخدوم شیخ خاصۂ خدا را ارتحال نزدیک آمد از دہن مبارک ایشاں بوئے مشک بر آمدن شروع نمود، چناں کہ در تمام قصبہ معطر شد، ساکناں قصبہ متحیر گشتند کہ این قدر مشک کہ ہمراہ آور دست، بعد از تفحص بسیار و سعیِ بے شمار دیدند و دانستند کہ حضرت مخدوم جیو را ارتحال ازیں عالم نزدیک آمدہ است، از دہن مبارک ایشاں بوئے مشک وافر می آید کہ بتاریخ بست و ہفتم ذی حجہ سند نہہ صد بست دو بعالم بقا خر امیدہ اند و در قصبہ امیٹھی مدفون گشتہ اند، قبر ایشاں زیارت گاہِ خلائق است۔“[2]

۲۷ر ذی الحجہ ۹۲۲ء میں آپ کا وصال ہوا۔ قصبہ امیٹھی میں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ اور لوگ آپ کے روحانی فیوض و برکات سے مالا مال ہو رہے ہیں۔

(۱) مشائخ امیٹھی، ص: ۲۳، ۲۴، مطبوعہ اندور

(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی قلمی نسخہ، ص: ۶، ۷۔

شیخ سعد اللہ بن خضر امیٹھوی:-

شیخ سعد اللہ بن خضر امیٹھوی یہ عبد اللہ مکی صحابی رسول ﷺ کی اولاد میں ایک منفرد حیثیت کے حامل بزرگ تھے۔ یہ رشتے میں مخدوم خاصۂ خدا کے سگے بڑے بھائی اور علم و عمل، تقویٰ و زہد اور شریعت و طریقت کی جامعیت میں مخدوم خاصۂ خدا ثانی اور معقولات و منقولات کے جیّد عالم تھے۔ آپ نے بے شمار لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔

حضرت ملّا احمد جیون کے بقول:

"برادر کلاں ایشاں (مخدوم خاصۂ خدا امیٹھوی) کہ شیخ سعد اللہ نام داشتند جامع المعقول والمنقول بودند و بدرس و تدریس مستقیم بودند۔"

ترجمہ: مخدوم خاصۂ خدا کے بڑے بھائی شیخ سعد اللہ امیٹھوی معقولات و منقولات کے جامع عالم تھے اور درس و تدریس سے وابستہ تھے۔

شیخ سعد اللہ اپنے چھوٹے بھائی مخدوم خاصۂ خدا کے ساتھ غایت درجے محبت کرتے اور ایک شفیق باپ جیسا سلوک کرتے۔ مخدوم خاصۂ خدا مرشد کامل کی تلاش میں جب گھر سے نکل پڑے تھے اور مدتوں اپنے مرشد شیخ محمد بن عبد العزیز جونپوری کے پاس عبادت و ریاضت اور مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول تھے۔ اس وقت اپنے چھوٹے بھائی کی یاد اور محبت میں شیخ سعد اللہ امیٹھوی کی حالت ناگفتہ بہ تھے۔ آپ کو ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی کی فکر لگی رہتی اور ان کی خاطر ہمیشہ متفحّص و متردّد رہتے۔ جو مسافر اور درویش آپ سے ملاقات کرنے امیٹھی آتے، آپ ان سے مخدوم خاصۂ خدا کی ہیئت کذائیہ بیان کرتے اور پوچھتے کہ آپ لوگوں نے خاصۂ خدا کو کہیں دیکھا ہے؟

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ شہر جونپور سے ایک شخص آیا اور ایک رات شیخ سعد اللہ کے یہاں قیام کیا۔ شیخ نے اپنے چھوٹے بھائی خاصۂ خدا کے بارے میں اس نووارد سے سوال کیا۔ مسافر نے جواب دیا کہ ہاں! میں نے خاصۂ خدا کو جون پور شہر میں دیکھا ہے۔ وہ تو ریاضت و مجاہدہ کر کے مرتبۂ کمال کو پہنچ چکا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ شیخ سعد اللہ کا چہرہ کلی کی طرح کھل اُٹھا اور اپنے بھائی کی تلاش اور اسے دوبارہ امیٹھی لانے کے لیے اسی وقت گھر سے روانہ ہو گئے، گھر میں کسی کو بتایا بھی نہیں، شاگردوں اور

مریدوں کو بھی اس بات کی اطلاع نہیں دی، نہایت خوش و خرم ہو کر اپنے بھائی کو لانے جون پور روانہ ہو گئے۔ جونپور میں اپنے بھائی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بڑی منت و سماجت اور محنت و مشقت اٹھا کر شیخ سعد اللہ خاصۂ خدا کو امیٹھی لے آئے اور اپنے چھوٹے بھائی کی درویشانہ زندگی دیکھ کر شیخ سعد اللہ بھی اسی راہ کے مسافر بن گئے اور تا حیات رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی لکھتے ہیں:

"حضرت سعد اللہ نے جب یہ دل پسند خبر سنی تو بے حد خوش ہوئے اور فوراً شہر جونپور روانہ ہو گئے۔ گھر میں بیوی، بچوں، نوکروں اور شاگردوں میں سے کسی کو خبر نہیں کی۔ یہاں تک کہ نوشت و خواند کی کتب بھی کھلی پڑی رہیں۔ اس بے قراری کے عالم میں جب وہ جونپور پہنچے اور بھائی کو روحانی فیض سے مالا مال پایا تو وہ بے انتہا مسرور ہوئے۔ انھیں گھر لوٹنے کی تلقین کی مگر وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔ انھیں بڑی مشکل سے گھر کی واپسی پر آمادہ کیا۔ جب وہ ان کے ساتھ گھر لوٹ آئے تو انھوں نے بھی بھائی کی بود و باش دیکھ کر طریق درویش (تصوف کا راستہ) اختیار کر لیا اور فقر و سلوک کی دنیا میں کھو کر رشد و ہدایت کا سلسلہ تاعمر جاری رکھا۔"(۱)

شیخ سعد اللہ امیٹھوی جامع معقول و منقول ہونے کے ساتھ بحر طریقت کے غوّاص اور شناور بھی تھے۔ مگر اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود اپنے چھوٹے بھائی مخدوم خاصۂ خدا سے اخذ و استفادہ کرتے اور روحانیت کے مراحل طے کرتے۔

حضرت ملّا احمد جیون لکھتے ہیں:

"باایں چنیں علم خود ہم قدم در راہِ فقر نہادند و متلقّن از برادرِ خود گشتہ اند۔"(۲)

بی بی مخدومہ جہاں بنت خاصۂ خدا:-

کہتے ہیں کہ: "ابن الفقیہ نصف الفقیہ" یعنی عالم و فقیہ کا بیٹا نصف (آدھا) عالم ہوتا ہے۔ اسی طرح عارف و کامل بزرگ کی آل و اولاد بھی بہت ساری عارفانہ خصوصیات کی حامل ہوا

(۱) مشائخ امیٹھی، ص:۲۱، مطبوعہ اندور۔
(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی قلمی نسخہ، ص:۳۰۔

کرتی ہے۔ مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا کی ولایت و کرامت اور عارفانہ احوال گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں۔ بی بی مخدومہ جہاں آپ کی بڑی صاحب زادی تھیں اور والد ماجد کی طرح ہی زندہ ولی اور بے شمار فضائل و خصوصیات کی مالک تھیں۔ بی بی مخدومہ جہاں کی عارفانہ اور عبادت و ریاضت سے مملو زاہدانہ زندگی کے واقعات و احوال پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے وقت کی ''رابعہ بصری'' تھیں۔ اسی طرح آپ کی چھوٹی بہن بی بی خدیجہ مدن بھی صاحبِ عرفان خاتون تھیں۔

حضرت ملّا احمد جیون کے الفاظ ہیں:

''باوجود آں کہ عمر شریف نہ سال داشتند اما غایت عرفان و نہایت کشف می داشتند۔''(۱)

بی بی مخدومہ جہاں کی پیدائش صبح صادق کے وقت ہوئی۔ آپ کی تاریخ پیدائش کا علم نہ ہو سکا۔ مخدوم خاصۂ خدا آپ کی پیدائش کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ شاداں و فرحاں اپنی خواب گاہ سے اٹھے اور نومولود بچی کے دونوں کان میں اذان و اقامت کہی اور اپنی والدہ ماجدہ کے نام پر اس نومولود بچی کا نام ''مخدومہ'' رکھا۔

والد مکرم مخدوم خاصۂ خدا کی صحبتِ بافیض نے بی بی مخدومہ جہاں کو بافیض اور عارف و کامل خاتون بنا دیا۔ ملّا احمد جیون نے اپنی کتاب ''مناقب اولیا'' میں بی بی مخدومہ کا تذکرہ اور ان کے کشف و کرامات کا حال بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مناقب اولیا سے ماخوذ رسالہ ''تذکرہ بزرگانِ امیٹھی فارسی'' راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس کی روشنی میں چند واقعات ہدیۂ قارئین ہیں۔

ملّا احمد جیون لکھتے ہیں:

''حق تعالیٰ آں عارفہ ولیہ وقت را از صحبتِ پدر بزرگوارِ خود چناں گردانید کہ اسمش (مخدومہ) با مسمّٰی تطبیق یافت و کراماتِ حضرت بی بی مخدومہ جہاں در عالم از انتہا در گذشت و بدرجۂ تواتر رفتہ کہ از حیز تقریر و زیب تحریر بیرون ست۔''(۲)

ترجمہ: اللہ تبارک و تعالیٰ نے وقت کی اس ولیہ اور عارفہ خاتون کو والد ماجد (خاصۂ خدا) کی صحبت کے فیض سے اسمِ بامسمّٰی بنا دیا تھا (یعنی جیسا ان کا نام تھا، ویسا ان کا کام بھی تھا) بی بی مخدومہ

(۱) تذکرہ بزرگان امیٹھی، ص: ۷۔
(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۷۔

کے کشف و کرامات بہت مشہور اور حد تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں اور احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔

اس عبارت سے بی بی مخدومہ جہاں بنت خاصۂ خدا کی عظمت و رفعت کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ آپ چڑیوں اور بے زبان مخلوق کی زبانوں کو سمجھتی تھیں اور ان کے دکھ درد کا مداوا فرماتی تھیں۔

آپ کے گھر میں چڑیوں کے گھونسلے بنے ہوئے تھے، آپ بارہا اپنی خادمہ سے کہتیں کہ دیکھو فلاں چڑیا فریاد کر رہی ہے۔ فلاں چڑیا نے فلاں چڑیا کے گھونسلے پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ جاؤ اور غاصب چڑیا کو باہر نکال کر حق دار چڑیا کو اس کا گھونسلہ واپس دلاؤ۔

ایک مرتبہ باورچن آپ کے سامنے کھانا تیار کر رہی تھی۔ آپ وہاں تشریف لے گئیں اور کہنے لگیں کہ دیکھو! دیگ کہہ رہی ہے کہ مجھ میں نمک کم ہے۔ دوسری دیگ کا کہنا ہے کہ اس میں نمک زیادہ یا ضرورت کے مطابق ہے۔ (۱)

عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ کے علاوہ بی بی مخدومہ بڑی صابرہ و شاکرہ خاتون تھیں۔ صبر و شکر اور توکل و قناعت کے جلوؤں سے آپ کی پوری زندگی روشن اور آباد ہے۔

مفلسی و تنگ دستی اور فقر و فاقہ کے حوصلہ شکن حالات بارہا پیش آئے، مگر صبر و قناعت کا یہ پہاڑ (بی بی مخدومہ) اپنی جگہ اٹل رہا اور حاجت شدیدہ کے باوجود نہ خود کسی کے سامنے ہاتھ پھیلایا اور نہ اپنے شوہرِ نام دار حضرت شیخ نظام الدین بندگی میاں کو کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنے دیا۔

عورتیں جو فطرتاً ناشکری ہوتی ہیں اور فقر و فاقہ کی نوبت آنے پر اپنے شوہر اور سسرال والوں کو کوسنے لگتی ہیں اور زبان لعن و طعن دراز کرنے میں نہیں ہچکچاتیں، وہ بی بی مخدومہ جہاں کا یہ واقعہ غور سے سنیں اور نصیحت حاصل کریں۔ تذکرہ مشائخِ امیٹھی کے مصنف لکھتے ہیں:

حضرت بی بی صابرہ و شاکرہ خاتون تھیں۔ ان میں فقر و توکل کی صفات کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ وہ حاجت روائی کے لیے خدا کے سوا کسی اور کے آستانے کی شرمندۂ احسان ہونا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ فقر و فاقہ کا ایسا دور آیا کہ بندگی میاں کے قدم ڈگمگا گئے اور انھیں حاجت روائی کے لیے حاکمِ وقت سے مدد مانگنے کا خیال آیا۔ جیسا کہ حاکموں کی کفالت کا شاہی دستور ہے۔ بہر

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۸۔

حال جب حضرت بی بی کو اس حقیقت کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے والد حضرت مخدوم خاصۂ خدا کو بلوایا۔ حضرت بندگی میاں کے سامنے ان کی شکایت کی کہ دیکھیے! بادشاہِ وقت کو ہمارا محتاج ہونا چاہیے یا ہم ان کے محتاج بنیں گے؟ آپ انھیں سمجھائیے کہ یہ بادشاہ کے آستانے کی طلب ترک کریں اور خدا کے محتاج بنیں۔ یہ سنتے ہی حضرت بندگی میاں خوش ہوئے اور پھر کسی حاکمِ وقت سے عرضِ حاجت نہیں کی۔ (۱)

چرند و پرند کی زبان سمجھنے کے ساتھ خود بی بی مخدومہ کی زبان میں بلا کی تاثیر تھی۔ مستقبل کے حالات و واقعات سے متعلق جو کہہ دیتیں، بعد میں بعینہٖ وہی حالات رونما ہو جاتے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود

حضرت ملّا احمد جیون نے اس سلسلے میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ایک روز کا واقعہ ہے کہ حضرت بندگی میاں کی خدمت میں ایک بانجھ عورت اولاد کے لیے دعا کی غرض سے آئی۔ آپ کے سامنے کچھ کیریاں رکھی تھیں ان میں سے سات کیریاں اس عورت کو عنایت کیں۔ حضرت بی بی وہیں بیٹھی تھیں، انھوں نے کہا: ”اس عورت کے یہاں سات اولاد نہیں ہیں۔“ حضرت بندگی میاں نے ان میں سے دو کیریاں اٹھالیں۔ حق تعالیٰ نے اس عورت کو ان کیریوں کی برکت سے سات بچوں کی ماں تو بنایا مگر ان میں سے دو بچوں کا حمل ساقط ہو گیا اور وہ صرف پانچ بچوں کی ماں بنی رہی۔ (۲)

بی بی مخدومہ جہاں ایک ولی کامل (مخدوم خاصۂ خدا) کی باکمال بیٹی تھیں اور دوسری طرف ایک عارفِ وقت شیخ بندگی میاں (شیخ نظام الدین) کی پاک طینت بیوی تھیں۔ عرفان و روحانیت کے اس باہمی اتصال نے بی بی مخدومہ کو ولایت و معرفت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا تھا۔ بی بی مخدومہ جہاں بہت سارے روحانی امور میں اپنے شوہر سے دو قدم آگے تھیں۔ خود شیخ بندگی میاں کو بھی اس بات کا اعتراف تھا۔

---

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص:۴۶، مطبوعہ اندور۔

(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۸۔

پروفیسر مشیر احمد صدیقی لکھتے ہیں:

حضرت بی بی کے اوصافِ حمیدہ اور زہد و اتّقا کے بلند درجات ہیں۔ انھوں نے علم و عرفان کے اعلیٰ مقامات طے کیے اور وہ بہت سے معاملات میں حضرت بندگی میاں سے آگے تھیں جس کی بہت سی مثالیں یہاں بیان کی جاتی ہیں۔ جہاں تک ذکرِ الٰہی کی کثرت اور مقاماتِ جلیلہ کی بات ہے دونوں ہی اپنے اپنے اعتبار سے بلند تھے۔ کہیں حضرت بی بی کا روحانی عمل بے مثال تھا تو کہیں حضرت بندگی میاں کا۔

ایک دن حضرت بندگی میاں اور ان کے سالے حضرت شیخ عبدالرزاق کے درمیان حبسِ دم کا عمل جاری تھا حضرت بی بی وہاں موجود تھیں، انھوں نے کہا: "اس طرح میری جانب دیکھو" اور خود حبسِ دم میں مصروف ہوگئیں۔ اور بولیں: "یہ عمل میں نے حضرت قبلہ والد صاحب (حضرت شیخ مخدوم خاصۂ خدا) سے سیکھا ہے۔ جب والد صاحب حبسِ دم کرتے تھے تو ان کے منہ سے چمبیلی کے پھول جھڑتے تھے۔ الغرض حضرت بی بی نے کئی مرتبہ یہ کرکے دکھایا۔ اس عمل کے دوران دیکھا گیا کہ جب وہ لا الٰہ کہتیں تو غائب ہو جاتیں اور جوں ہی الا اللہ کا کلمہ زبان پر آتا تو وہ اپنی جگہ موجود نظر آتیں۔ اس کشفِ خاص کو حضرت بندگی میاں اور حضرت شیخ جیو (حضرت شیخ عبدالرزاق) نے آپ ہی سے سیکھا تھا۔

غرض! سبحان اللہ حضرت بی بی کے اوصافِ حمیدہ، مقامات و مناقب، کشف و کرامات ایسے ہیں جن کی برتری کا خود حضرت بندگی میاں نے اعتراف کیا ہے۔ بلکہ اس حقیقت سے بھی انھیں انکار نہیں کہ وہ بہت سے روحانی معاملات میں حضرت بی بی کے تابع رہے ہیں اور انھیں مرشد کا درجہ بھی عطا کیا ہے۔ (۱)

حضرت ملّا احمد جیون ارقام فرماتے ہیں:

"اوصافِ حمیدہ و مقالات پسندیدہ حضرت بی بی (مخدومہ بنت خاصۂ خدا) قدس سرہ و کرامات بسیار و مناقب بے شمار ایساں چناں برتر رفتہ کہ حضرت بندگی (شیخ نظام الدین بندگی میاں)

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص:۲۹، مطبوعہ اندور۔

خود در جمیع امور تابع حضرت بی بی شدند و بسیار می فرمودند که امروز مرشد ما حضرت بی بی اند۔"[1]

یعنی حضرت بی مخدومہ کے پسندیدہ اوصاف و کمالات، کرامات اور مناقب و محاسن بے شمار ہیں اور اس درجے کو پہنچے ہوئے ہیں کہ خود حضرت بندگی میاں بہت سارے روحانی امور و معاملات میں بی بی مخدومہ کے تابع و مقلد ہیں۔

حضرت شیخ نظام الدین بندگی میاں (جو بی بی مخدومہ کے شوہر اور اپنے وقت کے ولیِ کامل تھے) بارہا فرمایا کرتے کہ اب ہمارے پیر و مرشد بی بی مخدومہ ہیں۔

شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی:-

شیخ نظام الدین بندگی میاں قدس سرہ کا شمار قصبہ امیٹھی کے مقتدر اولیاء اللہ اور عظیم المرتبت علما میں ہوتا ہے۔ علم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالا مال اس بزرگ نے امیٹھی کو اطراف ہند میں مشہور کیا اور اپنے علم و روحانیت سے خلق کثیر کو فائدہ پہنچایا۔ آپ ملّا احمد جیون کے مورثِ اعلیٰ مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا کے داماد تھے اور اپنے وقت کی رابعہ بصری بی بی مخدومہ جہاں بنت خاصۂ خدا آپ کی پاک باز اور نیک طینت شریکِ حیات تھیں۔ بعض اہلِ علم کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی امیٹھی (بزرگی) کی وجہ سے ہی اس قصبہ کو امیٹھی کہا جاتا ہے۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی لکھتے ہیں:

شہر لکھنؤ سے جانب مشرق چند میل (تقریباً ۲۸ رکلومیٹر) کے فاصلے پر ایک مشہور قصبہ امیٹھی ہے، جہاں ایک بزرگ آسودۂ خواب ہیں، جن کا نام حضرت بندگی میاں (شیخ نظام الدین علیہ الرحمۃ) ہے۔ انھیں کی امیٹھی کی وجہ سے اس قصبہ کو امیٹھی کہا جاتا ہے، ایک زمانے میں وہاں سے عبقری علما نے جنم لیا ہے۔[2]

مولوی عبد الحی رائے بریلوی کے مطابق " امیٹھی ایک مشہور علمی قصبہ ہے جو لکھنؤ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور شیخ نظام الدین (بندگی میاں) سے منسوب ہے۔

(۱) تذکرہ بزرگان امیٹھی، فارسی نسخہ۔ ص:۱۱۔
(۲) مولانا حشمت علی لکھنوی: ایک تحقیقی مطالعہ، ص:۹۲، دہلی۔

عبارت یہ ہے:

أمیتهی بلدة معروفة علیٰ ثمانیة أمیال من لکنؤ ینسب إلیها الشیخ نظام الدین رحمه الله تعالیٰ.(۱)

محسن عتیق خان (ریسرچ اسکالر جامعہ ملّیہ، دہلی) کہتے ہیں کہ "شیخ نظام الدین کی بزرگی اس قدر مشہور تھی کہ امیٹھی کو بندگی میاں کی امیٹھی کے نام سے جانا جاتا تھا۔"(۲)

عہدِ اکبری کے نامور اور قابل ذکر علما و مشائخ میں شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی کا نام بھی آتا ہے۔ اکبری دور میں آپ کے علم و فضل اور ولایت و کرامت کا بڑا چرچا تھا۔

مولوی ذکاء اللہ دہلوی اپنی تصنیف "تاریخ ہندوستان" میں بندگی میاں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"شیخ نظام (نظام الدین بندگی میاں) امیٹھی ایک قصبہ توابع لکھنؤ سے ہے، وہ سلوک و جذب دونوں رکھتے تھے۔ ابتدائے حال میں عام مکتسبہ کے طلبہ میں داخل تھے، مگر اپنی فطرت عالی کے سبب سے فنادگی کی طرف رجوع تھے۔ ہمیشہ آنکھ ورق پر بستہ اور دل حق کے ساتھ پیوستہ رکھتے تھے۔ تھوڑے دنوں میں پیر سے رخصت ہوئے اور تکمیل پا کر قصبہ امیٹھی میں قناعت کر کے گوشہ نشیں ہوئے اور کبھی اس قصبہ سے سوائے چند خداداد دوستوں سے ملاقات کرنے کے، اس سے باہر نہ جاتے تھے۔ وہ نماز جمعہ سے پیشتر نماز ظہر کی جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے اور اپنی کسر نفسی کے سبب سے شاذ و نادر مرید کسی کو کرتے تھے۔ وہ ملاقات میں ہر شخص سے مناسب حال اس کے، زبان سے کلمہ نکالتے تھے۔ پھر سوائے قرآن و حدیث اور مشائخ کبار کے سخنوں کے اور بات نہ کرتے۔ وہ ہر شخص کو خواہ امیر ہو یا فقیر کچھ نقد یا نمک دیتے تھے۔ وہ نمک کو کہا کرتے تھے کہ ۲۷ رمرضوں کی دوا ہے۔ جس کسی کو وہ دشنام (لعن طعن) دیتے تو پھر تحسین کے قابل وہ کام کرتا، جس پر لعنت بھیجتے تھے، وہ کار رحمت کرتا۔ ۹۷۹ء میں دار فنا سے رحلت کی۔"(۳)

(۱) الھند فی العھد الإسلامی، ص: ۱۰۳، مطبوعہ رائے بریلی۔

(۲) ماہ نامہ معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۲۰۱۴ء، ص: ۲۱۵۔

(۳) تاریخ ہندوستان، ج: ۵، ص: ۹۶۷، مطبوعہ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج۔

ایک ضروری وضاحت:-

شیخ نظام الدین بندگی میاں جب ملّا احمد جیون کے آبا و اجداد میں سے نہیں ہیں تو پھر ملّا جیون کے آباواجداد کے ضمن میں ان کا تذکرہ بظاہر بے ربط گفتگو معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ شیخ بندگی میاں نظام الدین ملّا جیون کے خاندان سے نہیں ہیں، لیکن اس خاندان کے مورث اعلیٰ مخدوم خاصۂ خدا کے داماد ہونے اور امیٹھی کے جلیل القدر عالم وفاضل اور شیخ کامل ہونے کی وجہ سے راقم الحروف نے ان کا تذکرہ "ملّا احمد جیون کے آباواجداد" کے ضمن میں کر دیا ہے۔

ملّا احمد جیون کا خاندان صحابیِ رسول عبداللہ مکی رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کہ شیخ نظام الدین بندگی میاں، قدوۃ الواصلین حضرت شیخ سری سقطی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں۔ شاید خاندانی بزرگ نہ ہونے کی وجہ سے ہی ملّا احمد جیون نے بندگی میاں کا تذکرہ "مناقب اولیا" میں نہیں لکھا ہے۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

"الشيخ العالم الفقيه الزاهد نظام الدين بن محمد يٰسين بن فخر الدين بن أبو الفضل بن تاج الدين العثماني الأميتهوي، أحد كبار المشائخ الجشتية، كان من نسل الشيخ سري القسطي، ولد سنة تسع مائة بأميتهي بلدة مشهورة من بلاد أودھ." (۱)

اس عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(۱)- آپ کا اصل نام نظام الدین ہے، اگرچہ "بندگی میاں" سے مشہور ہیں۔

(۲)- والد کا نام محمد یٰسین اور دادا کا نام فخر الدین ہے۔

(۳)- آپ شیخ سری سقطی عثمانی رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں۔

(۴)- اودھ کے مشہور خطہ امیٹھی میں ۹۰۰ھ میں شیخ نظام الدین بندگی میاں کی ولادت ہوئی۔

(۵)- شیخ نظام الدین محض صوفی وزاہد ہی نہیں، بلکہ بہت بڑے عالم وفقیہ بھی تھے۔

(۶)- کبار مشائخ چشت میں ایک بزرگ شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی بھی ہیں۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۳۷، معارفِ عثمانیہ، حیدر آباد، دکن۔

سبحان اللہ! شیخ نظام الدین امیٹھوی سلسلۂ چشتیہ کے نہ صرف یہ کہ بزرگ ہیں بلکہ خاص اور بڑے بزرگ ہیں، اسی لیے تو مصنّف نزہۃ الخواطر نے شیخ نظام الدین امیٹھوی کا تذکرہ "أحد کبار مشائخ الجشتیة" کے الفاظ سے کیا ہے۔

بہر کیف! شیخ نظام الدین امیٹھوی فکر وشعور کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی تعلیم وتعلم اور درس و مطالعہ میں لگ گئے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے شیرازِ ہند جون پور کا سفر کیا اور شیخ معروف بن عبد الواسع جون پوری کی بارگاہ میں پہنچے اور مروجہ علوم سے فیضیاب ہوئے۔ یہاں ایک مدت تک قیام کرنے کے بعد مانک پور تشریف لے گئے اور احسان وطریقت کی تعلیم شیخ نور بن حامد حسینی مانک پوری سے حاصل کی۔ بعد ازاں اپنے وطن مالوف امیٹھی لوٹ گئے اور مخدوم خاصۂ خدا کی بیٹی بی بی مخدومہ جہاں سے نکاح کیا۔ بی بی مخدومہ بنت خاصۂ خدا اپنے وقت کی عارفہ صالحہ اور ولیہ تھیں۔ ان کے مبارک بطن سے شیخ نظام الدین بندگی میاں کو ۶/ اولادیں ہوئیں۔ (۱) عبد الجلیل (۲) عبد الوہاب (۳) محمد (۴) احمد (۵) عبد الواسع (۶) عبد الحلیم۔

ان میں سے عبد الواسع، عبد الوہاب اور عبد الجلیل آپ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے۔ اپنی عمر کے آخری مرحلے میں شیخ عبد الرزاق بن خاصۂ خدا (ملّا جیون کے پر دادا) کی دختر نیک اختر سے نکاح کیا اور ایک لڑکا بھی پیدا ہوا، جس کا نام جعفر تھا۔ (۱)

علومِ ظاہری و باطنی کے زیور سے آراستہ ہونے کے بعد عبادت و ریاضت، وعظ و ارشاد، درس و تدریس اور تصوف وطریقت میں مکمل طور سے منہمک ہو گئے اور زندگی بھر یہ سلسلہ قائم رہا۔

آپ کی زاہدانہ زندگی اور صوفیانہ مزاج کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے:

"وكان من العلماء الربانيين انتفع به خلق كثير ولم يزل مشتغلا بالتدريس والتلقين مع حسن القصد والإخلاص والابتهال إلىٰ الله تعالىٰ سبحانه وشدة الخوف منه ودوام المراقبة له، ما رآه أحد إلا في بيته أو في مسجده .... وكان لا يفشي أسرار المعرفة لأحد وكان مداره في السلوك علىٰ إحياء

(۱) نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۳۷، ۳۳۸، حیدر آباد، دکن۔

العلوم والعوارف والرسالة المكيه وآداب المريدين وأمثالها من الكتب."[1]

ترجمہ:- شیخ نظام الدین بندگی امیٹھوی علمائے ربانیین میں سے تھے، جن سے ہزاروں خلقت نے فائدہ اٹھایا۔ خلوصِ دل اور اخلاصِ نیت کے ساتھ ہمیشہ درس وتدریس اور وعظ وتلقین میں مصروف رہتے۔ خوفِ الٰہی اور مراقبۂ خداوندی میں اکثر مستغرق رہتے۔ لوگ آپ کو مسجد میں دیکھتے یا گھر میں۔ طریقت ومعرفت کے رموز واسرار کسی پر ظاہر نہ کرتے۔ سلوک وتصوف کی کتابوں میں احیاء العلوم (امام غزالی) عوارف (شہاب الدین سہروردی) رسالہ مکیہ (ابوطالب مکی) اور آداب المریدین پر آپ کا مدار واعتبار تھا۔

شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی کو اجازت وخلافت شیخ مبارک بودلے سے حاصل تھی۔ آپ شیخ مبارک کے قابل فخر خلفا میں سے ہیں۔ شیخ مبارک بودلے یہ سید عبد الرزاق نور العین (بھانجہ حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی رضی اللہ عنہ) کے پر پوتے ہیں۔ شیخ مبارک بودلے بن جلال اول بن حاجی قتال بن سید احمد (بندگی میاں) بن سید عبد الرزاق نور العین۔[2]

محسن عتیق خان لکھتے ہیں:

"شیخ نظام الدین امیٹھوی بندگی میاں کی بزرگی اس قدر مشہور تھی کہ امیٹھی کو بندگی میاں کی امیٹھی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اب بھی اتنی عقیدت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے کہ علاقے سے بے دخل امیٹھیہ راج پوت جب بھی یہاں آتے ہیں تو حضرت کی قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں شہنشاہ اکبر جب بنگال فتح کر کے واپس ہو رہا تھا تو ان کی زیارت کو آیا اور مزار کے رکھ رکھاؤ کے لیے کچھ معافی زمین بھی دی تھی جو برطانوی دور میں بھی برقرار رہی۔"[3]

۲۸/ ذی قعدہ ۹۷۹ء کو آپ کا وصال ہوا اور امیٹھی ہی میں مدفون ہوئے۔ تردی بیگ خان نے آپ کی قبر پر ایک عالی شان عمارت بنوائی اور آپ کے (بندگی میاں کے) عزیز دوست جنید

(۱) نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۳۸، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد۔
(۲) ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ، مارچ ۲۰۱۴ء ص:۲۰۵۔
(۳) ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ، مارچ ۲۰۱۴ء، ص:۲۱۶۔

سندیلوی نے "فلک گفتا کہ او بادوست پیوست" سے آپ کی تاریخ وفات نکالی۔[1]

کتاب زندگی کے چند زرّیں اوراق:-

ملّا عبد القادر بدایونی (جو ایک عرصہ تک اکبری دربار سے وابستہ رہے) نے شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی کے حالاتِ زندگی قدرے تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ مورخ بدایونی شیخ بندگی میاں کے ہمعصر ہونے کے ساتھ ان کی علمی و روحانی محفل کے حاضر باش اور خوشہ چیں بھی تھے۔ شیخ بندگی میاں کے متعلق مورخ بدایونی کے تاثرات و آرا بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ملّا عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ سے شیخ بندگی میاں کے حالات بعینہٖ نقل کیے جاتے ہیں۔

امیٹھی لکھنؤ کا ایک قصبہ ہے۔ شیخ نظام الدین اس قصبہ کے رہنے والے اور شیخ معروف چشتی کے شاگرد اور مرید ہیں۔ ان کا سلسلہ شیخ نور قطب عالم سے ملتا ہے۔ پہلے اکتسابی علوم کے طالب علم رہے، لیکن ان کی فطرت پرواز تھی، اس لیے علوم ظاہری سے فیوض باطنی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہمیشہ آنکھیں بند کیے اللہ سے لَو لگائے رہتے تھے۔ ذکر اور باطنی توجہ سے کبھی غافل نہ رہے۔

یک چشم زدن غافل ازان ماہ نباشم
ترسم کہ نگاہی کند آگاہ نباشم

(میں پلک جھپکنے کے وقت تک بھی اس معشوق سے غافل نہیں رہنا چاہتا، کیوں کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ پر نظر کرے اور میں آگاہ نہ رہوں۔)

تھوڑی ہی مدت میں اپنے پیر سے ارشاد و تکمیل کی اجازت لے کر قصبہ امیٹھی میں آ کر رہ گئے۔ یہاں وہ بڑے توکل و قناعت سے گزارا کرتے تھے۔ خاص و عام سے دور ہی رہتے تھے، جامع مسجد کے سوائے کہیں اور نہیں جاتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی خیر آباد شیخ سعد کے مزار کی زیارت اور شیخ صوفی کے خلیفہ اللہ دیہ سے ملنے چلے جاتے یا گوپامئو میں اپنے خاص مرید قاضی مبارک گوپاموی سے ملنے چلے جاتے۔ قاضی صاحب بھی بڑے متقی، صاحب کمال اور دولت مند آدمی

(۱) نزہۃ الخواطر، ج:۴، ص:۳۳۸، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد۔

تھے۔ قاضی مبارک جب طالب علم تھے تو انھوں نے شیخ کو اپنے والد کی خانقاہ میں دیکھا تھا اور ان میں بڑے اثر و جذب کو محسوس کیا تھا۔ شیخ عبد الغنی سے ملنے کے لیے وہ فتح پور بھی گئے تھے۔ شیخ عبد الغنی بھی بڑے صاحبِ مرتبہ بزرگ تھے۔ جس وقت بھی شیخ نظام الدین شیخ اللہ دیہ کی خانقاہ میں جاتے تو ان کی خدمت میں ایک روپیہ یا ایک تنکہ یا کوئی اور چیز بطور ہدیہ ضرور پیش کرتے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے شیخ اللہ دیہ کے لڑکے شیخ ابوالفتح کے ہاتھ میں جو اپنے والد کے سجادہ نشین ہیں، ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' دیکھی، شیخ سے یہ کتاب چھین کر رکھ لی اور انھیں کوئی دوسری کتاب دے کر کہا: ''اس کا مطالعہ کیا کرو۔''

عبادات و معاملات میں وہ ہمیشہ ''احیاء العلوم'' ''عوارف'' ''رسالہ مکیہ'' ''آداب المریدین'' اور ان جیسی دوسری کتابوں سے ہی رجوع کیا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز باجماعت پڑھ لیتے تھے، اس کے بعد جمعہ کی جماعت کرتے تھے۔ ان کے جمعہ کے خطبے میں بادشاہ کا ذکر قطعاً نہیں آتا تھا۔

میں نے ایک بار دیکھا کہ انھوں نے جمعہ کی نماز جوتے پہنے ہوئے ادا کی اور فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی جوتے پہن کر نماز ادا کی تھی۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے ان سے کافیہ کی کتاب تبرکاً پڑھنی چاہی لیکن شیخ نے اغماض برتا، جب اس نے بڑی عاجزی اور اصرار کیا تو جواب دیا: ''کوئی دینی کتاب پڑھو'' اس نے کہا: یہ بھی تو دینی کتاب ہے اور علم دین کا اس پر انحصار ہے۔''

یہ سن کر شیخ کو جذبہ آگیا اور فرمایا: علم دین کا اس کتاب پر کس طرح انحصار ہو سکتا ہے کہ جس میں پہلی بحث ہی یہ ہے کہ اس کے مصنف نے کسر نفسی کے طور پر خدائے عزوجل کی حمد ہی درج نہیں کی۔

شیخ بہت کم مرید کرتے تھے۔ کوئی شغل نہیں بتاتے تھے۔ تلقین بھی بہت کم کرتے تھے۔ ان کے معزز مریدوں میں سب سے بڑے شیخ حاتم گوپامئوی تھے۔ یہ بھی قاضی مبارک کی خانقاہ میں طالب علم تھے۔ انھیں اسی خانقاہ سے شیخ نے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

شیخ حاتم کو کبھی کبھی درس دیا کرتے تھے، کبھی کوئی کتاب عطا کر دیتے اور دوسرے مشاغل کی تلقین بھی کرتے، اس طرح انھوں نے حاتم کو بالکل اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ انھیں دستار، جوتے اور کپڑے

بھی عطا کرتے رہتے تھے۔ قاضی مبارک اور دوسرے طالب علموں نے جب یہ عنایات دیکھیں تو وہ شیخ حاتم سے جلنے لگے، شیخ نے ان کی دلی کیفیت بھانپ لی اور فرمایا: "میں کیا کروں اللہ کی یہی مرضی ہے کہ اسے پھٹے کپڑوں، پرانے جوتوں اور مفلسی کے باوجود اللہ کی نعمت خاص عطا ہو۔" چنانچہ انھوں نے شیخ حاتم کے لیے اپنے پورے اثر و جذب سے کام لیا کہ تھوڑی ہی مدت میں وہ درجۂ کمال تک پہنچ گیا۔ شیخ حقائق و معارف کی گفتگو صرف شیخ حاتم سے کیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد شیخ حاتم کی حالت میں تنزل ہونے لگا اور اس سے بعض لغزشیں سرزد ہو گئیں۔ بعد میں پھر اس نے اپنی حالت سنبھال لی اور شیخ کے پاس وہی مرتبہ حاصل کر لیا۔ جب وہ حضرت کی خلافت اور وراثت کا پوری طرح اہل بن گیا تو خدا نے اسے دنیا سے اٹھالیا۔ شیخ نے اس کو یاد کر کے بارہا فرمایا کہ:

"خدا کا ایک بندہ تھا کہ میں جب بھی اس سے خدا کی باتیں کہتا تھا وہ سمجھ جاتا تھا، وہ بھی اٹھ گیا، اب میں کس سے یہ بات کروں۔"

جس زمانہ میں میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس وقت شیخ اپنے سالے عبدالرزاق کو جو بعد میں ان کے خسر بھی ہو گئے تھے گفتگو میں مخاطب کرتے تھے۔ کبھی کبھی اپنے بیٹے شیخ محمد کو بھی واسطہ بنا کر خطاب کیا کرتے تھے۔ شیخ محمد اب ان کے سجادہ نشین اور قائم مقام ہیں۔

محمد حسین خان مرحوم کو جس کے حالات میں نے تاریخ میں بیان کیے ہیں، انھیں حضرت سے بڑی عقیدت تھی۔ حسین خان اور میرے اچھے روابط تھے جس وقت اسے لکھنؤ جاگیر میں ملا تھا تو میں اس سے ملا تھا اور ۹۷۶ھ/۱۵۶۸ء میں سید اصغر بدایونی اور قاضی مبارک گوپا مئوی کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ میں نے یہ خاص بات دیکھی کہ پہلی ہی ملاقات میں شیخ ہر شخص سے ایسی بات کرتے تھے جو اس کے حالات سے عین مطابقت رکھتی تھی۔ ان کی زبان پر ہمیشہ الحمد للہ، سبحان اللہ، لا الٰہ الا اللہ، بسم اللہ، لا حول و لا قوۃ الا باللہ، قرآن کی کوئی آیت یا کوئی حدیث یا کسی بزرگ کا قول ہی رہتا ہے۔ سید اصغر سے مصافحہ کیا تو درود پڑھا، قاضی احمد سے ملے تو سبحان اللہ کہا، میری باری آئی تو بسم اللہ پڑھی، اسی طرح ہر ایک کے مطابق کوئی نہ کوئی کلمہ ارشاد فرمایا۔ اسی اثنا میں کہ ابھی وہ گفتگو نہ کر پائے تھے کہ ایک غریب طالب علم نہایت برے حال میں آکر ملا۔ اس سے مل کر شیخ نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا۔ پھر شیخ

عبدالرزاق کو مخاطب کرکے "کل شئی ھالك الا وجھه" کی تفسیر بیان کرنے لگے۔ وہ ہاں ہاں کرتے رہتے تھے۔ کبھی بطور تلمیح کسی چیز کی طرف اشارہ کردیتے تھے کسی اور کو خوف اور رعب کے مارے بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ میں بھی مبہوت بنا سن رہا تھا اور اپنی نگاہوں کا خیال کر کے ڈر رہا تھا کہ ایسا نہ ہو میرے پوشیدہ حالات حضرت پر منکشف ہوگئے ہوں اور وہ انھیں ظاہر فرما دیں۔ اسی ڈر سے میں مجلس سے نکل بھاگنے کی فکر میں تھا کہ وہ طالب علم بول اٹھا: اس آیت میں وجھه کی ضمیر کسی اور چیز کے لیے آئی ہو، جیسا کہ بعض اہل معرفت نے بیان کیا ہے۔ اس کی بات سن کر حضرت جلال میں آگئے۔ ان کا چہرہ تمتمانے لگا اور فرمایا: میں نے اس شیطان سے ملتے ہی تعوّذ پڑھا تھا۔ چنانچہ دیکھ لو اس کی شیطانیت ظاہر ہوگئی۔ چوں کہ وہ جان چکے تھے کہ اس کے اعتراض کے پیچھے کون سی بات چھپی ہوئی ہے۔ اسی لیے بارہا لاحول و لا قوۃ الا باللہ پڑھا۔

شیخ پر اس وقت بڑا اجلال طاری تھا۔ آخر آپ نے حکم دیا کہ اسے مجلس سے اٹھا دو۔ اسے اپنے پاس بلا کر ملامت کا اظہار کیا۔ حاضرین کو یہ واقعہ دیکھ کر بڑی عبرت ہوئی۔ اس رات ان کی خانقاہ میں میں نے بڑی مشکلوں سے کاٹی اور بھاگ جانے کے لیے بے چینی سے صبح کا انتظار کرنے لگا۔ خدا خدا کر کے رات کٹ گئی۔ ابھی اتنا اندھیرا تھا کہ بغیر چراغ کے ایک دوسرے کے چہرے کو پہچاننا مشکل تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ ابھی رات باقی ہے حضرت نے صبح کی نماز پڑھائی۔ جب سورج نکلا، حضرت حجرے سے باہر تشریف لائے اور مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوکر ہم تین مہمانوں کے لیے شیخ محمد کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ میرے اضطراب کا یہ حال تھا کہ میں ہر لمحہ شیخ محمد کو واسطہ بنا کر رخصت ہونے کی اجازت حاصل کرنا چاہتا تھا، حضرت شیخ ایک ہاتھ میں قرآن پاک اور دوسرے ہاتھ میں نمک لیے ہوئے کسی بات کے ضمن میں آیت کریمہ: " وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ " کی وضاحت کررہے تھے، میری روانگی کی اجازت کو ٹال گئے۔

حضرت بڑے فیاض تھے۔ امیر ہو یا فقیر ہر ایک کو کچھ نہ کچھ نقد یا نمک یا کوئی اور چیز ضرور دیتے تھے۔ مجھے انھوں نے ایک تنکہ عنایت فرمایا تھا۔ اس سفر میں میں نے ان کی ایک کرامت بھی دیکھی۔ جس وقت ہم تینوں آدمی امیٹھی حضرت سے ملنے جارہے تھے تو دیکھا کہ ایک شخص اسی طرح

حاضر ہو کر حضرت کے دروازہ پر آیا اور سوال کرنے لگا۔ بڑی عاجزی اور لجاجت کی لیکن حضرت نے اسے کچھ نہ دیا۔ حاضرین جو ان کی سخاوت اور دریا دلی سے واقف تھے انھیں نہایت تعجب ہوا۔ انھیں متعجّب دیکھ کر حضرت نے اچانک فرمایا: ''اس چور کو دیکھو کہ راہ زنی بھی کرتا ہے اور فقیری بھی۔'' پھر آپ نے اسے مجلس سے نکال دیا۔ لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی اس وقت ہم نے جو غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جو چوری میں پکڑا گیا تھا۔ ایسا ہی ایک واقعہ دوسرے دن بھی پیش آیا جس کا ذکر طویل ہو جائے گا۔

جب میں حضرت سے رخصت ہو کر لکھنؤ میں آکر مقیم ہو گیا تھا، کبھی نمک، کبھی خاص چاول اور کبھی مٹی کا پیالہ وغیرہ میرے لیے بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت کی عادت تھی کہ عموماً مجلسوں میں بیٹھے ہوئے نمک چاٹا کرتے تھے اور یہ حدیث پڑھتے تھے ''الملح دواء سبعین داء إلا السّام'' (نمک بجز موت کے ستر بیماریوں کی دوا ہے۔)

حضرت نے میرے چھوٹے بھائی شیخ محمد مرحوم کو بھی اپنی بیعت سے نوازا تھا، چنانچہ وہ حضرت کی تھوڑی سی توجہ سے بڑا عبادت گزار اور فرشتہ خصلت بن گیا تھا اور اکثر اوقات ''طے کا روزہ'' رکھے رہتا تھا۔ ہمیشہ قرآن پاک کی تلاوت، نوافل اور ذکر و اذکار میں مصروف رہتا تھا۔ اس طرح اس کا ایک لمحہ بھی فضول باتوں میں ضائع نہیں ہوتا تھا اور میری طرح وہ بیکار مشغلوں میں الجھا ہوا نہیں رہا۔

در حق گلاب و گل و حکم ازلی ایں بود
کیں شاہد بازاری و آن پردہ نشین باشد

انھیں دنوں اس قابل رشک حالت میں وہ فوت ہو گیا۔ یقین ہے کہ وہ ایمان کے سایہ تلے جنت میں خوشی سے ہو گا۔

حضرت ممدوح (شیخ بندگی میاں) کی عمر ۸۰/ سال سے زیادہ ہے، ان کے یہاں پیری میں بھی اولاد ہوتی رہی۔ آپ نے ۹۷۹ھ/ ۱۵۷۱ء میں انتقال کیا۔ (۱)

(۱) منتخب التواریخ، ج: ۲، ص: ۳۷۶، تا ۳۸۳، قومی کونسل، دہلی۔

شیخ عبدالرزاق امیٹھوی بن خاصۂ خدا:-

شیخ عبدالرزاق امیٹھوی یہ مخدوم خاصۂ خدا کے صاحب زادے اور حضرت ملّا احمد جیون کے پر دادا ہیں۔ مخدوم خاصۂ خدا کے وصال کے بعد شیخ عبدالرزاق ہی آپ کے علمی و روحانی جانشین اور آپ کے صوفیانہ مشن کے وارث و امین بنے۔ آپ صاحب ولایت و کرامت، جامعِ شریعت اور رازدارِ طریقت تھے۔ عبادت و ریاضت میں یگانہ اور راہِ سلوک میں یگانہ تھے۔ شیخ نظام الدین امیٹھوی (بندگی میاں) آپ کے حقیقی بہنوئی تھے۔ بعد میں شیخ بندگی میاں آپ کے داماد بھی بن گئے تھے۔ مخدوم خاصۂ خدا کے بعد ملّا احمد جیون کے آبا و اجداد میں شیخ عبدالرزاق جیسے باکمال بزرگ اور بے مثال صوفی کوئی نہیں گزرا۔

ملّا احمد جیون لکھتے ہیں:

"قدوۃ علی الاطلاق واصلح واکمل الآفاق حضرت شیخ عبدالرزاق صاحب سجادہ حضرت مخدوم خاصۂ خدا قدس سرہٗ حضرت ایشاں راسخ بر شریعت و واثق در حقیقت و عالم عامل عارف کامل مرشد الزمان وحید الاوان محی السنۃ ناہی البدعۃ تارک الدنیا مائل العقبیٰ بودند۔"(۱)

سچ تو یہ ہے کہ ملّا احمد جیون نے ان تین سطروں میں شیخ عبدالرزاق امیٹھوی کی بلند قامت شخصیت اور ان کی علمی و روحانی جلالت و عبقریت کا "پیکرِ جمیل" تراش کر قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے اور یہ کوئی مبالغہ آمیز تبصرہ نہیں بلکہ صداقت و حقانیت کی عین ترجمانی ہے۔ بلا مبالغہ شیخ عبد الرزاق راسخ فی الشریعت اور واثق فی الحقیقت تھے۔ عالم باعمل اور عارف کامل تھے۔ مرشدِ زمانہ اور علم و معرفت میں یکتائے روزگار تھے۔ تارک الدنیا اور مائل بہ عقبیٰ ہونے کے ساتھ سنتوں کو زندہ کرنے والے اور اپنے قول و عمل کی روشنی سے بدعت کی تاریکیوں کو چھانٹنے والے تھے۔ غرض کہ شیخ عبدالرزاق بے شمار محاسن و کمالات کے حامل تھے۔ اور ان کے فضائل و محاسن کا احاطہ دشوار ہے۔ اسی لیے حضرت ملّا احمد جیون آپ کا ایک مختصر تعارف کرانے کے بعد یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

"شرح اوصاف و مناقب حضرت شیخ عبدالرزاق بہ نطق لسان و زبان قلم نتواں بیان نمود"

---

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۱۲۔

یعنی شیخ عبدالرزاق کے فضائل و کمالات کی شرح و تفصیل سے زبان و قلم عاجز ہیں۔

کتاب مشائخِ امیٹھی میں لکھا ہے کہ:

حضرت مخدوم شیخ عبد الرزاق جیّد عالم، عارفِ کامل، راسخ الشرع، مرشد الزماں، وحید العصر، محی السنۃ، تارک الدنیا اور طالب العقبیٰ تھے۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ کا ذکر ہر خاص و عام کی محفل میں ہوتا تھا۔ آپ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے جن کا قلم بند کرنا محال ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت مخدوم شیخ عبدالرزاق شریعت میں راسخ اور علم عرفان میں کامل تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا پر نزع کا وقت طاری ہوا تو حاضرین نے ایک مجلس میں یہ طے کیا کہ ہم سے ایک عارفِ کامل جدا ہو رہا ہے کیوں نہ حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں کہ اپنے صاحبزادوں میں سے کسی ایک کو اپنا جانشین بنائیں۔ یہ سوچ کر کچھ لوگ حضرت مخدوم خاصۂ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت میاں شیخ محمد کا نام تجویز کیا۔ خاصۂ خدا نے فرمایا کہ شیخ محمد بن خواجگی کی نسبت پوچھتے ہو؟ میں ان کو اپنی خلافت عطا کر چکا ہوں۔ حاضرین نے عرض کیا کہ "نہیں ہمارا مقصد آپ کے صاحب زادے شیخ محمد سے ہے، ان کی نسبت کیا حکم ہے؟" حضرت مخدوم خاصۂ خدا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کیوں کہ وہ ان کے بعض اطوار سے خوش نہ تھے۔ پھر حاضرین نے درخواست کی کہ "میاں شیخ عبد الرزاق کی نسبت آپ کا کیا حکم ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت مخدوم خاصۂ خدا خوش ہو گئے اور حضرت شیخ عبد الرزاق کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ کچھ مرید فوراً دوڑ پڑے اور شیخ عبد الرزاق کو لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ابھی کمسن تھے، سنِ بلوغ کو نہ پہنچے تھے مگر انسانیت سے مالا مال تھے۔ حضرت مخدوم خاصۂ خدا نے انھیں اپنے زانو پر بٹھا لیا اور اپنی دستار ان کے سر پر رکھ دی۔ بعد ازاں اپنا کرتا بھی انھیں پہنا دیا اور تسبیح و مصلیٰ انھیں دے کر فرمایا:

"ابھی تو اس خرقے کو علیٰحدہ رکھ دو جب علومِ ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہو جاؤ تو اس خرقے کو پہن لینا۔ چنانچہ آپ نے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ علومِ ظاہری سے فارغ ہو کر علومِ باطنی اور صوفیانہ افکار و اشغال میں منہمک ہو کر خاندانی روایات کو آگے بڑھاؤں گا۔ ادھر ابھی شیخ عبد الرزاق تحصیلِ علوم ظاہری سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ کے والد (حضرت شیخ مخدوم خاصۂ خدا) کا وصال ہو گیا۔ تنگیِ معاش کا سامنا تھا اور گھریلو حالات خستہ تھے۔ لہٰذا والدہ محترمہ کے حکم کے مطابق آپ اس قطع

آراضی کے بارے میں سوچنے لگے جو شیر شاہ بادشاہ سے بطور انعام حاصل ہوا تھا۔ اچانک اسی رات آپ نے اپنے والد حضرت شیخ مخدوم خاصۂ خدا کو خواب میں یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ اے پسر! اگر تو خدا کو چاہتا ہے تو دنیا کی طلب چھوڑ کر فرمانِ شاہی کو جلا دے۔ صبح جب آنکھ کھلی تو آپ نے اس خواب کو محض وہم تصور کر کے غفلت اختیار کی۔ دوسری رات پھر یہی خواب آیا۔ آپ فوراً نیند سے بیدار ہوئے اور فرمان شاہی کو نذر آتش کر دیا۔ تیسری رات پھر حضرت شیخ مخدوم خاصۂ خدا خواب میں آئے اور علومِ باطنی کی تعلیم فرمائی اور خرقہ پوشی کی تاکید کی۔ آپ نے صبح اٹھ کر حضرت مخدوم خاصۂ خدا کے مریدوں کے حلقے میں اپنے اشغال و اذکار ظاہر فرمائے۔ مریدوں نے آپ کو لبیک کہا۔ جب آپ تمام معارف و مراتب میں اعلیٰ مقام حاصل کر چکے تو حضرت بندگی میاں نے بھی جامۂ خلافت آپ کو عطا کیا۔ (۱)

شیخ عبد الرزّاق امیٹھوی نے سلوک و تصوف کے جملہ اذکار و اشغال والد ماجد خاصۂ خدا سے حاصل کیے اور آپ کے روحانی مشن کو تا زندگی عام و تام کرتے رہے۔ والد ماجد کے علاوہ آپ نے روحانی کمالات اپنے پیر و مرشد بہنوئی اور خسر (سسر) شیخ نظام الدین امیٹھوی بندگی میاں سے بھی حاصل کیے اور انھیں سے خرقۂ درویشی زیب تن کیا۔

ملّا احمد جیون نے اپنے پر دادا یعنی شیخ عبد الرزاق کو ''زین العارفین'' اور ''مرشد الزماں'' کے لقب سے یاد کیا ہے، اور آپ کی خرقہ پوشی کے سلسلے کو بھی بیان کیا ہے۔

جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

''قد لبس الخرقة الشريفة المباركة زين العارفين المسمىٰ بشيخ عبد الرزاق عن الشيخ نظام الدين بن يٰسين عثمانی وهو عن الشيخ المعروف عبد الواسع وهو عن الشيخ الهداد نظام وهو عن الشيخ سيد حامد شه مانك پوری وهو عن الشيخ حسام الدين مانك پوری وهو عن الشيخ نور الحق والدين وهو عن أبيه الشيخ علاء الحق والدين (پنڈوی) وهو عن الشيخ

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۳۰، ۳۱، مطبوعہ اندور۔

عثمان سراج الدین (أخی) اودھی وھو عن الشیخ نظام الدین محمد (نظام الدین اولیاء محبوب الٰھی) وھو عن الشیخ فرید الدین اجودھنی (گنج شکر) وھو عن الشیخ قطب الدین بختیار (کاکی) أوشی وھو عن الشیخ معین الدین (اجمیری) حسن سنجری، ھٰکذا إلیٰ رسول اللہ ﷺ."[1]

اس کے علاوہ دیگر سلاسل سے بھی آپ کو خلافت واجازت اور خرقے حاصل ہیں۔ ملّا احمد جیون نے ہر ایک کا ذکر کیا ہے۔ آپ سلسلۂ قلندریہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ عبد السلام قلندر جونپوری کے بھی خلیفہ تھے۔

گلشنِ قلندریہ میں ہے:

"شیخ عبد السلام قلندر جونپوری کے خلفا میں حضرت شاہ عبد القدوس قلندر، حضرت شاہ عبد القدوس چشتی صابری گنگوہی، شیخ عبد الرزاق بن مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا امیٹھوی......"[2]

تذکرہ بزرگانِ امیٹھی میں ہے:

"نیز شیخ عبد الرزاق قدس سرہٗ، وشیخ عبد السلام (قلندر) جونپوری راکہ عمر در آن حین یک صد ویازدہ سال رسیدہ بود دریافتند، سہ شبانہ روز بصحبتِ آں حضرت (عبد السلام) بودند، حضرت ایشاں نعمتِ کمال ارزانی فرمودند وجامۂ خلافت قلندریہ نیز عطا فرمودند۔"[3]

شیخ عبد الرزاق امیٹھوی کے مشہور خلفا:-

شیخ عبد الرزاق امیٹھوی کی خانقاہ علم وروحانیت کی ایک بافیض درس گاہ تھی۔ آپ کے میکدۂ روحانیت سے ہزروں تشنگانِ باطن سیراب ہوئے۔ ہزاروں افراد کو آپ نے بیعت وخلافت سے نوازا اور انھیں ذرے سے آفتاب بنایا۔ آپ کے مشہور اور قابل ذکر خلفا میں سے چند یہ ہیں:

(۱)- شیخ جعفر ثانی بن حضرت شیخ نظام الدین عثمانی (بندگی میاں) (۲)- قاضی حسین سترکھی

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۱۳۰۔
(۲) گلشنِ قلندریہ، ص:۱۲۲، مطبوعہ آستانہ بیناول قلندر، جون پور۔
(۳) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، ص:۱۴۰۔

(۳)- قاضی احمد سترکھی (۴)- شیخ محمود ملک (۵)- شیخ عبید اللہ فرزند و سجادہ نشین حضرت شیخ عبد الرزاق امیٹھوی وغیرہم۔

حضرت شیخ عبد الرزاق کے جملہ خلفا شریعت وطریقت کے راز آشنا، ارباب تقویٰ اور علومِ ظاہر و باطن کی خوبیوں سے آراستہ تھے اور اپنے پیرو مرشد کے عکسِ جمیل تھے۔

ملّا احمد جیون لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ عبد الرزاق راخلفائے کمل بسیار بودند کہ ہر یکے بعلم ظاہر و باطن واقف و داناو باسرار شریعت و حقیقت راسخ و تواناو بصلاح و تقویٰ مجلّٰی وازارتکاب معاصی مخلّٰی۔"(۱)

ترجمہ: شیخ عبد الرزاق امیٹھوی کے خلفا و مرشدین کی کثیر تعداد ہے۔ ان میں سے ہر ایک علوم ظاہر و باطن سے آگاہ، شریعت وطریقت کے رموز و اسرار سے واقف، زیورِ تقویٰ و صلاح سے مزین اور گناہوں کے ارتکاب سے دور و نفور تھے۔

مشائخِ امیٹھی میں مذکور ہے:

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ بیت الخلا سے فارغ ہو کر نکلے تو آپ کی نظر متصلہ حجرے پر پڑی جہاں علیم اللہ (پسر خود) اور قاضی حسین سترکہی (دامادِ خود) دونوں عالم و فاضل اور صالح کامل ہونے کے باوجود ایک قوّال کے ساتھ سرور میں مست گانا سن رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ کو بے حد غصہ آیا، نماز کا وقت تھا، لہٰذا اس میں مصروف ہو گئے۔ ادھر علیم اللہ بھی شریکِ جماعت ہوئے لیکن قاضی حسین سترکہی قوّال ہی کے ہو رہے۔ جوں ہی شیخ عبد الرزاق نماز سے فارغ ہوئے تو علیم اللہ کو دیکھ کر بھڑک کر اُٹھے اور جوتا رسید کرنے والے تھے کہ علیم اللہ نے اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ جس کے باعث غصے کی آگ کم تو ہوئی مگر پھر بھی چند جوتے پڑ ہی گئے۔ آپ نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے فرمایا: "یہ حسین سترکہی خود کو عالم کہتا ہے اس نے کیا علم حاصل کیا؟ نماز چھوڑ کر گانے میں مصروف رہا۔ اس سے کہ دو میرے گھر سے چلا جائے۔" حضرت قاضی حسین سترکہی نے جب یہ سنا تو ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کئی دنوں تک گھر واپس نہیں آئے۔ معذرت کا سلسلہ چلا مگر کوئی صورت کارگر نہیں ہوئی۔ ایک مدت کے بعد ملاقات کی صورت نکلی۔ بہت

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، ص: ۱۴، قلمی نسخہ۔

منت وسماجت اور قدموں پر سر رکھنے کے بعد ہی قصور معاف ہوا۔

ایک روز شیخ عبدالرزاق شہر جونپور میں میر سیّد علی قوام کی خانقاہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت سید علی قوام اس وقت قوّالی میں محو تھے۔ عین عالمِ وجد میں کہ اٹھے "پیغمبر کو بھی عشق مجازی تھا۔" حضرت شیخ مخدوم عبدالرزاق سے رہا نہ گیا، فرمایا: "ہاں! حضرت سلامت! صورت مجازی تھی لیکن درحقیقت عشق حقیقی تھا۔" یہ جملہ سن کر میر سید علی قوام آپے سے باہر ہو گئے اور پوچھا "تم کہاں سے آئے ہو؟" شیخ مخدوم عبدالرزاق نے جواب دیا: "امیٹھی سے۔ انھوں نے کہا: "جو بھی امیٹھی سے آتا ہے شوخ بے ادب اور گستاخ ہوتا ہے۔ امیٹھی سے نظام الدین آئے تو انھوں نے بھی گستاخی کی تو بھی شوخ و بے ادب نکلا۔" حضرت مخدوم یہ جملے سن کر نادم ہوئے اور انھوں نے اپنا سر ان کے قدموں میں رکھ دیا اور معافی چاہی۔ حضرت سید علی قوام نے انھیں فوراً گلے لگالیا اور معاف کر دیا۔ بعد ازاں بے شمار دعائیں دیں اور اپنی نعمت (خرقہ) سے سرفراز بھی کیا۔ سلیم پور کے شیخ قاسم چودھری حضرت شیخ عبدالرزاق کے بڑے معتقد تھے۔ ایک دن انھوں نے دو بھینسہ غلہ فقرا کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت نے اس غلے کو مشکوک سمجھ کر الگ رکھوادیا۔ تھوڑی دیر میں تنبولی کی بیوی پان لے کر حاضر ہوئی اور آپ کے قدموں میں سر رکھ کر بولی "حضور! آج غضب ہو گیا، شیخ قاسم چودھری نے ہمارا اناج زبردستی چھین لیا۔" آپ پہلے ہی اس غلے کو مشکوک سمجھ چکے تھے۔ لہٰذا فوراً وہ غلہ اس کے سپرد کر دیا۔ عورت اپنا حق پاکر بہت خوش ہوئی اور دعا دیتی ہوئی چلی گئی۔

ایک دن آپ بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور حضرت شیخ عبید اللہ آپ کی خدمت میں پیچھے کھڑے تھے کہ یکایک اختیار خاں جاگیر دار پرگنہ امیٹھی گھوڑے پر سوار شہنائی کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ ساکنانِ قصبہ اس کی معرکہ آرائیوں سے تنگ تھے اور وہ اپنی کامرانیوں پر پھولے نہیں سماتا تھا۔ آپ کو اس پر غصہ آیا اور آپ نے عبید اللہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: "تم جانتے ہو اس کی شہنائی آج کیا کہتی ہے؟" عبید اللہ نے عرض کیا "حضور بہتر سمجھتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "اس کی شہنائی قہر قہر کہتی ہے۔" کہا جاتا ہے کہ اسی دن اس کا لشکر پسپا ہو کر لقمۂ اجل بن گیا۔ ایسی بہت سی مخفی باتیں آپ کی زبانِ مبارک سے نکل جاتی تھیں۔

خواجہ عبدالسلام "اخلاق صفوی" سے رقم طراز ہیں کہ ان کے والدین کے یہاں کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ جب وہ خود پیدا ہوئے تو انھیں حضرت شیخ عبدالرزاق کی خدمت میں پیش کیا گیا تا کہ حضرت کی دعا کا اثر ہو۔ چنانچہ آپ نے نہایت اخلاص سے درود پڑھ کر دم کیا اور بشارتِ عمر بھی دی۔ چنانچہ والدین نے تربیت کے لیے حضرت شیخ کی خدمت میں چھوڑ دیا۔ جہاں شیخ مذکور کی صحبت اور خصوصی توجہ کے باعث روحانی اصلاح ہوئی اور آپ ہی کی بشارت اور دعا کے طفیل میں "شیخ" کا درجہ حاصل ہوا۔ (۱)

شیخ عبدالرزاق کے اولاد و امجاد:-

حضرت شیخ عبدالرزاق امیٹھوی قدس سرہ کی کل اولاد نو ہیں۔ پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں۔ لڑکوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱)- شیخ خلق اللہ (۲)- شیخ علیم اللہ (۳)- شیخ عبید اللہ، ملّا احمد جیون امیٹھوی کے والد شیخ ابوسعید آپ (شیخ عبید اللہ) ہی کے فرزند ہیں۔ (۴)- شیخ روح اللہ (۵)- شیخ ابوتراب۔

آپ کے سارے فرزند اور صاحب زادیاں علم و فضل، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں یگانۂ روز گار اور والدِ محترم کے سچے امین و جاں نشین تھے۔

ملّا احمد جیون لکھتے ہیں:

"و ہر یکے از فرزندان دخترے و پسرے عالم و عامل و متقی صالح و یگانۂ روز گار بودند۔"

آپ کا وصال ۲۸/ ذی قعدہ ۱۰۰۰ھ کو ہوا اور والد ماجد شیخ بہاء الحق خاصۂ خدا کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ "وفاتِ حضرت ایشان (شیخ عبدالرزاق) بست و ہشتم ذی قعدہ سن الف واقع شدہ در جوار مقبرہ پدر خود مدفون اند۔"(۲)

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی نے "مشائخ امیٹھی" میں آپ کا سن وفات ۱۰۰۵ھ لکھا ہے۔

---

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۳۴،۳۵،۳۶، مطبوعہ اندور۔

(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۱۶۔

شیخ علیم اللہ بن عبد الرزاق امیٹھوی:-

حضرت شیخ علیم اللہ بن عبد الرزاق امیٹھوی ۲۷ / جمادی الاولیٰ ۹۵۴ء کو قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم دین اور صاحب تصانیف بزرگ تھے اور علومِ حدیث میں اپنے وقت کے ابن حجر عسقلانی اور ثانیِ امام سیوطی تھے۔ علومِ ظاہر کے ساتھ علومِ باطن کے محرمِ راز اور شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے۔ علمِ حدیث میں علامہ ابن ہجر مکی ھیتمی سے آپ کو شرفِ تلمّذ حاصل ہے۔ علومِ حدیث میں مجتہدانہ بصیرت اور محققانہ دسترس کے باعث عرب وعجم میں آپ ''امام المحدّثین'' کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کی ولایت اور زہد وتقویٰ مسلّمات سے ہیں۔

ملّا احمد جیون کے دادا شیخ عبید اللہ کے آپ سگے بھائی ہیں، تو اس اعتبار سے آپ ملّا احمد جیون کے دادا بھی ہوئے۔ (إنما عمّ الرّجل صنو أبیه)

علمِ مناظرہ اور قافیہ میں بصورت نظم رسالہ تحریر فرمایا۔ رفعِ یدین اور قیامِ تعظیمی سے متعلق کتاب لکھی۔ عربی میں قصیدہ بردہ شریف کا حاشیہ زیبِ قرطاس کیا، عربی دیوان، حاشیۂ قصیدہ بردہ اور معراج نامہ آپ کے فکر وقلم کی خوبصورت یادگار ہیں۔ میر (شریف جرجانی) کی شرح مطالع پر آپ نے ایک گراں قدر اور وقیع حاشیہ تحریر فرمایا۔ آپ کی فکر وشخصیت اور تہ دار علمی وروحانی بصیرت سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاندانی بزرگوں کے سارے محاسن وکمالات آپ کے ذات میں جمع ہو گئے تھے۔ ع ایک مرکز پہ سمٹ آئے ہیں جوہر سارے

شیخ علیم اللہ قدس سرہٗ کے فضائل ومناقب ملّا احمد جیون کے الفاظ میں ہدیۂ قارئین ہیں:

''حضرت شیخ علیم اللہ بن شیخ عبد الرزاق بن خاصۂ خدا قدس سرہٗ حضرت بسے بزرگ ویگانہ روز گار خود بودند۔ یک صد وبست علوم تحصیل کردہ اند، در اکثر علوم تصانیف خود ساختہ اند۔ چنانچہ رسالہ نظم عربی در مناظرہ نوشتہ اند و رسالۂ دیگر در نظم عربی در قافیہ نوشتہ اند و رسالہ در تعظیم بقیام نوشتہ اند و حاشیہ قصیدہ بردہ ومعراج نامہ ویک رسالہ در علم مطالعہ ویک دیوان عربی وحاشیہ بر میر شرح مطالع ومسوّدہ در مناقب حضرت بندگی میاں وامثالِ ایں ہا در ہر یک علوم تصنیف ساختہ اند و در میان

عرب و عجم مشہور بہ امام المحدثین والمعتبرین بودند و در جمیع علوم خصوصًا در علم حدیث صاحب قران بودند، یعنی در زمانِ ایشاں مثلِ ایشاں کس دگر نہ بود۔"(۱)

فارسی اقتباس کا خلاصہ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ کیے بغیر ہم آگے بڑھتے ہیں۔

اوصاف و خصوصیات:-

شیخ علیم اللہ امیٹھوی قدس سرہٗ کی تعلیم و تربیت والد شیخ عبد الرزاق امیٹھوی اور حضرت بندگی میاں کے زیر سایہ ہوئی۔ بعض درسی کتابیں شیخ ہاشم بن برہان علوی سے پڑھیں اور درسِ طریقت شیخ محمد عیدروس گجراتی سے لیا۔ ایک سو بیس علوم و فنون کے عالم و فاضل تھے۔ درس و تدریس اور مطالعہ و کتب بینی کا سلسلہ زندگی بھر جاری رہا۔ حصولِ علم کی خاطر برسوں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں قیام کیا۔ تقریبًا ۱۶؍ سال تک حرمین طیبین کی روحانی و عرفانی چھاؤں میں زندگی کے قیمتی ایام گزارے۔ ۱۵؍ حج کیے اور ۴؍ حج اکبر سے مشرف ہوئے۔ طوافِ خلوت بھی آپ کے حصے میں آیا جو کہ کمالِ اشتیاق کے باوجود بہت کم اولیاء اللہ کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے۔ آپ کے جود و نوال، داد و دہش اور سخاوت و فیاضی نے "حاتم طائی" کے دور کی یاد تازہ کر دی تھی۔ راہِ خدا میں بے دریغ مال و دولت خرچ کرتے اور اس معاملے میں کوئی آپ کا شریک نظر نہیں آتا۔ محفلِ میلادِ مصطفیٰ ﷺ ہر سال منعقد کرتے، عمدہ قسم کے کھانے تیار ہوتے اور ہر خاص و عام تناول کیا کرتے۔

بقول مُلّا احمد جیون:

"یک ہزار و چہار صد دوشالہ در راہِ خدا در یک روز بخشیدند و نیز از دوازدہ ہزار حن کہ در عرف ماقریب چہل ہزار روپیہ شد یک عرس رسول اللہ ﷺ بجا آوردند، چنداں طعام وافر بروح ﷺ پختند کہ تمام عام و خاص و جمیع آں را رسیدہ۔"(۲)

ترجمہ: ایک دن میں چودہ سو (۱۴۰۰) دوشالہ راہِ خدا میں تقسیم فرماتے۔ نبی اکرم ﷺ

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۱۶، ۱۷۔
(۲) رسالہ تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۱۷۔

کے عرسِ پاک (یومِ وفات کا سالانہ فاتحہ) کے موقع پر بارہ ہزار حنّ یعنی تقریباً چالیس ہزار روپے کی لاگت سے کھانا تیار کراتے، نبی کونین ﷺ کی روح پاک کو ایصال ثواب کیا جاتا اور قرب و جوار کے عوام و خواص کثیر تعداد میں شریکِ طعام ہوتے۔

نوٹ:- حضرت شیخ علیم اللہ قدس سرہٗ امیٹھوی کا یہ معمول آج سے چار سو سال پہلے کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چار سو سال پہلے بھی عرس وفاتحہ اور نذر و نیاز کا رواج تھا۔ آج کچھ لوگ ہم اہل سنت پر عرس وفاتحہ و دیگر معمولاتِ حسن انجام دینے کے باعث شرک و بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں اور سنّی حضرات کو قبر پُجوا کا نام دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل سنت کے عقائد و معمولات دورِ جدید کی پیداوار نہیں ہیں، بلکہ سلف صالحین اور قدیم بزرگانِ دین کے زمانے سے یہ معمولاتِ اہلِ سنت کے درمیان انجام پا رہے ہیں اور ہر دور میں علمائے امت و مشائخ ملت کا یہی معمول رہا ہے۔

حضرت شیخ علیم اللہ امیٹھوی سے متعلق بہت سارے واقعات ہیں، جن سے آپ کی ولایت و کرامت اور تقرب الی اللہ کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ تذکرہ بزرگانِ امیٹھی فارسی اور کتاب مشائخ امیٹھی اردو کی روشنی میں چند واقعات سپردِ قلم کرتا ہوں۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند مراتب سے نوازا تھا۔ یہ اس کی شانِ کریمی ہی تھی کہ آپ کو کئی مرتبہ خواب میں حضور سرورِ عالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ خصوصاً اس عالم میں بھی جب آپ جوان تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عنفوانِ جوانی میں ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور پر نور ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے انگر کے بند کھولے اور تلاوتِ قرآن کا حکم فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو آپ نے اس خواب کا ذکر اپنے والدِ محترم حضرت شیخ عبدالرزاق سے فرمایا: انھوں نے حضرت شیخ بندگی میاں سے اس خواب کی تعبیر چاہی۔ حضرت نے خواب سنتے ہی یہ حدیث پڑھی:

"قال النبی ﷺ: من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لایتمثل بی و لا بالکعبة."

بعد ازاں خواب کی یہ تعبیر بیان فرمائی کہ قیامت کے دن جن سات لوگوں کو عرش کا سایہ

نصیب ہوگا، ان میں سے ایک علیم اللہ ہوں گے۔ ساتھ ہی انشاء اللہ تمام علوم سے آگاہ ہوں گے۔ اور معانیِ علمِ حدیث اور معانیِ قرآن شریف سے بہرہ مند ہوکر بڑے عالم ہوں گے۔ یہ تعبیر ان کے حق میں پوری ہوئی۔ علمِ دین، زہد و تقویٰ اور روحانی مراتب میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

ابتدا میں آپ کی تعلیم و تربیت حضرت شیخ بندگی میاں کے زیرِ سایہ ہوئی۔ چھوٹی عمر ہی سے آپ ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ یہیں دینی علوم پڑھے۔ صوفیانہ تربیت حاصل کی، عارفانہ درس لیے اور حضرت شیخ بندگی میاں کے مرید بھی ہوئے۔ حضرت بندگی میاں کے وصال کے بعد آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ وہاں کئی اہل اللہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اور کئی بڑے مشائخ سے خاطر خواہ فائدہ بھی اٹھایا۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ علیم اللہ نے یہاں ۳۵/ اولیاء اللہ سے ملاقات کی اور ان کی نعمتوں کا بھی حصول ہوا۔ حرمین شریفین سے لوٹتے وقت آپ کا جہاز دو مرتبہ مہلکاتِ زمانی اور بلیاتِ آسمانی کا شکار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے سمندر کے طوفان میں پھنس کر یہ جہاز غرق ہوگیا۔ اسی اثنا میں دریائے عدن کے کنارے مقیم اولیائے وقت حضرت سید عمر عبدروسی نے رات میں خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ ایک جس شخص کا نام شیخ علیم اللہ ہندی ہے، اس کا جہاز غرق ہوگیا ہے اور وہ تمھارے مکان کے نیچے قربِ ساحل اتر کر تم سے ملاقات کرے گا، اس کو میری جانب سے یہ کلاہ عطا کرنا۔ جب حضرت روسی بیدار ہوئے تو وہ کلاہ سامنے رکھی تھی۔ آپ محوِ انتظار تھے۔ یہاں تک کہ ایک بڑا عرصہ گزر گیا۔ اور ملاقات کی کوئی صورت نہ نکلی، اچانک وہ بیمار ہوگئے اور روز بروز حالت خراب ہوتی گئی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ وقتِ رحلت قریب آگیا ہے۔ مگر حضرت کسی خلش میں گرفتار ہیں۔ باز پرس کرنے پر علم ہوا کہ وہ ابھی مرنا نہیں چاہتے، کیوں کہ سرورِ کائنات ﷺ نے جو کلاہِ مبارک خواب میں علیم اللہ ہندی کے لیے عطا فرمائی ہے بطور امانت ان کے پاس محفوظ ہے۔ کوئی صورت برائے سپردگی عمل میں آئے تو سکون سے روح پرواز کرے۔ لہٰذا ہر طرف شیخ علیم اللہ کی تلاش کروائی گئی۔ آخر کار ایک دن ان سے ملاقات کی صورت نکل آئی۔ انھوں نے کلاہ کے ساتھ جامۂ خلافت "عبدروسیہ قادریہ" بھی انھیں مرحمت فرمایا۔ (۱)

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۳۸، ۳۹، مطبوعہ اندور۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت شیخ علیم اللہ عرب میں مقیم تھے، آپ کو کسی مطالعہ کے لیے مخصوص کتاب کی تلاش تھی۔ یہ کتاب عرب کے ایک شیخ کے پاس تھی۔ آپ نے اس کو اپنا استاد بنایا اور اس کتاب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ کیوں کہ اس شخص کے سوا اس کتاب کا کوئی دوسرا عالم نہ تھا اور نہ ہی اس کتاب کی کوئی دوسری نقل کسی کے پاس تھی۔ شیخ مذکور اس کتاب کو دل وجان سے عزیز رکھتا تھا۔ آپ نے ہمت کر کے اس کتاب کو عارضی طور پر طلب فرمایا اور کہا کہ کچھ ضروری امور نقل کرنے کے بعد واپس کر دوں گا۔ استاذ شیخ نے جواب دیا "یہ کتاب مجھے بہت عزیز ہے، لہٰذا کسی کو دینے کا سوال نہیں اٹھتا۔" حضرت شیخ علیم اللہ خاموش ہو رہے۔ اسی رات جب شیخ سویا تو رسولِ کریم ﷺ خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: "اگر تو دنیا سے ایمان کے ساتھ اٹھنا چاہتا ہے تو مذکورہ کتاب علیم اللہ کو عطا کر دے ورنہ تیرا ایمان سلب ہو جائے گا۔" شیخ نے جب یہ تادیب سنی تو وہ بے حد خوف زدہ ہوا اور رات کی تاریکی میں کانپتا ہوا کتاب ہٰذا لے کر شیخ علیم اللہ کے گھر پہنچا اور بولا: "تم نے یہ کتاب مجھ سے مستعار طلب کی تھی اب میں تمھیں کتاب ہٰذا بخش دیتا ہوں۔"[1]

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۰۲۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

نوٹ:– نزہۃ الخواطر میں مولوی عبد الحی رائے بریلوی میں نے آپ کا نام "شیخ علیم اللہ" کے بجائے "علم اللہ" لکھا ہے۔ جب کہ ملّا احمد جیون امیٹھوی نے "علیم اللہ" نام بتایا ہے۔ خاندانی بزرگ ہونے کے ناطے اور "رب البیت أدریٰ مافی البیت" پر عمل کرتے ہوئے ملّا احمد جیون کا قول ہی مستند اور معتبر سمجھا جائے گا۔ لہٰذا آپ کا صحیح نام "علیم اللہ" ہوگا۔ "علم اللہ" نہیں۔

شیخ عبید اللہ بن عبد الرزاق امیٹھوی:–

حضرت شیخ عبید اللہ بن عبد الرزاق امیٹھوی قدس سرہ ۱۴/ رمضان المبارک ۹۶۸ھ کو امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے آبا و اجداد کے علمی و روحانی وارث اور خاندانی روایات کے امین تھے۔ موصوف کا شمار مشائخِ طریقت اور ائمۂ طریقت میں ہوتا ہے۔ آپ ملّا احمد جیون کے سگے دادا ہیں۔ فقرا و مساکین کی خدمت اور غربا پروری آپ کی زندگی کا نصب العین تھا۔ حقوق اللہ و

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۰۔

حقوق العباد فرض عین سمجھ کر بطریقِ احسن ادا کرتے اور مشائخِ چشت کے اعراس کما حقہ انجام دیتے۔ آپ کے شب و روز عبادات و تسبیحات اور اوراد و وظائف میں گزرتے اور ذکر و اذکار میں ہمیشہ رطب اللسان رہتے۔

ملّا احمد جیون تحریر فرماتے ہیں:

"و حضرت تمام شب و روز ہمیشہ ورد خوانی و اوراد دعوات و تسبیحات مشغول بودند۔"(۱)

اوراد و وظائف کی کثرت اور روحانی اشغال و اذکار کی مداومت نے آپ کو "طبیب روحانی" بنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ روحانی علاج کے لیے لوگوں کا آپ کے پاس ہجوم رہتا۔ آپ اپنی خدادا قوتِ روحانیت سے آسیب زدہ افراد کا کامیاب علاج فرماتے اور لوگ آپ کے روحانی دربار سے کامیاب و کامران واپس لوٹتے، اور ذہنی و روحانی سکون پاتے۔

؎ باتوں ہی باتوں میں جادو کر دیا
ایک "ھُو" سے سارا غم چھُو کر دیا

(تحسینؔ بھاگلپوری)

غرض کہ آپ اپنے وقت کے صوفی صافی بزرگ اور احسان و تصوف کے حال آشنا ولی تھے۔ آپ کی بارگاہ سے ہزاروں سالکانِ طریقت اور بے شمار خلقت کو فائدہ پہنچا۔ اس بندۂ عبید کا وجود سراپا کرم و خیر تھا، جس سے متلاشیانِ خیر نے حسبِ ظرف فیض پایا۔

جب دو شخص کے مابین جھگڑا ہو جاتا تو آپ حکم اور ثالث کی حیثیت سے دونوں کے درمیان کمال حکمت و دانائی سے صلح صفائی کراتے اور آپ کی بات سن کر دونوں فریق خوش و خرم اپنے گھر واپس ہوتے۔ آپ کے حسن و اخلاق اور پسندیدہ عادات و اطوار کے باعث جانی دشمن بھی آپ کے رفیق و مہربان بن جاتے۔ حضرت ملّا احمد جیون کے بقول آپ کی زندگی اس شعر کی مصداق تھی۔

؎ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلّطف با دشمناں مدار

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۲۔

آج کل خلافت و اجازت اور سجادگی و جانشینی کے لیے خانقاہوں میں مار پیٹ اور گولی باری و بندوق بازی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ لیکن حضرت شیخ عبید اللہ کا یہ کردار ارباب خانقاہ ملاحظہ کریں کہ آپ نے کس طرح خلافت کو اپنے بھائی شیخ علیم اللہ کے سپرد کر دیا اور خانقاہوں کی سجادگی و جانشینی کو کھانے پینے کا ذریعہ ہرگز نہیں بنایا۔

ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی لکھتے ہیں:

شیخ عبید اللہ عارفِ کامل تھے اور علم و فضل میں بھی یکتا تھے۔ انھیں خوبیوں کی بنا پر آپ کے والد شیخ عبد الرزاق نے اپنے بڑے فرزند شیخ علیم اللہ کی غیر موجودگی میں آپ کو اپنا سجادہ نشیں منتخب کیا۔ یوں تو آپ کے اور بھی صاحب زادے تھے جو علم و فضل میں کامل تھے۔ مگر آپ نے شیخ عبید اللہ ہی کو طلب فرمایا اور کہا "شیخ علیم کعبہ کی زیارت کی غرض سے عرب کے سفر پر ہیں، لہٰذا یہ خرقہ تمھیں عطا کرتا ہوں۔"

اس طرح شیخ عبید اللہ نے حکماً اس خلافت کو اپنے اختیار میں لیا اور شیخ علیم اللہ کی آمد کے انتظار میں رہے۔ جب حضرت شیخ علیم اللہ گجرات، حجاز، عرب و عجم کی سیر سے فارغ ہو کر امیٹھی پہنچے تو شیخ عبید اللہ نے یہ جامۂ خلافت مع کفش و تسبیح و عصا آپ کے سپرد کر دیا۔

حضرت علیم اللہ نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "جامۂ خلافت پدرِ بزرگوار کی امانت ہے، جو آپ کے لیے تھی۔ لیکن آپ کی غیر موجودگی میں چند روز میرے پاس بطور امانت تھی۔ میں اس کو پہننے کی قابلیت نہیں رکھتا ہوں، یہ آپ کا حق ہے قبول فرمائیے۔ شیخ علیم اللہ نے بھائی کے یہ خوش کن جملے سن کر بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا: "قبلہ نے یہ خرقہ مجھے عطا کیا تھا اب میں تمھیں بخشتا ہوں۔" یہ کہہ کر آپ نے فوراً مذکورہ جامۂ خلافت عبید اللہ کو پہنا دیا، ساتھ ہی جامۂ خلافت عیدروسیہ قادریہ (جو آپ کو دریائے عدن کے قیام کے دوران) حاصل ہوئے تھے، حضرت شیخ عبید اللہ کو عطا فرمائے اور کچھ دن امیٹھی میں قیام کے بعد آپ پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ [1]

آخری عمر میں آپ فالج کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اپنے بڑے فرزند شیخ ابو سعید (ملّا احمد جیون کے والد) کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور بالآخر ۹ر شعبان ۱۰۳۷ھ میں وصال

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۴۶، ۴۷، مطبوعہ اندور۔

فرما گئے۔ (۱)

نوٹ:- ڈاکٹر خلیل احمد مشیر صدیقی نے ''مشائخِ امیٹھی'' میں لکھا ہے کہ:

''آپ (شیخ عبید اللہ) نے جامۂ خلافت اپنے بڑے بیٹے شیخ عبد النجیب کو عطا فرمایا۔''

حالاں کہ حضرت ملّا احمد جیون نے خود اپنے والد شیخ ابو سعید کو جامۂ خلافت ملنے کی بات کہی ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''جامۂ خلافت خود را بہ پسر کلاں خود شیخ ابو سعید عطا فرمودند۔''(۲)

بہت ممکن ہے کہ شیخ عبید اللہ نے جامۂ خلافت اپنے دونوں صاحب زادے شیخ عبد النجیب (ملّا جیون کے چچا) اور شیخ ابو سعید (ملّا جیون کے والد گرامی) عطا کیا ہو۔

آپ کے چار فرزند تھے: (۱) شیخ ابو سعید (۲) شیخ عبد المجیب (۳) شیخ عبد النجیب (۴) شیخ عبد اللہ۔ ملّا جیون کے والد شیخ ابو سعید آپ کے تمام صاحب زادوں میں سب سے بڑے تھے۔

شیخ ابو تُراب بن عبد الرزاق امیٹھوی:-

شیخ ابو تراب بن عبد الرزاق امیٹھوی ایک عالم باعمل، جادۂ شریعت پر ہمیشہ گامزن رہنے والے خدا آشنا صوفی اور صبر و شکر اور توکل و قناعت کے پیکرِ جمیل انسان تھے۔

اوائل زندگی میں آپ کی وضع قطع، عادات و اطوار اور رہن سہن کا طریق غیر شرعی تھا۔ ملّازمت اور سپہ گری کی طرف مائل تھے اور اسی تلاش میں گھومتے تھے، بالآخر قسمت نے یاوری کی اور ایک امیر کبیر کے یہاں ملازمت مل گئی اور ایک مدت تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ وہ امیر اور رئیس آدمی جس کے یہاں آپ ملازم تھے، اس نے آج تک شیخ ابو تراب سے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کون ہیں، کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟

اہلِ علم بیان کرتے ہیں کہ: ''عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ'' یعنی بزرگانِ دین اور مردانِ صالحین کے ذکر سے رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ اس کی صداقت کا ایک نمونہ یہاں ملاحظہ

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۲۴۔
(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۲۴۔

کریں کہ کس طرح ذکرِ صالحین کی برکت سے شیخ ابو تراب ایک دنیاوی ملازم سے شریعت و طریقت کے امام بن گئے۔

ایک رات امیر کے مکان پر ایک مجلس منعقد ہوئی جس میں صالحین اور اولیاء اللہ کا ذکرِ خاص ہو رہا تھا۔ میاں ابو تراب خادموں کی طرح مجلس کے دروازے پر پیچھے کی جانب کھڑے تھے۔ یکایک کسی نے اپنے خطاب میں کہا: ”میں نے کئی قصبوں اور شہروں کی سیر کی ہے اور جب قصبہ امیٹھی میں جانے کا اتفاق ہوا تو حضرت شیخ عبد الرزاق سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان جیسا صالح اور ولیِ کامل نہیں دیکھا۔“ میاں ابو تراب نے جب اپنے والد کے بارے میں یہ توصیف سنی اور عزت و احترام کا یہ معاملہ جانا تو آپ کے دل سے ایک دردناک آہ نکلی۔ آپ نے سوچا سبحان اللہ! میرے والد کا نام اعزاز و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے اور میں ہوں کہ آخری صف میں خادموں کی طرح کھڑا ہوں۔ مجلس میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے، تف ہے میری اس حیثیت پر۔ یہ سوچ کر آپ نے نوکری کا خیال فوراً ترک کر دیا اور علم و فضل کی تلاش میں اپنے بھائی شیخ علیم اللہ کے پاس بیجاپور پہنچے تو حضرت نے آپ کی غیر مشروع وضع قطع دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ چھ ماہ تک آپ سے التفات نہ کیا اور نہ گفتگو کی۔

آخر کار شیخ ابو تراب کی طلب اور ذہانت کو دیکھ کر شیخ علیم اللہ نے آپ کی جانب التفات فرمایا اور غیر مشروع اطوار سے منع فرمایا۔ تعلیم و تربیت کے لیے وقت نکالا۔ مقررہ وقت پر درس میں شریک ہونے کی تاکید کی۔ تحصیلِ علم کا شوق بیدار ہو چکا تھا۔ آپ نے دل لگا کر تمام علوم حاصل کیے۔ جب آپ کو تمام علوم پر دست گاہ حاصل ہو گئی تو اپنے وطن امیٹھی لوٹ آئے اور یہاں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ایک مدت بعد پھر آپ نے بیجاپور کا سفر کیا۔ کچھ دن حضرت شیخ علیم اللہ کی صحبت میں رہے۔ ایک دن جب شیخ علیم اللہ کے ساتھ وطن (امیٹھی) لوٹ رہے تھے تو آپ کے ہمراہ کتابوں سے لدے نو(۹) اونٹ بھی تھے۔ ابھی آپ اپنے وطن سے کچھ ہی فاصلے پر تھے کہ یکایک ڈاکوؤں نے آپ پر حملہ کر دیا، آپ زخمی ہو گئے۔ سینہ اور بازو بری طرح گھائل ہوئے۔ پھر آپ جاں بر نہ ہو سکے۔ آخر کار ۱۰/ شوال ۱۰۱۵ھ کو آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا اور سندیلہ میں

دفن ہوئے۔ حضرت علیم اللہ اس جاں کاہ حادثہ کے بعد بیجاپور واپس آ گئے۔ (۱)

حضرت شیخ علیم اللہ نے اپنے بھائی ابوتراب کو تین سال کی مدت میں ذرّے سے آفتاب اور کندن سے سونا بنا دیا تھا۔

ملّا احمد جیون فرماتے ہیں:

”در سہ سال از تحصیل جمیع علوم معقول و منقول فارغ گشتہ۔“(۲)

یعنی تین سال کی قلیل مدت میں تمام علوم معقولات و منقولات سے فارغ ہو گئے۔

وطن امیٹھی لوٹتے وقت آپ کے ہمراہ کتابوں سے لدے نو اونٹ تھے، اس سے آپ کی علمی لیاقت اور کتاب دوستی کا بھرپور اندازہ ہوتا ہے۔ نور الله مضجعه.

شیخ ابوسعید بن عبید اللہ امیٹھوی (والدِ گرامی ملّا جیون):-

حضرت شیخ ابوسعید بن عبید اللہ امیٹھوی قدس سرہٗ ایک جامع الصفات اور کثیر الجہات شخصیت کا نام ہے۔ آج بھی سرزمینِ امیٹھی کو اپنے اس ہونہار سپوت پر ناز ہے۔

آپ ملّا احمد جیون کے والد گرامی ہیں۔ آپ ہی کے پاک صلب سے ملّا احمد جیون جیسا باکمال بیٹا پیدا ہوا، جس نے اپنے آبا و اجداد کی روایات اور خاندانی مشن کو آگے بڑھایا اور قصبہ امیٹھی کو عالم گیر شہرت کا حامل بنایا۔ شیخ ابوسعید امیٹھوی ۴؍ ربیع النور ۱۰۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد شیخ عبید اللہ امیٹھوی کے زیرِ سایہ پروان چڑھے اور تعلیم و تربیت کے مراحل طے کیے۔ آپ کی زندگی میں والد محترم کا عکسِ جمیل صاف دکھائی دیتا ہے۔ والد کی طرح آپ نے بھی حد درجہ تقویٰ شعار زندگی گزاری اور تادمِ حیات جادۂ شریعت پر مضبوطی سے قائم رہے اور اس سے سرمو انحراف گوارا نہ کیا۔ چار بیٹوں کی موجودگی میں شیخ عبید اللہ نے اجازت و خلافت اور خرقۂ صوفیہ کے لیے آپ ہی کو منتخب فرمایا اور والد کے بعد آپ ہی ان کی علمی و روحانی امین و جانشیں ٹھہرے۔

حضرت ملّا احمد جیون لکھتے ہیں:

---

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۴۴، ۴۵، اندور۔
(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص: ۲۲۔

''ایشاں (شیخ ابو سعید) دم بہ دم و قدم بہ قدم بر جادۂ پدر خود عمر بسر کردند، بلکہ در بعضے امور ترقی نمودہ۔''(۱)

یعنی شیخ ابو سعید تادمِ حیات اپنے والد شیخ عبید اللہ کے نقشِ قدم پر گامزن رہے اور بعض امور و معاملات میں والد سے بھی بڑھ گئے۔

شیخ ابو سعید امیٹھوی کی تہ دار شخصیت اور ہشت پہلو روحانی و عرفانی زندگی کا تعارف کراتے ہوئے مُلاّ احمد جیون رقم طراز ہیں:

''حضرت ایشاں عالمِ باعمل و حافظِ کلامِ ربانی بودند و بر شریعت استقامت بر کمال داشتند چناں کہ مقدار موتجاوز نمی کردہ اند و ایں جملگی بر ذات خود بود و امّا از مردمانِ باقی ہیچ وجہ متفرض نمی بودند و از دنیا و اہلِ دنیا بُغض تمام داشتند و ہیچ گاہے تعظیم ایشاں نمی کردند و گاہے طلب دنیا در دل نداشتند، ہر چند کساں مد گشتند ازاں قبول نہ کردند و می گفتند کہ کہ می خواہید کہ مارا درنجس عین باندازید و ہم چو خود گردانید۔ معاذ اللہ من ذالک۔ مارا ہر وقت گور و لحد خود یاد می آید ما ایں دنیارا چگونہ قبول کنم خدا و رسول بیزار است .... و حضرت ایشاں صلاح بر کمال داشتند چناں کہ وقت راہ رفتن بر روئے پردہ می کشیدند کہ مبادا بر نامحرم نظر نیفتد و حضرتِ ایشاں تقویٰ بایں قدر داشتند کہ ہیچ وقتے طعام خانۂ قاضی یا چودھری نہ خود خوردند و نہ فرزندان خود خوراندند و گاہے چوبِ خلال و کلوخ استنجا بے اذن مالک نہ گرفتند و حضرت ایشاں اغلب احوال در روز صائم می بودند و ہمیشہ بر درس مشغول بودند تا شام و از شام تا نیم شب در تلاوتِ قرآن شریف مشغول بودند۔''(۲)

ترجمہ: والد محترم شیخ ابو سعید بن عبید اللہ عالمِ باعمل اور حافظِ قرآن تھے۔ استقامت علی الشریعت کا یہ حال تھا کہ بال برابر بھی جادۂ شریعت سے آپ کا قدم باہر نہ ہوتا۔ اس درجہ شریعت کی پاسداری اپنی ذات تک محدود تھی، باقی دوسروں سے اس معاملے میں تعرض نہیں کرتے تھے۔ دنیا اور دنیا داروں سے سخت نفرت تھی، اہلِ دنیا کی کبھی تعظیم نہیں کرتے اور طلبِ دنیا سے کوسوں دور تھے۔ اگر لوگ سامانِ دنیا میں سے کچھ دیتے تو آپ اسے قبول نہ فرماتے اور کہتے کہ لوگ ہمیں بھی

(۱) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۴۔
(۲) تذکرہ بزرگانِ امیٹھی، قلمی نسخہ، ص:۲۴، ۲۵۔

نجس (ناپاک چیز) میں ملوث کرنا چاہتے ہیں اور اپنی طرح بنانا چاہتے ہیں۔ معاذ اللہ! ہمیں تو ہمیشہ قبر اور لحد کی یاد آتی ہے تو اب بھلا دنیا کو کیسے قبول کروں؟ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ دنیا سے بیزار ہیں (تو پھر بھلا میں دنیا سے کیوں نہ بیزار رہوں؟)

صلاح و تقویٰ اور عزت و پارسائی کا یہ عالم تھا جب گھر سے باہر نکلتے تو اپنے چہرے پر پردہ ڈال لیتے تاکہ غیر محرم پر نگاہ نہ پڑے۔ قاضی اور چودھری کے گھر کا کھانا نہ خود کھاتے اور اپنے بال بچوں کو کھانے دیتے۔ خلال کا تنکا اور استنجا کا ڈھیلا تک مالک کی اجازت کے بغیر نہ لیتے۔ بسا اوقات روزہ رکھتے اور شام تک درس و تدریس میں منہمک رہتے اور آدھی رات تک کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے۔

غرض کہ شیخ ابو سعید علیہ الرحمۃ کی صاف ظاہر اور پاک باطن زندگی "قرونِ اولیٰ" کی یاد دلاتی ہے۔ آپ صحیح معنوں میں بقیۃ السلف اور عمدۃ الخلف تھے۔

ع محاسنه تذکر نا الصحابة

آپ کے فضائل و محاسن صحابۂ کرام کی یاد دلاتے ہیں۔

کتاب مشائخِ امیٹھی میں مرقوم ہے:

آپ عبادت گزار اور دین دار آدمی تھے۔ ہمہ وقت رشد و ہدایت اور نماز روزے میں گزرتا، روزہ نماز کی پابندی رہتی۔ دن میں اکثر روزہ رکھتے اور درس و تدریس میں مصروف رہتے۔ شام کو حسب معمول قبروں کی زیارت فرماتے۔ رات کو کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام فرماتے پھر اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے اور نصف شب تک قرآن کی تلاوت اور وظائف کا دور رہتا۔ ان عبادات کے دوران نہ وہ کسی سے بات کرتے اور نہ کسی کی طرف دیکھتے تھے۔ اسی طرح فجر کی نماز کے بعد بھی وظائف اور نمازوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ عبادت و ریاضت کے ساتھ سخاوت کا سلسلہ بھی سب سے جدا تھا۔ داد و دہش میں وہ بے مثال تھے۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے در سے کوئی محروم نہیں جاتا تھا۔ سائل کی طلب پر جو حاضر ہوتا وہ پیش کر دیتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ کوئی سائل اگر دِن میں کئی بار آتا اور طلب کا ہاتھ بڑھاتا تب بھی آپ بے عذر مدد فرماتے تھے۔ داد و دہش میں نقد، جنس، طعام، پارچہ جو میسر آتا پیش کر دیتے تھے۔ ہر سائل خوش و خرم لوٹتا اور آپ کی بخشش و

عطا اس کے حق میں نعمت ثابت ہوتی۔ خود بھی کسی سائل کی حاجت روائی کر کے بے حد خوش ہوتے اور فرماتے کہ اگر میرا گوشت بھی کسی کے کام آئے تو مجھے عذر نہیں ہوگا۔

آپ نہایت خوش اخلاق اور متواضع قسم کے انسان تھے۔ ہر ایک شخص سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ اخلاص و محبت سے پیش آتے تھے۔ آپ کے اخلاص و تواضع کا یہ عالم تھا کہ ہر چھوٹا بڑا آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ مہمان کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے تھے۔ ہر چھوٹا بڑا انسان آپ کے لیے برابر تھا۔ آپ ہر شخص سے خندہ پیشانی اور شگفتہ مزاجی کے ساتھ پیش آتے تھے اور دل کھول کر تواضع بھی کرتے تھے۔ گفتگو کے معاملے میں بھی بڑے محتاط تھے۔ آپ کی زبانِ مبارک سے کبھی لعن وطعن فحش یا غیبت کے کلمات صادر نہیں ہوتے تھے۔ لعنت و نفریں، کذب و افترا اور عیب جوئی سے زبان کو آلودہ نہیں ہونے دیتے تھے۔ تکبر، کینہ، حسد و نخوت اور ہوا و حرص سے دور رہتے تھے۔ خاکساری اور انکساری آپ کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ یہی حال صبر و استقامت کا بھی تھا۔[1]

ملّا احمد جیون نے اپنے والد مکرم شیخ ابو سعید امیٹھوی کے فضائل و کمالات، عمدہ عادات و اطوار، تقویٰ شعار زندگی اور ان کے درویشانہ اوصاف کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔

شیخ ابو سعید کا نکاح سید عبد اللہ نواب عزت خان امیٹھوی کی ہمشیرہ سے ہوا تھا۔ جن سے دو صاحب زادے شیخ محمد عرف بدھن اور شیخ احمد عرف ملّا جیون پیدا ہوئے۔

شیخ ابو سعید حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی میں ہمہ دم پیش پیش رہتے۔ الحب فی اللہ و البغض فی اللہ کی آپ عملی تفسیر تھے۔ صبر و قناعت، زہد و ورع اور حسن اخلاق کے معاملے میں یگانۂ روز گار تھے۔ آپ کے دامنِ عظمت پر جھوٹ، غیبت، چغلی، حرص و ہوس، عجب و ریا اور تکبر و خود پسندی کا ادنیٰ دھبّہ تک نہیں تھا۔ سادہ لباس اور عالمانہ وضع اختیار کرتے۔ امیرانہ کرّ و فر اور شاہانہ طمطراق سے دور و نفور رہتے۔ رضائے الٰہی اور محبت رسول میں ہمیشہ سرشار رہتے۔ بواسیر کے مرض میں مبتلا تھے شدید تکلیف اور مشقت کا سامنا کرتے، مگر زبان پر حرفِ شکایت نہ لاتے، بلکہ ہر حال میں حمدِ الٰہی اور شکر خداوندی بجا لاتے ہوئے فرماتے: ”الحمد للہ! مجھے یہ مرض

(۱) مشائخِ امیٹھی، ص: ۴۸، ۴۹، مطبوعہ اندور۔

ودیعت ہوا ہے، اگر یہ مرض نہ ہوتا تو ممکن ہے دنیا کی طلب اور دنیا کی حرص و ہوس میں گرفتار رہتا۔"
اکثر کلاہ (ٹوپی) زیب تن کرتے اور کبھی کبھی عمامہ بھی باندھ لیتے۔ کمر کے نیچے پٹّہ ہوتا۔ لباس میں ازار (تہبند) زیادہ پسند تھا اور پاؤں میں لکڑی کی کھڑاؤں استعمال کرتے۔

والدین کریمین اور اساتذہ کے حقوق اور ان کی تعظیم و توقیر میں کسی بھی جہت سے کمی نہ ہوتے دیتے۔ یہاں تک کہ استاذ کا نام زبان پر لانا "بے ادبی" پر محمول کرتے۔ اپنے اساتذہ کو حضرت یا میاں سے یاد کرتے۔ اساتذہ کی تعظیم کے ساتھ ان کی اولاد اور متعلقین کے اکرام و احترام میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے اور والدین کے دوست احباب کی بھرپور قدر کرتے۔ درس و تدریس اور وعظ و تلقین کا مذہبی فریضہ زندگی بھر بحسن و خوبی انجام دیا۔

بالآخر شریعت و طریقت کا یہ چمکتا ہوا آفتاب ۸؍ محرم الحرام ۱۰۶۱ھ کو غروب ہو گیا اور شیخ ابو سعید اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ وقتِ وصال زبان پر کلمۂ طیبہ کا ورد جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ شیخ موصوف کے روحانی فیوض و برکات سے ہم سب کو مالامال فرمائے۔

شیخ محمد عرف بدّھن امیٹھوی (برادر ملّا جیون):-

شیخ محمد عرف بدّھن بن شیخ ابو سعید امیٹھوی ایک سعادت مند باپ کے نیک بخت اور سعادت مند بیٹے تھے۔ آپ رشتے میں ملا احمد جیون کے سگے بڑے بھائی ہیں۔ والد ماجد شیخ ابو سعید امیٹھوی کی خدمت اور بافیض صحبت سے آپ کو بھرپور حصہ ملا اور عالمِ شریعت کے ساتھ عالمِ طریقت بھی بن گئے۔ قصبہ امیٹھی میں ۱۳؍ صفر ۱۰۳۸ھ کو پیدا ہوئے۔ عہدِ طفولیت سے پدر بزرگوار کی صحبت میں رہے اور ہمیشہ ان کی خدمت انجام دیتے رہے۔ غسل اور وضو کے لیے پانی مہیا کرنا، درس و تدریس کے وقت حاضر رہنا اور والدِ محترم کی ہر طرح سے خدمت انجام دینا آپ کا معمول و مشغلہ تھا۔

ملّا احمد جیون اپنے برادرِ کلاں شیخ بدّھن کے بارے میں لکھتے ہیں:

"واز برکات خدمتِ ایشاں (پدر شیخ ابو سعید) حق تعالیٰ جمیع ابواب علوم را مفتوح کرد و بعد از وفاتِ پدر بزرگ وار در عمر بست و نہ سالگی از جمیع علوم معقول و منقول فارغ گشتہ، استقامت بدرس

گرفتہ اند و در اثنائے درس حفظ قرآن مجید حق تعالیٰ کرد و ہمیشہ تلاوت از رمضان و غیرہ توفیق دادا[1]
یعنی والد ماجد کی خدمت کے صدقے میں اللہ تعالیٰ نے تمام علوم کے دروازے شیخ بڈھن پر کھول دیے اور والد کی وفات کے بعد ۲۹؍ سال کی عمر میں معقولات ومنقولات کی تحصیل سے فارغ ہوکر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے اور اسی درمیان قرآن پاک بھی حفظ کرلیا۔ پابندی کے ساتھ قرآن کی تلاوت رمضان وغیر رمضان میں کیا کرتے۔

والد ماجد اور دیگر علمائے وقت سے علم ظاہر و باطن کی تکمیل کے بعد مزید روحانی ترقی کے لیے ۵۰؍ سال کی عمر میں دارالخلافت دہلی تشریف لے گئے اور فرزند غوث اعظم حضرت شاہ میر قادری کی بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے۔ اس نسبتِ ارادت و بیعت کے طفیل آپ کو بیش بہا نعمتیں، روحانی قدریں اور خلافتِ قادریہ عطا ہوئی۔ آپ ہمیشہ صوفیانہ روش پر قائم رہے اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ حسنِ اخلاق اور خوبیِ کردار میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اخلاق و مروت، ہم دردی اور انسانیت نوازی آپ کی زندگی کے نمایاں اوصاف ہیں۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

"أحد عباد الله الصالحين."

شیخ بڈھن اللہ کے نیک اور صالح بندوں میں سے ایک تھے۔[2]

۱۰ رجب بروز دوشنبہ ۱۱۱۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ غلام محمد آپ کے اکلوتے فرزند تھے۔

(۱) تذکرہ بزرگان امیٹھی قلمی نسخہ، ص: ۲۷۔

(۲) نزہۃ الخواطر، ج: ٦، ص: ۵۰، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد۔

چوتھا باب

ملّا احمد جیون کے اساتذۂ کرام:-

اساتذۂ کرام روحانی باپ ہوا کرتے ہیں۔ اساتذہ کی مساعیِ جمیلہ کے نتیجے میں ہی تلامذہ کی فکر و شخصیت نکھرتی اور سنورتی ہے۔ تلامذہ کی تعلیم و تربیت اور ان کے مستقبل کو تابناک بنانے میں اساتذۂ کرام بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اساتذہ کے فکر و فن اور صلاحیت و لیاقت کا معیار جس قدر اونچا ہوگا، تلامذہ بھی اسی قدر اعلیٰ فکر و فن کے حامل ہوں گے اور صلاحیت و لیاقت کے بلند ترین مقام پر فائز ہوں گے۔ آج اگرچہ تعلیم و تدریس ایک پیشہ اور تجارت بن گئی ہے لیکن ماضی بعید میں تعلیم و تدریس ایک مقدس دینی فریضہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ تدریس میں تربیت بھی شامل تھی یعنی اساتذہ اپنے طلبہ اور تلامذہ کو پڑھاتے ہی نہیں بلکہ پلاتے تھے اور تدریس کے ساتھ ان کی عمدہ تربیت کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

عمدۃ المفسرین حضرت ملّا احمد جیون قدس سرہٗ نے جن اساطین علم و فضل کی درس گاہوں سے تعلیم پائی تھی اور جن اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا، ان کے علم و فضل، فکر و فن اور بصیرت و لیاقت کا ایک جہان قائل ہے۔ آپ کے تمام اساتذہ شریعت و طریقت کے مسلم الثبوت امام تسلیم کیے جاتے ہیں اور ہر ایک استاذ اپنی جگہ آسمانِ علم و حکمت کے بدرِ کامل ہیں۔

اسے زمانے کی ستم ظریفی ہی کہیے کہ آج ملّا احمد جیون کے قابل قدر اساتذہ کے صرف نام ملتے ہیں۔ نام کے علاوہ ان کی حیات و خدمات کا تفصیلی تذکرہ تاریخی اور سوانحی کتابوں میں نہیں ملتا۔ مسلمانوں کی غفلت اور تساہلی نے علم و حکمت اور فکر و دانش کے بڑے بڑے سورماؤں کو گم نامی کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ الامان والحفیظ!

حضرت ملّا احمد جیون کے اساتذۂ کرام میں مندرجہ ذیل حضرات قابلِ ذکر ہیں:

(۱)- ملا ابو سعید امیٹھوی (والدِ گرامی) (۲)- شیخ لطف اللہ کوڑوی (۳)- شیخ محمد صادق ستر کھی (۴)- مفتی محمد سعید حسینی لکھنوی۔

والد گرامی شیخ ابو سعید بن عبید اللہ امیٹھوی کا تفصیلی ذکر "آباو اجداد" کے ضمن میں آچکا ہے۔

ان کے علاوہ ملّا احمد جیون کے باقی تینوں اساتذہ کے حالات زندگی تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکے۔ ہاں! سبحۃ المرجان کے حاشیہ اور نزہۃ الخواطر میں آپ کے استاذ شیخ لطف اللہ کوڑوی

کا تذکرہ صرف ۵؍ سطروں میں دستیاب ہوا ہے، جسے غنیمت جانتے ہوئے اور "ما لا یدرك كله لا یترك كله" پر عمل کرتے ہوئے ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت شیخ لطف اللہ کوڑوی:-

حضرت شیخ لطف اللہ کوڑوی اسم با مسمّٰی تھے، لطفِ الٰہی اور فیضِ ربانی سے آپ کو بھرپور حصہ ملا تھا۔ مروجہ علوم و فنون اور معقولات و منقولات کے زبردست عالم تھے۔ خاص طور سے فقہ، اصولِ فقہ اور علوم عربیہ (نحو، صرف، بلاغت و بیان وغیرہ) میں وہ کمال حاصل تھا کہ معاصرین انگشت بدنداں تھے۔ ہر طرح کے علوم ظاہری و باطنی شیخ جمال اللہ چشتی کوڑوی سے حاصل کیے اور جلالتِ علم اور جمالِ روحانیت کے پیکرِ حسین بن گئے۔ شیخ لطف اللہ کوڑوی سے بے شمار طلبہ مستفیض ہوئے، آپ کے ممتاز تلامذہ میں حضرت ملّا احمد جیون سے ایک منفرد و ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ ملّا احمد جیون کے علاوہ قاضی علیم اللہ کجندوی اور شیخ علی اصغر قنوجی بھی آپ کے تلمیذ رشید ہیں۔ شیخ لطف اللہ کوڑوی کے یہ تینوں تلامذہ بے پناہ علمی اوصاف و کمالات کے حامل ہیں۔ انھیں باکمال شاگردوں سے استاذ (لطف اللہ کوڑوی) کی علمی عظمت اور فنی تبحّر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سبحۃ المرجان کے حاشیہ میں ہے:

"شیخ لطف الله الكوروی أحد فحول العلماء فی الهند، كانت له يد بيضاء في سائر الفنون."(۱)

یعنی شیخ لطف اللہ کوڑوی ہندوستان کے فحول (عظیم المرتبت) علما میں سے ہیں۔ تمام علوم و فنون میں آپ کو مہارتِ تامہ اور کامل دست گاہ حاصل تھی۔

اور نزہۃ الخواطر کی عبارت ہے: "لا سيما الفقه والأصول والعربية"(۲)

یعنی جملہ علوم و فنون میں تبحّر کے ساتھ بالخصوص فقہ، اصولِ فقہ اور علومِ عربیہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ راقم الحروف کو شیخ موصوف کے علمی فیضان سے مالا مال کرے۔

---

(۱) سبحة المرجان، ص: ۲۰٤، معهد الدراسات الإسلاميه، علی گڑھ.

(۲) نزهة الخواطر، ج: ۵، ص: ۳۲۹.

پانچواں باب

ملّا احمد جیون کے چند ممتاز تلامذہ

ملّا عبدالباسط بن ملّا جیون امیٹھوی:-

شیخ ملا عبدالباسط بن احمد (ملا جیون) امیٹھوی کا شمار علمائے کاملین اور بندۂ صالحین میں ہوتا ہے۔ علم و روحانیت اور ادب و شاعری اپنے والد سے وراثت میں پائی تھی۔ آپ ملّا احمد جیون کے سب سے چھوٹے فرزند تھے، لیکن فضل و کمال میں بڑے تھے۔ تصنیف و تالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ علوم و فنون کی بیشتر کتابیں والد ماجد ملّا جیون سے پڑھیں۔ قصبہ امیٹھی کے مشائخ اور بزرگانِ دین کے حالات پر ''بسط باسطی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس سے آپ کے تصنیفی اور ادبی رجحان کا اندازہ ہوتا ہے اور اس کا ''بسطِ باسطی'' نام رکھنا خود موصوف کے تفنّنِ طبع کو ظاہر کرتا ہے۔

اس کتاب کا کچھ حصہ ''اصطلاحاتِ صوفیہ'' سے متعلق ہے، جسے سعدی کاکوروی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک معراج نامہ تالیف فرمائی، جس کا نام ''معراج المقال'' ہے۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ حضور سید عالم ﷺ کے کمالات و معجزات درج کیے گئے ہیں۔ یہ مثنوی (معراج نامہ) کافی مقبول ہوئی۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ نے ملا عبدالباسط کی ایک اور کتاب ''منار الضوابط'' کا ذکر کیا ہے۔
(دیکھیے: خسرو شناسی، ص: ۲۴۴، قومی کونسل، دہلی)

نزہۃ الخواطر میں ہے:

''الشيخ الفاضل عبد الباسط بن أحمد بن أبي سعيد الأميتهوي أحد العلماء العاملين و عباد الله الصالحين، كان أصغر أبناء والده وله ''معراج المقال'' مزدوجة فی معجزات النبي ﷺ وله ''بسط باسطى'' كتاب أخبار مشايخ بلدته.''(۱)

(۱) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:١٣٨، معارف عثمانيه، دكن.

دو فرزند شیخ یٰسین اور احمد علی آپ کے علمی و روحانی جانشین ہوئے۔

مثنوی معراج المقال کے چند اشعار:

کرم اے مکرمت سرمایہ دربار
نیاز آئینہ دارِ بہا خریدار
فروغ اے رحم برق حاصل جرم
روانِ ظلمت غم حاملِ جرم
فروغِ رحمتے در کار من کن
وداع ظلمِ ظلمت یارِ من کن
چنیں تا چند ظلمت کارے من
نگہ کحل گشتہ سرشاری من
بیک آہ سرد در بابِ غم ہا
گل افشاں سار مارویم سرپا
چو نظم معجزات صدرِ عالم
امل فرمود تفویض عالم
مدد بخشائے فکر الہام سازم
کرامت کن دلِ معنیٰ طرازم[۱]

شیخ احمد بن ابو منصور گوپاموی:-

شیخ احمد بن ابو منصور گوپاموی، عہد اورنگ زیب عالم گیر کے اکابر علما اور ممتاز فقہا میں سے ہیں۔ لکھنؤ کے قریب مقام گوپامئو میں ولادت ہوئی۔ اپنے والد ابو منصور خطیب گوپاموی سے تعلیم و

(۱) ماخوذ از: مشائخِ امیٹھی، ص:۷۷، مطبوعہ اندور۔

تربیت حاصل کی۔ بعد ازاں اپنے وقت کے ممتاز فقیہ اور بے نظیر مفسر و اصولی حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی کی بافیض درس گاہ میں پہنچے اور علم و ادب، فقہ و اصول اور فنونِ ادبیہ کے گنج گراں مایہ لے کر لوٹے۔ ملّا احمد جیون نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو ذرّے سے آفتاب اور قطرے سے سمندر بنا دیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب یہ آفتابِ فقہ و افتا اور بحرِ علم و حکمت کے شناور عالم و فقیہ مشہور فقہی کتاب ''فتاویٰ عالم گیری'' کی ابواب بندی اور اس کی جمع و تالیف کرنے والے فقہائے ملت اور مفتیانِ امّت میں اہم رکن کی حیثیت سے نظر آئے۔

فتاویٰ عالم گیری کی جمع و تدوین کے معاوضے میں شاہی دربار سے کچھ روپے اور غلہ آپ کو یومیہ دیا جاتا۔ شیخ احمد بن منصور بہت ساری علمی خصوصیات کے مالک تھے۔ ملّا احمد جیون کے علم و تقویٰ کی جھلک آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھی۔ استقامت علی الشریعت ان کی زندگی کا نمایاں وصف ہے۔ عالمانہ وقار کے ساتھ صوفیانہ رنگ مزاج میں غالب تھا۔ اپنے استاذ ملّا احمد جیون کے قدر شناس اور حد درجہ ان کی تعظیم و تکریم بجالاتے۔

اپنے استاذ ملّا احمد جیون کے ساتھ ۱۱۰۲ھ میں حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے، حج و زیارت سے فارغ ہونے کے بعد حرمین طیّبین ہی آپ کا وصال ہو گیا۔[1]

سر پٹک کر جان دے دی آج کوئے یار میں
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اللہ تبارک و تعالیٰ استاذ اور شاگرد دونوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

مفتی تابع محمد لکھنوی:-

صوبۂ اودھ لکھنؤ کو زمانۂ قدیم سے علم و حکمت کا مرکز ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں کی خاک سے ان گنت اساطین علم و حکمت اور اربابِ شریعت و معرفت پیدا ہوئے اور اپنی خداداد علمی لیاقت و بصیرت سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ مفتی تابع محمد لکھنوی کی ذاتِ قدسی صفات انھیں میں سے ایک ہے۔ علم و تفقہ کا یہ دانائے راز بے شمار محاسن و کمالات کا جامع ہے۔ اگر کسی کو

(۱) نزھۃ الخواطر، ج:٦، ص:٢٢، معارفِ عثمانیہ، دکن.

حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی قدس سرہٗ کے علمی جاہ و جلال کا عکس دیکھنا ہو، وہ ملّا جیون کے اس لائق وفائق شاگرد مفتی تابع محمد کو دیکھ لے۔

یوں تو ملّا احمد جیون کے بحرِ علم وحکمت سے سیراب ہونے والے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے۔ لیکن ملّا جیون کے جن چند شاگردانِ رشید کے نام تاریخ کے سینے میں محفوظ ہیں، ان خوش بختوں میں سے ایک مفتی تابع محمد لکھنوی بھی ہیں۔ والد کا نام مفتی محمد سعید حسینی لکھنوی ہے۔ مفتی تابع محمد، شیخ محمد اعظم بن ابوالبقا کرمانی کی نسل سے ہیں۔ لکھنؤ آپ کا مولد و مسکن ہے۔

ابتدائی تعلیم والدِ گرامی سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا۔ اور ایک زمانے تک ان سے علمی استفادہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ علم و حکمت اور فقہ و فتویٰ میں ماہر و کامل ہو گئے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد لکھنؤ کے دارالافتا میں بحیثیت مفتی دین و مذہب کی خدمت انجام دی۔ فقہ حنفی میں آپ کی کتاب ''سراج منیر'' شاہ کار کا درجہ رکھتی ہے۔

استاذ گرامی ملّا احمد جیون کی رحلت کے موقع پر مندرجہ ذیل قطعاتِ وفات تحریر کیے۔

محیطِ علم آں مولائے اعظم ۔۔۔ با احمد شیخ جیون بہ معلم
جہاں را روشنی زاں شمعِ دیں بود ۔۔۔ بہ عالم ظاہر و باطن مسلّم

چوں رحلت کرد در ذی قعدہ تاسع
بوصلِ دوست خود گشتہ مکرّم

بہ تاریخش خرد دادہ بگوشم ۔۔۔ ندا او کامل فیّاض عالم

نزہۃ الخواطر میں ہے۔

''الشیخ الفاضل المفتی تابع محمد بن المفتی محمد سعید الحسینی الکھنوی .... وقرأ العلم علیٰ والده وعلیٰ الشیخ احمد بن سعید الصالح الأمیتھوی (ملّا جیون) ولازمه مدة من الزمان حتیٰ برع فی العلم وتأهل للفتویٰ والتدریس.''(۱)

(۱) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:٥١، معارفِ عثمانیه، دکن.

شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالم گیر:-

ہندوستان جنت نشان میں مغلوں کا دورِ حکمرانی تاریخ سلطنت وحکومت کا ایک شاندار مرقع ہے اور مغل حکمرانوں میں خاص طور سے شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالم گیر (وفات: ۱۷۰۷ھ) کا دورِ حکومت ہندوستان کی تعمیر و ترقی اور خوش حالی کا دور ہے۔ ایک جہاں دیدہ افسر، بے مثال مدبر اور بلند پایہ منتظم کی حیثیت سے انھوں نے پچاس سال تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی اور پورے ملک کو امن و امان کا گہوارہ بنا دیا۔ اورنگ زیب کی فولادی شخصیت نے معاندانہ طاقتوں کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اورنگ زیب اپنی سیادت و قیادت، عدالت و شجاعت، انتظام ملکی، اولو العزمی، بیدار مغزی اور جفاکشی کی بدولت آج بھی ہندوستان کی تاریخ میں ایک کامیاب حکمراں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لین پول نے اورنگ زیب کو ''مغلِ اعظم'' کا خطاب دیا اور برنیئر جیسے متعصب مورخ نے آپ کو ''عوام کا سچا ہمدرد'' بتایا۔ بلاشبہ اورنگ زیب عالم گیر سیادت و قیادت کے لحاظ سے بنی امیہ کے ''ولید بن عبد الملک'' اور فضل و کمال میں ''مامون رشید عباسی'' تھے۔ اورنگ زیب کی ایک ذات میں بہت سارے عمدہ اوصاف جمع تھے۔ وہ بیک وقت عالم و فاضل، ادیب و کامل، قائد و حاکم اور علم باطن کے رمز شناس ایک صوفی صافی بزرگ تھے۔

تذکرہ نگاروں نے آپ کی بے مثال فکر و شخصیت کا اعتراف مختلف انداز سے کیا ہے اور اس جری حکمراں کو گلستانِ تیموری کا گلِ سر سبد، تاجِ مغلیہ کا تابندہ گوہر، دستارِ بابری کا طرۂ امتیاز، جہاں گیر کا نورِ نظر، دامنِ شاہجہاں کا گلِ تر، آسمانِ سخاوت کا بدرِ کامل، دین و مذہب کی آبرو، صبر و استقامت کا پہاڑ، جرأت و شجاعت کا ہمالہ اور شرافت و مروّت کا پیکرِ جمیل جیسے حقیقت آمیز الفاظ سے یاد کیا ہے۔

ولادت باسعادت:-

اورنگ زیب عالم گیر کے والد شاہ جہاں بن جہاں گیر کی اولاد کی تعداد ۱۶/ ہے۔ شاہ جہاں

کی محبوب بیوی ممتاز محل (جس کی محبت میں شاہ جہاں نے تاج محل بنوایا تھا) کے بطن سے ۱۴/ اولاد ہوئی۔ اورنگ زیب عالم گیر کو باعتبار ترتیب چھٹا درجہ حاصل ہے۔ جہاں گیر بن اکبر (اونگ زیب کے دادا) احمد نگر کے سپہ سالار ملک عنبر کو شکست دے کر آگرہ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ دریں اثنا مالوہ و گجرات کے سرحدی مقام "دوحد" میں رات کے وقت ۱۵/ ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ/ ۲۴/ اکتوبر ۱۶۱۸ء کو ہندوستان کے جلیل القدر شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کی ولادت ہوئی۔

اورنگ زیب کی ولادت اور پیشین گوئی سے متعلق آپ کے دادا جہاں گیر اپنی تزک میں لکھتے ہیں:

"اورنگ زیب عالمگیر کی ولادت ۱۵/ ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ کو ہوئی، اس کی پیدائش اس سلطنت کے لیے باعث برکت ہوگی۔"(۱)

دادا جہاں گیر کی پیشین گوئی پوتا اورنگ زیب کے بارے میں سچ ثابت ہوئی اور یہی بچہ آگے چل کر مغل سلطنت کی بقا و استحکام اور وسعت و ہمہ گیری کا باعث بنا اور عالم گیری حکومت کی برکت سے چمنستانِ ہند لالہ زار بن گیا۔

پروفیسر جدو ناتھ سرکار اپنی کتاب "اورنگ زیب" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"یہ اسی اورنگ زیب کا دورِ مسعود تھا جب کہ حکومتِ مغلیہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچی اور ابتدائے عہد تاریخ برطانوی حکومت کے قیام تک کے زمانہ میں شاید یہ واحد حکومت ہے جس نے اتنی وسعت حاصل کی۔ غزنی سے مالا بار کے دور دراز مقامات پر بھی اسی بادشاہ (اورنگ زیب) کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اسلام کی آخری سب سے بڑی ترقی کا یہی زمانہ تھا۔"(۲)

ولادت کی خوشی میں اورنگ زیب کے والد شاہ جہاں نے حسب دستور اپنے والد جہاں گیر کو ایک ہزار کی اشرفی نذر کی اور اس فخر روزگار بچے کا نام دادا جہاں گیر نے "اورنگ زیب" رکھا۔ ایک درباری شاعر نے "آفتابِ عالم تاب" سے تاریخ ولادت نکالی۔ یعنی ۱۰۲۷ھ

ایک دوسرے شاعر نے یہ تاریخ ولادت کہی: ع

---

(۱) تزکِ جہاں گیری، ص:۲۹۶، مکتبۃ الحسنات، دہلی۔

(۲) مقدمہ رقعات عالم گیر، ص:۱۱۵، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

گوہر تاجِ ملوک اورنگ زیب

ملا محمد صالح کنبوہ کے بقول "جب دوحد سے کوچ کر کے صوبہ مالوہ میں خیمے ہوئے تو شاہ جہاں کے حکم سے اجین میں جشن ولادت منعقد ہوا۔حضرت جہاں گیر (شاہ جہاں کے والد) مبارکباد کے لیے خود تشریف لائے۔شاہ جہاں نے جواہرات پر مشتمل بیش قیمت پیش کش اور پچاس تنومند ہاتھی (اپنے والد جہاں گیر کو) نذر کیے۔"[1]

تعلیم و تربیت:-

شہزادۂ عظیم الشان محی الدین اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت عظیم الشان پیمانے پر ہوئی اور مشہور علمائے دہر و فضلائے عصر آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیے گئے۔تذکرہ نگاروں نے اساتذۂ اورنگ زیب کے سلسلے میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں:

(۱)-رئیس المفسرین حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی۔

(۲)-وزیر اعظم شاہ جہاں علامہ سعد اللہ۔

(۳)-میر محمد ہاشم گیلانی۔

(۴)-شیخ محی الدین عرف ملّا موہن بہاری۔

(۵)-علامہ سید محمد قنوجی۔

(۶)-شیخ دانش مند خان۔

اورنگ زیب کا فضل و کمال:-

مندرجہ بالا علمائے کرام میں سے ہر ایک اپنی جگہ علم و حکمت کے بادشاہ تھے، اورنگ زیب عالم گیر نے انھیں باکمال اساتذہ سے مروجہ علوم و فنون حاصل کیے اور بالآخر ہندوستان کا یہ بے مثل فرماں رواں مملکتِ دنیا کے ساتھ مملکتِ دین و شریعت کا بھی بادشاہ بن گیا۔

عالم گیر نامہ کا یہ اقتباس پڑھیے:

(۱) شاہ جہاں نامہ، ص:۵۶، مکتبہ الحسنات، دہلی۔

''از علومِ مکتسبہ وفنونِ متعارفہ تام النصیب کامل التحصیل واز مبدأ اَفیاض بحمائدِ صوری و محامدِ معنوی بہرہ مندو کامیاب۔''

یعنی اورنگ زیب عالم گیر نے مروجہ علوم وفنون سے وافر حصے جمع کیے اور کامل التحصیل ہوئے۔ مبدأ اَفیاض اللہ رب العزت نے اورنگ زیب کو ظاہری کمالات اور باطنی محاسن سے کامیاب وسرفراز فرمایا تھا۔

اورنگ زیب عالم گیر ایک باکمال عالمِ دین، بے مثال فقیہ و محدث، بلند پایہ نثر نگار اور لاجواب ادیب وخطّاط تھے۔ شریعت کے ساتھ طریقت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ تصوف و سلوک کا مطالعہ بڑا گہرا اور وسیع تھا۔ امام غزالی اور مخدوم بہاری شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہما کی کتابوں سے خاص شغف تھا۔ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کے تو گویا حافظ تھے۔ یہ دونوں کتابیں سفر وحضر میں ساتھ رکھتے اور ان کا مطالعہ کیا کرتے۔ علوم ظاہری کے ساتھ علومِ باطنی میں بہت سارے کمالات حاصل کیے۔ اور ایک خدار سیدہ بزرگ کی حیثیت سے پوری زندگی بسر کی اور عام بادشاہوں کی طرح دنیاوی آلائشوں سے بہت دور رہے۔

بیس سال کی عمر ہی میں حضرت خواجہ معصوم سرہندی بن مجدد الف ثانی سے مرید ہو گئے تھے۔خواجہ معصوم نے اپنے صاحب زادے خواجہ سیف الدین کو اورنگ زیب عالم گیر کی تعلیم و تربیت، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ حال وقال کے لیے دہلی بھیجا اورخواجہ سیف الدین، اورنگ زیب کے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ احوال میں شب وروز منہمک رہے۔

خواجہ معصوم سرہندی، اورنگ زیب کو ''شہزادۂ دین پناہ'' اور خواجہ سیف الدین سرہندی ''بادشاہِ دین پناہ'' کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔

شہنشاہ اورنگ زیب کا سب سے بڑا دینی وعلمی کارنامہ ''فتاویٰ عالم گیری'' کی جمع وترتیب کا انتظام واہتمام کرنا ہے۔ اورنگ زیب کی فقہی بصیرت اور علمی وجاہت کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ''فتاویٰ عالم گیری'' کی ترتیب وتدوین کے زمانہ میں شیخ نظام الدین برہان پوری (جو اس اہم علمی کام کے صدر اعلیٰ تھے) کا معمول تھا کہ ہفتہ میں تین روز کچھ حصہ اورنگ زیب عالم گیر کو لے جا کر سناتے تھے۔ اورنگ زیب کی نظر میں جب کوئی مسئلہ کھٹکتا تو اس پر شیخ سے بحث وتمحیص

کیا کرتے تھے۔"[1]

حصولِ علم کا شوق اور مطالعے کی پیاس آخر عمر تک نہیں بجھی۔ جب بھی موقع ملتا ایک باذوق طالب علم کی طرح کتابوں کی دنیا میں کھو جاتے اور علمائے عصر و فضلائے دہر کے حلقۂ درس و افادہ میں پابندی سے شریک ہوتے اور دینی علوم سے فیضیاب ہوتے۔

گویا اورنگ زیب عالم گیر تحصیلِ علم کے معاملے میں "اطلبوا العلم من المھد إلی اللحد" کے اصول پر کاربند تھے۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپے میں بھی تحصیلِ علم کا جذبہ برقرار رہا۔

اورنگ زیب کے علمی تبحر، دینی بصیرت، کثرتِ مطالعہ اور وسعتِ فکر و نظر کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں اور ان کا ادبی کمال تو تاریخی مسلّمات میں سے ہے۔ رقعاتِ عالم گیر اور احکامِ عالم گیری نامی کتابیں ان کی ادبی لیاقت اور ان کے بے مثال ادیب و انشا پرداز ہونے کی روشن دلیل فراہم کرتی ہیں۔

پروفیسر رشید احمد جالندھری لکھتے ہیں:

"اورنگ زیب کی شخصیت کا ایک پہلو وہ ہے جسے ہم "رقعاتِ عالم گیر" میں دیکھتے ہیں جہاں وہ ایک معلم اور فرض شناس باپ کی صورت میں نمودار اور سلیقے سے بیٹوں کو نصیحت کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی شخصیت کو ہم موجودہ کتاب "احکامِ عالم گیری" میں ایک مدبّر اور بیدار مغز حکمراں کی صورت میں دیکھتے ہیں.......... ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب کو فارسی اور عربی پر کس قدر عبور حاصل ہے۔ ان خطوط میں وہ موقع کی مناسبت سے سعدیؔ، رومیؔ اور دوسرے بلند پایہ فارسی شعرا کے اشعار کو نقل کرتے ہیں اور بعض مقامات پر قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ، احادیث نبوی، فنِ حدیث میں احادیث کے مقام کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً ایک خط میں انھوں نے مشہور حدیث "إنما الاعمال بالنیات" درج کی ہے، اس حدیث پر اورنگ زیب لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے بلکہ درجۂ تواتر (حدیثِ متواتر) کے قریب جا پہنچی ہے۔"[2]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملّا احمد جیون اور دیگر اساتذۂ کرام نے اپنے علم و حکمت کا جام

---

(۱) عربی زبان و ادب: عہدِ مغلیہ میں، ص:۲۴۶، نظامی پریس، لکھنؤ۔
(۲) احکامِ عالم گیری، ص:۶، ۷، مکتبۃ الحسنات، دہلی۔

اورنگ زیب کے سینے میں انڈیل دیا تھا، تبھی تو اورنگ زیب علم و ادب کے ذروۂ کمال پر فائز نظر آتے ہیں۔ مروّجہ علوم کا کوئی گوشہ آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھا۔

اورنگ زیب کا درباری مؤرخ محمد کاظم شیرازی رقم طراز ہیں:

"از کمالاتِ کسبیۂ آں حضرت کہ زینت بخشِ حالاتِ قدسیہ و حسبیہ گشتہ، تتبع علومِ دینیہ از تفسیر عربیہ و فقہ شریعتِ حنفیہ است۔ از بس بہ ممارست مراتب اشرف و استکشافِ عقائدِ اصلیہ و مسائلِ شرعیہ اشتغال در زیدہ اند۔"(۱)

مآثر عالم گیری کے مصنف مستعد خان ساقی کے الفاظ ہیں:

"قبلۂ عالم (شہنشاہ اورنگ زیب) کے کمالاتِ کسبیہ کا عظیم الشان کارنامہ علومِ دینیہ یعنی فقہ و تفسیر و حدیث کی تحصیل ہے۔ جہاں پناہ کو حضرت امام غزالی کی تصنیفات، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (مخدوم بہاری) کے مکتوبات و شیخ زین الدین و قطب الدین و محی الدین شیرازی کے رسائل سے خاص شوق اور یہ کتابیں اکثر مطالعہ میں رہا کرتی تھیں۔"(۲)

ملّا جیون امیٹھوی، ملا موہن بہاری، سید محمد قنوجی وغیرہم کی بافیض درس گاہوں سے اورنگ زیب نے جملہ علوم و فنون کو مکمل طور سے حاصل کیا، عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں میں پوری مہارت پیدا کی اور عربی و فارسی خط (نسخ و نستعلیق) میں ملکہ حاصل کیا۔

اسی کے ساتھ فنونِ حربیہ، ملکی آئین، طریقِ جہاں بانی و دستورِ فرماں روائی کا وہ بہترین سلیقہ فراہم کیا کہ اس ننھی سی عمر (۱۸ر سال) میں سب سے زیادہ پُر آشوب صوبوں یعنی صوبہ جاتِ دکن کی وہ کامیاب گورنری کی کہ بعد کے کہنہ مشق حکام اور افسران اس کامیابی کے ساتھ حکومت نہ کر سکے۔(۳)

اورنگ زیب عالم گیر عالم و فاضل ہونے کے ساتھ کلام اللہ کے بہترین حافظ بھی تھے۔ اور یہ بات باعثِ حیرت و تعجب ہے کہ انھوں نے یہ فخر و سعادت بچپن میں بہ سلسلۂ تعلیم نہیں بلکہ اپنی

(۱) مقدمہ رقعات عالم گیر، ص:۱۲۶، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔
(۲) عربی زبان و ادب: عہدِ مغلیہ میں، ص:۲۲۳، نظامی پریس، لکھنؤ۔
(۳) علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج:۱، ص:۴-۷۱، ایم برادرس کتابستان، دہلی۔

عمر کی ۴۳؍ بہاریں گزر جانے کے بعد حاصل کی تھی۔ اس وقت جب کہ تمام ہندوستان کو برادرانہ جنگ کی مصیبتوں سے نجات مل چکی تھی اور اورنگ زیب بلا شرکت غیر پورے ہندوستان کا شہنشاہ بن چکا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ یہ اس کی پہلی ریاضت یا رسمِ شکرِ الٰہی تھی، جو انھوں نے بادشاہ ہونے پر اس معبودِ تاج بخش کی خدمت میں پیش کی۔ ابتدائے حفظِ قرآن کی تاریخ آیتِ کریمہ ''سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ''[۱۰۷۱ھ]اور اختتام کی تاریخ ''لوحِ محفوظ'' سے نکلتی ہے۔ ایک سال کے اندر کلام مجید کو حفظ کر لینا ان حالات میں جب کہ اورنگ زیب طرح طرح کی پریشانیوں میں الجھا ہوا تھا، یہ ان کی مضبوط قوتِ حافظہ کی دلیل ہے۔ اورنگ زیب کے ایک مقرّب شاعر ضمیر نے حفظ قرآن کی تکمیل کے موقع پر یہ شعر کہا۔

تو حامیِ شرع و حامیِ تو شارع
تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو(۱)

اورنگ زیب عالم گیر کی سادہ فکر و شخصیت میں علم و حکمت اور فضل و کمال کا رنگ بھرنے اور انھیں ظاہری و باطنی محاسن و کمالات سے آراستہ کرنے میں آپ کے یگانۂ روزگار اساتذہ میں سے رئیس المفسرین حضرت ملّا احمد جیون قدس سرہٗ کا بھی بڑا اہم رول تھا۔ اورنگ زیب عالم گیر نے اپنے فائق الاقران استاذ ملّا احمد جیون سے اعلیٰ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ملّا موصوف کی فکر و شخصیت، سادگی و عاجزی اور تواضع و انکسار کی جھلک ان کے محبوب شاگرد اورنگ زیب عالم گیر میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

حضرت ملّا احمد جیون کس طرح اورنگ زیب کے اتالیق اور استاذ مقرر ہوئے؟

اس سلسلے میں ذیل کا اقتباس پڑھیں۔ کتاب تاریخ سلاطینِ شرقی اور صوفیۂ جون پور میں لکھا ہے کہ:

جب شاہ جہاں بادشاہ کو شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسے استاذ کی ضرورت ہوئی جو علومِ ظاہری کے علاوہ اخلاق و عادات اور آدابِ نبوی کے طریقے پر تعلیم دے سکے اور شاگرد کو اسلامی سانچے میں ڈھال کر سچا و پکا مسلمان بنا سکے تو پہلے دہلی اور اس کے قرب و جوار

(۱) مقدمہ رقعاتِ عالم گیر، ص:۱۲۵، ۱۲۶، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

میں ایسے استاذ کی تلاش ہوئی، مگر کوئی ان شرائط کو پورا نہ کر سکا۔ پھر جون پور پر نظر پڑی اور حاکم جون پور کو بلایا اور بادشاہ نے اپنا منشا ظاہر فرمایا۔ حاکم جونپور کو حضرت ملّا جیون سے ذاتی واقفیت تھی اور آپ کے زہد وورع کی وجہ سے بہت عقیدت مند بھی تھا۔ درباری علما سے مرعوب ہو کر حضرت ملّا جیون صاحب کے بارے میں کچھ عرض نہ کر سکا اور جون پور واپس آیا اور حضرت ملّا جیون کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ شروع میں ملّا جیون نے دہلی جانے سے صاف انکار کر دیا۔ الغرض حاکم جون پور نے بڑی منت وسماجت کر کے آپ کو راضی کیا اور دہلی لے جا کر دربار میں پہنچا اور آپ کی بے حد تعریف و توصیف فرمائی اور علم و فضل اور کمال کے بہت سے واقعات بیان فرمائے۔ بادشاہ (شاہ جہاں) ملّا جیون کو دیکھتے ہی گرویدہ ہو گیا اور آپ کی سادگی پر قربان ہو گیا۔

حضرت ملّا احمد جیون ایک سیدھے سادے مسلمان، موٹے گاڑھے کپڑے میں ملبوس، دنیا کی ہر فطرت سے ناواقف، پابندِ شریعت اور دل اللہ کے ذکر میں مشغول، السلام علیکم بلند آواز سے کہہ کر دربار میں کھڑے ہو گئے، نگاہِ سلطانی نے کئی بار اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ شہزادہ اورنگ زیب عالم گیر بلایا گیا، استاد شاگرد سے ملائے گئے۔ شہزادے نے استاذ سے مل کر بادشاہ کے حضور میں کچھ کہا۔ شہزادہ آپ کو لے کر شاہی محل میں چلا گیا۔ حضرت ملّا جیون صاحب کو اتالیقی (بچوں کو پڑھانے لکھانے کا کام) عطا کی گئی۔ رفتہ رفتہ بادشاہ، وزرا، امرا اور تمام اراکین سلطنت حضرت ملّا جیون کے معتقد اور ارادت مند ہو گئے۔ (۱)

بیعت وارادت:-

شہنشاہِ ہند محی الدین اورنگ زیب کو جو روحانی کمالات حاصل تھے، ان میں مجدد الفِ ثانی کے صاحبزادگان مثلاً حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی اور حضرت خواجہ محمد سعید سرہندی قدس سرہما کا بڑا اہم کردار ہے۔ خواجہ محمد سعید، خواجہ سیف الدین اور خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہم الرحمہ اشاعتِ سنت اور ازالۂ بدعت کی خاطر اورنگ زیب عالم گیر کو مسلسل خطوط لکھتے رہے اور بادشاہِ دین پناہ ان بزرگوں کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنی حکومت کو اسلامی اقدار کے سانچے میں

(۱) تاریخ سلاطین شرقی اور صوفیۂ جونپور، ص:۲۶۵،۱، شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس، جون پور۔

ڈھالنے کی سعیِ بلیغ کرتے رہے اور بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔

مشہور محقق خلیق احمد نظامی نے اکبر (اورنگ زیب کے پردادا) اور اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی کا تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اورنگ زیب نے سیاست میں اس راسخ العقیدگی کو متعارف کروایا جو نقشبندی مشائخ کی پیدا کی ہوئی تھی۔ اورنگ زیب کے مذہبی رجحانات پر نقشبندی مشائخ کی تعلیمات کا اتنا گہرا اثر ہے کہ اس کی سیاسی پالیسیوں میں صاف جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔"(۱)

عروۃ الوثقیٰ، قیوّم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی بن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہما کے دستِ پر بیعت وارادت کے بعد اورنگ زیب عالم گیر کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا اور ہندوستان جیسی وسیع اور ہمہ گیر سلطنت کے حاکم وشہنشاہ ہونے کے باوجود اورنگ زیب نے درویشانہ زندگی کو ترجیح دی۔ شاہانہ طمطراق ور حاکمانہ کرّوفر سے دور ونفور رہ کر پوری زندگی عام انسانوں جیسی بسر کی اور اپنے دین پر دنیا کو کبھی غالب نہ ہونے دیا۔

حضرت اورنگ زیب عالم گیر کی قلندرانہ شخصیت، عارفانہ مزاج، عبادت وریاضت، زہد وورع اور ان کے تمام ترفضل وکمال دیکھ کر کبار مشائخ وصوفیہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اورنگ زیب عالم گیر اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کا بھرپور احترام وتوقیر کیا کرتے تھے اور ان کی تعلیمات وہدایات سے اپنی باطنی دنیا سنوارا کرتے تھے۔ سیرت وسوانح کی کتابوں میں خواجہ معصوم کے متعدّد خطوط اورنگ زیب کے نام ملتے ہیں۔

روضۃ القیوّمیہ کے حوالے سے اورنگ زیب کی خواجہ معصوم سرہندی سے بیعت ورادت کا حال ملاحظہ کریں:

شاہ زادہ محمد اورنگ زیب آں حضرت (خواجہ معصوم سرہندی) سے بیعت ہوا۔ وہ اپنے مرید ہونے کی وجہ یہ بتلاتا ہے کہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے۔ اور خلقت پریشان حال دکھائی دے رہی ہے۔ عذاب کے فرشتے لوگوں کو کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کا عذاب پہنچاتے ہیں۔ مجھے بھی پکڑ کر دوزخ میں لے جانا چاہا۔ اس اثنا میں حضرت معصوم تخت

(۱) روضۃ القیوّمیہ، ج:۲، ص:۴۸، مکتبہ نبویہ، لاہور، پاکستان۔

پر بیٹھے ہوئے ظاہر ہوئے۔ تو میدان قیامت میں شور مچ گیا کہ حضرت عروۃ الوثقیٰ امام معصوم آ گئے ہیں، جن کے سپرد حق تعالیٰ نے گنہگاروں کو عذاب دوزخ سے چھڑانا کیا ہے۔ آپ نے پہلے ان آدمیوں کو چھڑایا جنھیں عذاب دیا جا رہا تھا۔ بعد میں اس احاطے کی طرف متوجہ ہوئے جہاں تمام جہان کے گنہ گار قید تھے۔ سب کو وہاں سے رہائی دلوائی اور ہر ایک کو خلعتِ فاخرہ دے کر بہشت میں بھیج دیا۔ لیکن جنھیں بخشش نصیب ہوئی وہ دو قسم کے تھے۔ ایک گرو کو تو فقط خلعت عنایت ہوئی اور دوسرے کو خلعت معہ جنتی براق بھی دیے گئے، اور ان کے چہرے چاند کی طرح چمکتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں جن پر اس قدر رحمتِ الٰہی ہوتی ہے؟ جواب ملا: یہ گزشتہ انبیا کی امتیں ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امتِ مرحومہ ہے۔" اس امتِ مرحومہ میں میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ نور اور روشنی کا لباس پہنے ہوئے ہیں، اور بہشت کے فرشتے ان کے ساتھ ہیں اور آفتاب کی طرح چمک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: "یہ حضرت عروۃ الوثقیٰ کے مرید ہیں۔ اتنے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میری طرف توجہ کر کے فرمایا کہ اسے بھی تخت اور نوری لباس دو، کیوں کہ یہ ہمارا مرید ہے، بعد ازاں مجھے زمرّد کا تخت اور نور کا لباس عنایت ہوا۔

یہ خواب دیکھ کر صبح حاضر خدمت ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ نے اس سے پہلے فرمایا تھا کہ شاہ جہاں کے بیٹوں میں سے جو سب سے پہلے آ کر مرید ہو گا، ہم تاج سلطنت اس کے سر پر رکھیں گے۔ چوں کہ شہزادہ اورنگ زیب پہلے مرید ہوا۔ اس لیے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلطنت کی خوشخبری اسے عنایت فرمائی۔ اور بیشتر اس کے کہ شاہزادہ خود خواب کو بیان کرے، آں حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس طرح تو نے خواب میں دیکھا ہے، انشاء اللہ اسی طرح قیامت کے دن تو ہمارے ساتھ ہو گا۔ (۱)

نظامتِ دکن اور شادی خانہ آبادی:-

نظامتِ دکن اورنگ زیب کی سیاسی زندگی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ اورنگ زیب کی قسمت کا ستارا اسی دکن کے افق سے طلوع ہوا۔ اور آگے چل کر اورنگ زیب عالم گیر آسمانِ مملکتِ ہند کا

(۱) روضۃ القیومیہ، ج:۲، ص:۱۰۵، مکتبہ نبویہ، لاہور۔

خورشید درخشاں بن گیا، جن کی تابانیوں سے آج بھی ملک کا چپّہ چپّہ روشن ہے۔ بندیلہ جنگ کی کامیابی کے بعد شاہ جہاں نے اپنے ہونہار فرزند اورنگ زیب کو ۳؍ ذی الحجہ ۱۰۴۵ھ/۲۹؍ اپریل ۱۶۳۶ء میں تمام دکنی علاقوں کا ناظم اور صوبہ دار بنادیا۔

اس زمانے میں صوبہ دار کی حیثیت وہی تھی جو آج کے زمانہ میں کسی ریاست و صوبہ کے وزیر اعلیٰ (چیف منسٹر) کی ہوا کرتی ہے۔ اورنگ زیب کو دکن کی صوبہ داری پر مقرر ہوئے تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ انھیں اپنی شادی خانہ آبادی کے لیے دکن سے آگرہ آنا پڑا۔ مغل سلاطین، ہندوستان کے فضلا اور ایران کے شاہی خاندان کے ارکان سے رشتہ داریاں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اورنگ زیب کے لیے بھی ایران کے سابق امیر مرزا رستم خان کے لڑکے نواب شاہ نواز خان کی لڑکی ''دل رس بانو'' کا انتخاب ہوا۔ رستم خان صفوی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اورنگ زیب ۳۰؍ ذی قعدہ ۱۰۴۶ھ/۱۵؍ اپریل ۱۶۳۷ء کو آگرہ کے قریب پہنچے تو والد گرامی شاہ جہاں نے مندرجہ ذیل دو اشعار لکھ کر اورنگ زیب کو روانہ کیا۔

با مژدہ اگر زود در آئی چہ شود
یاتاختہ پیش از خبر آئی چہ شود
زود آمد نت نظر بہ شوقم و براست
از زود اگر زود تر آئی چہ شود

چنانچہ دوسرے ہی دن ۱۶؍ اپریل ۱۶۳۷ء کو اورنگ زیب والد ماجد شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اس وقت دارا اور شجاع (اورنگ زیب کے بھائی) کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ ان دونوں کی شادیوں کے تمام اخراجات ان کی بڑی بہن جہاں آرا بیگم نے برداشت کیے تھے۔ لیکن اورنگ زیب کی شادی کے تمام اخراجات خود ان کے والد شاہ جہاں نے ادا کیے۔ ۲۲؍ ذی الحجہ ۱۰۴۶ھ/۷؍ مئی ۱۶۳۷ء کو حنا بندی کی رسم ادا کی گئی۔ اور اس کے دوسرے دن بارات شاہ نواز خان (اورنگ زیب کے سسر) کے گھر گئی۔ ۲۹؍ ذی الحجہ ۱۰۴۶ھ/۱۴؍ مئی ۱۶۳۷ء کو بادشاہ یعنی شاہ جہاں، اورنگ زیب کے گھر آگیا۔ شہزادہ اورنگ زیب نے والد کو نذر پیش کیے، امرا کو خلعت عطا کیے اور اس طرح یہ شادی ختم ہوئی۔ (۱)

(۱) مقدمہ رقعاتِ عالم گیر، ص: ۱۴۶، ۱۵۱، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

دل رس بانو کے علاوہ اورنگ زیب کی تین بیویاں اور بھی تھیں۔

(۱)-نواب بائی (رحمت النسا بیگم) (۲)-اورنگ آبادی محل۔ (۳)-اودے پوری محل۔

اورنگ زیب عالم گیر کے کل پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔

دل رس بانو سے پانچ اولادیں ہوئیں:

(۱)-زیب النسا (ملّا احمد جیون کی شاگردہ) (۲)-زینت النسا۔ (۳)-زبدۃ النسا۔ (۴)-محمد اعظم۔ (۵)-محمد اکبر۔

نواب بائی سے تین اولادیں تھیں:

(۱)-محمد سلطان (۲)-محمد معظم (قاضی محب اللہ بہاری کے شاگرد) (۳)-بدر النسا۔

اورنگ آبادی محل سے صرف ایک شہزادی ''مہر النسا'' اور اودے پوری محل سے ایک شہزادہ ''کام بخش'' تھا۔[1]

اورنگ زیب عالم گیر کی جرأت و بہادری:-

ہندوستان کی ممتاز ترین ہستیوں میں اورنگ زیب کا نام ہمیشہ ممتاز نظر آئے گا اور ہندوستان کے سورماؤں اور دلیروں کی فہرست میں اورنگ زیب کی ذات سرِ فہرست ہوگی۔ اورنگ زیب کی فولادی شخصیت اور ان کی شجاعت و بہادری اور جرأت و بسالت کے مقابلے میں زور آور سپاہیوں کی دلیری، فوجوں کی کثرت، توپوں کی گرج، شمشیروں کی جھنکار اور تیروں کی بوچھار کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اورنگ زیب کی جرأت و بہادری کا ایک نمونہ ملاحظہ کریں:

جس زمانہ میں اورنگ زیب کے والد شاہ جہاں لاہور میں قیام پذیر تھے ان ایام میں اکثر اوقات شالامار باغ میں ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بنگال کے ضلع دار نے چالیس جنگی تربیت یافتہ ہاتھی خدمت شاہی میں بھیجے اور ان کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کی۔ بادشاہ دریچہ سے ہاتھیوں کے کھیل ملاحظہ فرما رہے تھے اور چاروں شہزادے گھوڑوں پر سوار تھے اور ہاتھیوں کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ اچانک ایک ہاتھی اپنے مد مقابل کے سامنے سے بھاگا اور

(۱) مقدمہ رقعاتِ عالم گیر، ص: ۱۵۳، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

شہزادوں کی طرف رخ کیا۔ تینوں شہزادے گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے مگر محمد اورنگ زیب جن کی عمر صرف چودہ سال کی تھی، نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور ذرا بھی جنبش نہ کی یہاں تک کہ ہاتھی ان کے پاس سے گزر گیا۔ دوسرا ہاتھی اس کے تعاقب میں تھا، وہ اپنے حریف کو چھوڑ کر خود شاہزادوں کی طرف متوجہ ہوا۔ شاہ زادہ اورنگ زیب کے ہاتھ میں نیزہ تھا، انھوں نے اس نیزہ سے ہاتھی پر حملہ کر دیا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ کی ضرب سے شاہزادے کے گھوڑے کو زمین پر گرادیا، اورنگ زیب نے ایک جست لگا کر نیزہ پھر اٹھالیا اور اس کو ہاتھی کے سر پر مارنا ہی چاہتے تھے کہ اسی اثنا میں لوگ بھی وہاں پہنچ گئے۔ شاہ جہاں انتہائی بے چینی اور پریشانی کی حالت میں دریچہ سے نیچے تشریف لائے اور شاہزادہ آہستہ آہستہ اطمینان سے بادشاہ کے پاس آگئے۔ اعتماد خان ناظر شہزادے کے قریب پہنچ گئے۔ یہ اعتماد خان شہزادے کے نانا آصف خان کے خاندان سے ہونے کی وجہ سے ان کا رشتہ دار بھی تھا۔ اس لیے پریشان تھا۔

شہزادے نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ”اگر ہاتھی یہاں ہوتا تو میں جلدی بھی کرتا اب پریشانی کی کیا بات ہے۔“ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے ایک لاکھ روپیہ شہزادے پر نچھاور کیا اور ان سے فرمایا: ”بابا خدا کا شکر ہے کہ خیریت سے معاملہ گزر گیا، اگر خدانخواستہ کچھ اور ہوجاتا تو کیسی رسوائی کی بات ہوتی۔“ شہزادے نے تسلیمات بجا کر عرض کیا: ”اگر کچھ اور پیش آتا تو اس میں رسوائی کی کوئی بات نہ تھی۔ رسوائی تو اس میں ہے جو دوسرے بھائیوں نے کیا۔ (۱)

اورنگ زیب کی ہمت و جرأت اور شجاعت و بہادری کے ان گنت واقعات تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔ بخوفِ طوالت صرف اسی ایک واقعہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اورنگ زیب کی خدمات اور ملکی اصلاحات:-

مسکرات کی بندش، (شراب نوشی پر پابندی) خرابات خانوں وغیرہ کی ممانعت، ان کے ٹیکسوں کی موقوفی، محکمہ احتساب، اور وکیل شرعی کا قیام، پرچہ نویسی کی توسیع، درباری تکلّفات کی منسوخی، سلام مسنون کا اجرا وغیرہ۔

(۱) احکامِ عالم گیری، ص:۲۸، مکتبۃ الحسنات، دہلی۔

(۱)- کابل سے اورنگ آباد تک آگرہ کے راستے پر ہر ایک منزل پر سرائیں بنوائیں، جن کے اخراجات شاہی خزانے سے ملتے تھے، کھانا پکانے کے برتن سرکاری ہوتے تھے۔

(۲)- قدیم سڑکوں اور سراؤں کی مرمت کروائی، ان کے انتظامات کو ٹھیک کیا، چھوٹے دریاؤں پر پل بندھوائے، بڑے دریاؤں کے ہر ایک گھاٹ پر عبور کرنے کے لیے کشتیاں تیار رکھنے کا انتظام کیا۔

(۳)- سرکاری طور سے سڑک پر تین تین کوس کے فاصلہ پر ہرکاروں کی چوکیاں قائم کیں۔ ان کے ذریعہ سے ملک کے تمام حصوں میں سہولت اور عجلت کے ساتھ ڈاک پہنچ جاتی تھی۔

(۴)- غریبوں اور لُولے لنگڑوں کے لیے جابجا سرکاری غریب خانے اور مطب کھلوائے۔

(۵)- مساجد اور مندروں کے لیے آراضی وقف کیں۔

(۶)- تابوت اور تعزیوں کے جلوس کو بند کرایا۔[1]

(۷)- رسمِ ستی کی قباحت آج اس رسم کے ماننے والے بھی تسلیم کر چکے ہیں، انگریزی حکومت نے اس کو قانوناً ممنوع کر دیا تھا، مگر چوں کہ مسلمان بادشاہ کے لیے مذہباً جائز نہیں کہ کسی قوم کو اپنے عقائد پر عمل کرنے سے روکے، لہٰذا مسلمان بادشاہوں نے اس کو قانوناً نہیں روکا۔ البتہ سلطان عالم گیر نے یہ پابندی ضرور لگادی کہ صوبہ دار (گورنر) کی اجازت کے بغیر کوئی ستّی نہ ہو۔ پھر اس پر بھی صوبہ دار کو ہدایت تھی کہ وہ نرمی کے ساتھ باز رہنے کی فہمائش کرے اور وہ خود نہ سمجھا سکے تو اپنی مستورات کے ذریعہ سے اس پر اثر ڈالے۔

(۸)- اکبر کے زمانہ سے یہ طریقہ جاری تھا کہ بادشاہ لوگوں کو مرید کیا کرتا۔ اورنگ زیب عالم گیر بھی اپنے مکاتیب میں والد شاہ جہاں کو پیر و مرشد لکھا کرتے تھے، لیکن سلطان عالم گیر نے اس سیاسی تصنّع کو قطعًا بند کر دیا۔

۱۱۰۰ھ میں بنگالہ سے ایک شخص مرید ہونے کے لیے آیا۔ صلابت خان میر توزک نے اس کو عالم گیر کے سامنے پیش کیا۔ عالم گیر نے کچھ سونے چاندی کے زیورات اور ایک سو روپیہ صلابت خان کو دے کر کہا کہ اس شخص کو دے دو اور کہہ دو کہ ہم سے جس فیض کا تصور ہو سکتا ہے، وہ یہی ہے۔

(۱) تاریخ ہندوستان، ج:۸، ص:۲۷۶۔

(۹)-خدا کی پناہ! انسان اپنی ذات کے لیے غریب انسانوں پر کس طرح ظلم کا خوگر ہے۔ کسی مرد کو خصی کرنا شرعاً حرام ہے۔ مگر دوسرے مغل بادشاہوں نے اس کو جاری رکھا تاکہ محل سرا میں ذات شاہانہ کی حفاظت کرسکیں۔ عالم گیر نے اس ملعون طریقہ کو ممنوع قرار دیا۔

(۱۰)-شاہ جہاں نے دربار میں سجدہ اور پھر زمین بوسی کا طریقہ بند کر دیا تھا، مگر درشن کے طریقہ میں غالباً اس کو کوئی قباحت نظر نہیں آئی۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ ایک فرقہ درشنیوں کا پیدا ہو گیا تھا۔ جو صبح کو بطور عبادت بادشاہ کا جمالِ مبارک دیکھنے آتے تھے اور جب تک زیارت نہیں کرتے تھے، کچھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ اس عقیدہ کے بموجب بادشاہ ایک معبود بن جاتا ہے، کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں بلکہ کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ معبودیت کے کسی درجہ میں بھی اپنے آپ کو پیش کرے۔ عالمگیر کی دقیقہ رس نظر نے اس شرعی قباحت کو محسوس کیا اور ۱۰۷۹ھ میں اس کو بند کر دیا۔

(۱۱)-اورنگ زیب سے پہلے بادشاہوں کے یہاں درباری شعرا زیب دربار ہوا کرتے تھے، جو بادشاہ کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے اور بڑے بڑے وظیفے اور انعامات پاتے تھے۔ ان کا ایک افسر ملک الشعرا ہوتا تھا۔ شاہ جہاں نے اس مسرفانہ رسم پر متعدّد بار دریادلی کے جوہر دکھائے ہیں۔ حتیٰ کہ شعرا کو سونے چاندی سے بھی تلوادیا۔ مگر عالم گیر جیسے خدارسیدہ انسان کے لیے یہ کب ممکن تھا۔ اس نے ۱۰۷۹ھ میں اس سلسلہ کو بھی ختم کر دیا۔

(۱۲)-اگرچہ عالم گیر خود فن موسیقی کا ماہر تھا، لیکن مزامیر کے ساتھ گانا چوں کہ شرعاً ممنوع ہے نیز دربار شاہی کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا عالم گیر نے اس صیغہ کو بھی تبدیل کر دیا۔ لوگوں نے اس پر ایک مصنوعی جنازہ نکالا تو عالم گیر نے دیکھ کر کہا کہ ہاں! مگر ایسا دفن کرنا کہ پھر زندہ نہ ہو۔

(۱۳)-سن شمسی کو جو پارسیوں کی تقلید سے قائم کیا گیا تھا، قمری سے بدل دیا۔

(۱۴)-سکّہ کے ایک طرف کلمۂ طیّبہ ہوتا تھا، سکہ زمین پر پھینکا جاتا تھا، پیروں کے تلے آجاتا تھا۔ عدالتوں میں حاکم اونچی جگہ پر بیٹھتا تھا اور روپیہ وغیرہ جو جمع ہوتا تھا، وہ کارندوں کے پاس نیچے رہتا تھا۔ غرض مختلف صورتوں میں کلمۂ طیّبہ کی بے ادبی ہوتی تھی۔ لہٰذا عالم گیر نے کلمۂ طیّبہ کے نقش کو سکوں سے محو کرادیا۔

نوٹ:- اورنگ زیب عالم گیر کی ہمہ جہت خدمات و اصلاحات سے متعلق یہ ساری

تفصیلات ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' ۱/۵۶۵ر سے ماخوذ ہیں۔

تاریخ دعوت و عزیمت کا یہ اقتباس بھی پڑھیں:

''اورنگ زیب نے زمامِ سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہدِ اکبری کے مخالف اسلام اثرات کو مٹانے، شیعیت کے اثر کو کم کرنے، ایران کے ان مجوسیت آمیز تہذیبی اثرات کو جو دورِ اکبری میں قائم ہو گئے تھے اور جو ایرانی تقویم اور جشن نوروز کی شکل میں پائے جاتے تھے، ختم کرنے میں صَرف کیے محتسب کا شرعی عہدہ قائم کیا تاکہ وہ خلقِ خدا کو منہیات و محرمات سے منع کرے، حکومت کی بیش قرار نامشروع آمدنیاں موقوف کیں، سرود در قاضی اور جھروکہ درشن کو بند کیا، شرعی قاضی مقرر کیے اور قاضیوں کی آسانی کے لیے مسائلِ فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا بیڑا اٹھایا جس کے نتیجے میں ''فتاویٰ عالم گیری'' کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر، شام، ترکی میں بھی قانونِ اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ سمجھا گیا۔ کورنش و آداب کے غیر اسلامی اور غیر موحدانہ طریقے منسوخ کیے اور سلام مسنون کا اجرا کیا۔ ان اصلاحی و انقلابی کارناموں کے ماسوا جو دینی قدر و قیمت کے حامل ہیں، اس کی سب سے نمایاں صفت اس کی بیدار مغزی، مستعدی، فرض شناسی اور امورِ سلطنت میں جزو کل سے واقفیت اور نظم و نسق پر کلی طور سے حاوی ہونے کی کوشش ہے۔''(۱)

اورنگ زیب کی تقویٰ شعار زندگی:-

مشائخ نقشبندی مجددی کی نگاہِ کیمیا اثر اور صحبت فیض نے اورنگ زیب عالم گیر کو ایک صوفی منش انسان اور تقویٰ شعار بزرگ بنا دیا تھا۔ آپ کا قلندرانہ مزاج، زاہدانہ طریقۂ حیات اور اتباعِ سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی ایک تاریخی صداقت رکھتی ہے۔

مکتوباتِ خواجہ محمد معصوم سرہندی کا یہ چشم کشا پیراگراف ملاحظہ کریں:

''حضرت خلد مکاں (اورنگ زیب عالم گیر) مذہبی معاملات کے بے حد پابند تھے، حنفی المذہب سنی تھے، اسلامی فرائض خمسہ (پنج وقتہ نماز) کی پابندی اور ان کے اجرا میں بے حد کوشاں تھے۔ ہمیشہ باوضو رہتے اور کلمۂ طیّبہ و دیگر اوراد و وظائف ہر وقت زبان پر جاری رہتے تھے۔ نماز

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت، ج:۵، ص:۴۳، ۴۴، ندوۃ العلما، لکھنؤ۔

اولِ وقت مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ جمعہ کی نماز مسجدِ کبیر (جامع مسجد) میں عام آدمیوں کے ساتھ پڑھتے تھے۔ زکوٰۃ شرعی کی ادائیگی کا خاص اہتمام تھا۔ رمضان کا مقدس مہینہ ادائے صوم اور پابندیِ تراویح وغیرہ میں بسر ہوتا تھا۔ ہر ماہ ایامِ بیض (اسلامی مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے) کے روزوں کے بے حد پابند تھے ہر ہفتے پیر، جمعرات اور جمعہ کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ رمضان کے اخیر عشرے میں مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے۔ حج بیت اللہ کے بے حد مشتاق تھے، مگر موقع نہ مل سکا۔ ہر سال اور کبھی ہر دوسرے سال حرمین شریفین کے غریب زائرین و مجاورین کے لیے رقم کثیر ارسال کرتے تھے اور حجّاج کا ایک گروہ بادشاہ کی نیابت میں طواف حج وسلام رسانی میں مصروف رہتا تھا۔ مزامیر سے سخت پرہیز تھا۔ غیر مشروع لباس زیبِ تن نہیں فرماتے، سونے کے برتنوں سے اجتناب تھا۔ مجلس میں کبھی غیبت نہیں ہوسکتی تھی۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ امام غزالی وغیرہم صوفیہ کی کتابیں زیرِ مطالعہ رہتیں..... زمانۂ علالت میں بھی نمازِ باجماعت اور اوراد و وظائف کا اہتمام تھا۔ یومِ وفات یعنی ۲۸/ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ بروز جمعہ کی صبح کو فجر کی نماز کے لیے باہر آئے تھے۔ بے ہوشی ہوجانے کے بعد یادِ الٰہی سے غافل نہ تھے۔ عین عالمِ نزع میں کرب واضطراب کے باوجود تسبیح وتہلیل میں مشغول رہے۔"[۱]

اورنگ زیب عالم گیر کی بارہ وصیتیں:-

عام انسان کی وصیت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہوا کرتی ہے، چہ جائے کہ وہ کسی خاص انسان کی وصیت ہو۔ وصیت دل کی آواز ہوا کرتی ہے، اس آواز کے بین السطور سے کسی بھی انسان کی فکر و شخصیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آیت کریمہ: " تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" کے مطابق شہنشاہِ ہند حضرت محی الدین اورنگ زیب عالم گیر کی یہ بارہ وصیّتیں اپنے اندر بڑی اہمیت و معنویت رکھتی ہیں، ان وصیتوں کو سامنے رکھ کر ہم اورنگ زیب کے تقویٰ شعار زندگی کا بھرپور اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان وصایا کی روشنی میں اورنگ زیب کی قائدانہ بصیرت، سیاسی حکمتِ عملی، اصولِ جہاں بانی اور ان کی بے مثال سیادت کے اصول کی پرتیں کھلتی ہیں، اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر ہم اورنگ زیب کی

(۱) مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی، ص: ۲۴۰، ۲۴۱، فرقان بک ڈپو، لکھنؤ۔

ان بارہ وصیتوں کو یہاں نقل کر رہے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سلطان اورنگ زیب کی قبر کو اپنے انوار و تجلیات سے بھر دے اور امتِ مسلمہ کو ایک بار پھر اورنگ جیسا بالغ نظر قائد عطا فرمائے۔ آمین!

الحمد للّٰہ و الصلوٰۃ علی عبادہ الذین اصطفیٰ و رضا.

میری چند وصیتیں ہیں:

(۱)- پہلی یہ کہ اس عاصی غرق معاصی کو پاک و مقدس تربت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چادر میں لپیٹا اور کفنایا جائے، کیوں کہ گناہوں کے سمندر میں غرق شدہ لوگوں کے لیے سوائے اس درگاہ سے التجا کے رحمت اور مغفرت نہیں ہے اور اس سعادتِ عظمٰی کا سامان (یعنی چادر تربتِ مقدسہ و مطہرہ) فرزند ارجمند بادشاہ زادہ عالی جاہ کے پاس ہے۔ اس سے لے لیا جائے۔

(۲)- دوسری یہ کہ ٹوپیاں سینے کی (جو) مزدوری (میں نے جمع کی ہے) چار روپے دو آنے وہ آیہ بیگم محل دار کے پاس ہیں، (اس سے) لے لیں اور اس بے چارہ (اورنگ زیب) کے کفن پر چرچ کریں اور قرآن شریف کی کتابت سے جمع کیے ہوئے تین سو پانچ روپے میرے صرفِ خاص میں ہیں، وفات کے دن فقرا کو دے دیے جائیں، کفن و دفن کی ضروریات میں صرف نہ کریں۔

(۳)- تیسری یہ کہ باقی جو ضرورت (اخراجات کی) ہو وہ بادشاہ زادہ عالی جاہ کے وکیل سے لے لیں کہ اولاد میں وہی قریبی وارث ہیں۔ اور حلت و حرمت ان ہی کے ذمہ ہے، اس بے چارہ سے باز پرس نہیں کہ مردہ بدست زندہ۔

(۴)- چوتھی یہ کہ وادیِ گمراہی کے اس سرگشتہ کو برہنہ سر دفن کریں کہ جس تبہ روزگار گنہگار کو بادشاہِ عظیم الشان (خدائے تعالیٰ) کے سامنے لے جائیں گے تو البتہ وہ رحم کا مستحق ہوگا۔

(۵)- پانچویں یہ کہ تابوت کے صندوق کے اوپر معمولی کھردرا سفید کپڑا جسے گزی کہتے ہیں ڈالیں اور شامیانہ (کو) مغنّیوں (کی) یا مولود کی بدعت سے احتراز کریں۔

(۶)- چھٹی یہ کہ والیِ ملک پر واجب ہے کہ ان بے کس خانہ زادوں کی مدارات کریں جو اس بے شرم گنہگار (اورنگ زیب) کے ساتھ دشت و صحرا میں مارے مارے پھرتے ہیں، اور اگر ان سے واضح طور پر بھی کوئی قصور سرزد ہو تو حسنِ عفو اور درگزر سے کام لیں۔

(۷)- ساتویں یہ کہ ایرانیوں سے بہتر دفتری کام کے لیے کوئی اور نہیں ہے اور جنگ میں بھی حضرت جنت آشیانی (شاہجہان) کے عہد سے لے کر اب تک اس فرقہ میں سے کسی ایک نے معرکہ سے روگردانی نہیں کی، نہ ان کے پائے استقامت کو لغزش ہوئی۔ اس کے علاوہ انھوں نے کبھی خود سری اور نمک حرامی نہیں کی، لیکن چوں کہ عزت کے بہت زیادہ طالب ہیں اس لیے ان کے ساتھ نبھانا بہت مشکل ہے۔ لیکن بہر حال نبھانا چاہیے اور ناممکن کو ممکن کرنا چاہیے۔

(۸)- آٹھویں یہ کہ تورانی فرقہ کے لوگ سپاہی مقرر رہیں، وہ تاخت و تاراج کرنے، شبخون مارنے اور قید و گرفتار کرنے میں بہت اچھے ہیں اور عین جنگ کی حالت میں پسپائی سے کہ جس کا ترجمہ "تیر کو روک لینا ہے" انھیں کوئی وسواس و ہراس یا خجالت و شرمندگی نہیں ہوتی، اور ہندوستان کے جہل مرکب سے کہ "سر جائے مگر قدم نہ ہٹیں" بصد مرحلہ دور ہیں۔ بہر حال! اس جماعت پر رعایت کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اکثر جگہ جہاں یہ لوگ کام آتے ہیں دوسرے کام نہیں آتے۔

(۹)- نویں یہ کہ لازم السعادات، سادات بارہ کے ساتھ احترام و رعایت میں کوئی فرو گزاشت نہیں کرنی چاہیے اور "قریب والوں کو ان کا حق دو" کی آیت شریفہ کے بموجب عمل کرنا چاہیے۔ کیوں کہ آیت کریمہ "کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا بجز اس کے کہ میرے عزیزوں سے محبت کرو۔" کے بموجب یہ جماعت اجرِ نبوت ہے۔ اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیے کہ دنیا و آخرت میں خیر و فلاح کا باعث ہے۔ لیکن سادات بارہ کے ساتھ احتیاط کرنی چاہیے۔ محبت باطنی میں (تو) کوئی کمی نہیں کرنی چاہیے، لیکن بحسب ظاہر ان کے مرتبہ کو بڑھانا نہیں چاہیے۔ کیوں کہ ملک کا شریکِ غالب، ملک کا طالب بن جاتا ہے۔ اگر باگ ڈور ذرا بھی ڈھیلی پڑی تو ندامت ہوگی۔

(۱۰)- دسویں یہ کہ جہاں تک مقدور ہو والی ملک اپنے آپ کو نقل و حرکت سے معاف نہ رکھے اور ایک جگہ بیٹھے رہنے سے احتراز کرے کہ جو بظاہر تو آرام کی صورت لیکن حقیقت میں ہزار مصیبت و آلام پیدا کرتی ہے۔

(۱۱)- گیارہویں یہ کہ لڑکوں (اولاد) پر ہرگز اعتماد نہ کریں اور اپنی زندگی میں (قریبی) مصاحبت نہ دیں۔ کیوں کہ اگر اعلیٰ حضرت (شاہ جہاں) دارا شکوہ کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے تو

یہ نوبت یہاں تک نہ پہنچتی اور اس کو ہمیشہ مد نظر رکھیں کہ "بادشاہ کا قول ہمیشہ بانجھ ہوتا ہے۔"

(۱۲)- بارہویں یہ کہ سلطنت کا عمدہ رکن ملک کی خبریں اور اطلاعات ہیں اور لحظہ بھر کی غفلت سالہا دراز کی ندامت کا باعث بن جاتی ہے۔ مقہور (شیوا جی) کا فرار (ہماری) غفلت سے ہوا۔ اور (نتیجۃً) آخر عمر تک سرگردانی و پریشانی باقی رہی۔ بارہ (کا عدد) مبارک ہے اور وصیت کا اختتام بھی بارہ پر کیا جاتا ہے۔(۱)

اگر دریافتی دانشت بوس
وگر غافل شدی افسوس افسوس

دو غلط فہمیوں کا ازالہ:-

اورنگ زیب عالم گیر پر غیر مسلموں کا سب سے بڑا سنگین الزام اور تاریخی سچائی سے کوسوں دور اتّہام یہ ہے کہ وہ ایک سخت گیر، ظالم و جابر اور ہندو کش حکمراں تھا۔ انھوں نے ہندوستان کے مختلف خطوں میں آباد مندروں کو مسمار کیا اور ہندو تہذیب و تمدن کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ ہمارے بالغ نظر مصنفین اور مورخین نے غیر مسلموں کے اس الزام کا تاریخی شواہد کے اجالے میں دندان شکن جوابات دیے ہیں، جو تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں موجود و مرقوم ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ دو غلط فہمیوں کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ ان غلط فہمیوں میں غیر تو غیر بہت سارے مسلم افراد بھی مبتلا ہیں۔ خاص طور سے عصری تعلیم یافتہ مسلم طبقہ ان دونوں واقعات کو لے کر زبانِ طعن دراز کرتا ہے اور اورنگ زیب عالم گیر کو برا بھلا کہتا ہے۔

تاریخی حقائق اور صحیح صورتِ حال سے ناواقف لوگوں کی پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ اورنگ زیب عالم گیر نے اقتدار کی خاطر اور تخت و حکومت حاصل کرنے کے لالچ میں اپنے باپ شاہ جہاں تک کو نہیں بخشا اور ایک بیٹے نے حکومت و تخت کی خاطر باپ کو جیل میں بند کر دیا اور ان کا جینا دو بھر کر دیا۔

(۱)- خود راقم الحروف (طفیل احمد مصباحی) نے جب پہلی مرتبہ اس قسم کا واقعہ سنا تو اورنگ

(۱) احکامِ عالم گیری، ص: ۴۲ تا ۴۵، مکتبۃ الحسنات، دہلی۔

زیب سے کچھ دیر کے لیے بدظن ہوگیا اور ان کی پرانی عظمت دل سے چند لمحے کے لیے زائل ہوگئی۔ بعد ازاں جب تاریخی کتابوں کا بھرپور انداز میں مطالعہ کیا اور سیاست و شریعت کی میزان میں صحیح صورتِ حال کا علم ہوا تو اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمۃ کے فضل و کمال اور ان کی عظمت و رفعت کا پہلے سے زیادہ قائل ہوگیا۔

(۲)- اورنگ زیب عالم گیر کا اپنے بڑے اور سگے بھائی داراشکوہ کو قتل کرنا، یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ سادہ دلوں میں کھٹکتا ہے اور ایک عام انسان بھی پکار اٹھتا ہے کہ اپنے بڑے بھائی کو قتل کرنا یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

مذکورہ بالا دونوں اقدامات کو بنیاد بنا کر بہت سارے مسلمان آج بھی اورنگ زیب عالم گیر سے سوئے ظن رکھتے ہیں اور بری طرح غلط فہمیوں کے شکار ہیں۔ لیکن سیاست و شریعت کی رو سے اورنگ زیب عالم گیر کے یہ دونوں اقدامات (باپ کو قید کرنا اور بھائی کو قتل کرنا) جائز اور درست ہیں۔ اورنگ زیب عالم گیر پر تو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی کا قتل کیا اور اپنے باپ شاہ جہاں کو قید میں رکھا۔ لیکن خود اورنگ زیب کے باپ شاہ جہاں سے یہ کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ انھوں نے اپنے بھائیوں داور بخش اور شہر یار کو کیوں قتل کرایا تھا؟

مولانا فضل احمد بھٹکلی نے اپنے کتابچہ ''اورنگ زیب عالمگیر: باپ اور بھائیوں کے معاملات، سیاست و شریعت کی نظر میں'' میں ان دونوں اعتراض کا بڑا معقول اور تسلی بخش جواب دیا ہے۔ اور عوام و خواص کی غلط فہمیوں کا بھرپور ازالہ کیا ہے۔

اسی طرح شبلی نعمانی نے ''اورنگ زیب عالم گیر پر نظر'' لکھ کر اورنگ زیب سے متعلق بیشتر اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔ تفصیل کے لیے اصل کتابوں کی جانب رجوع کریں۔

یہاں ان کے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

(ا)- حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب ہی نے اپنے باپ کو قلعۂ آگرہ میں نظر بند کیا اور بھائیوں کو قتل کیا اور جو کیا بالکل صحیح کیا۔ نہ سیاسی حیثیت سے انھوں نے کوئی غلطی کی اور نہ شرعی نقطۂ نظر سے ان کا اقدام غلط تھا، کوئی فیصلہ انھوں نے جلد بازی میں نہیں کیا۔ اگر وہ اس طرح نہ

کرتے تو نہ صرف سیاسی لحاظ سے ایک کمزور اور ناکارہ حکمراں کی یادگار رہ جاتے، بلکہ شریعت کی نظر میں بھی مجرم قرار پاتے۔ (۱)

شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

(۲)- تیموری خاندان بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیان سلطنت قید اور نظر بند ہو کر بھی سلطنت کے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوتے۔ اس کے ساتھ ان کے طرف داروں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے اور اس وقت تک نچلا (خاموش) نہیں بیٹھتا جب تک نخلِ آرزو کے تمام رگ وریشے کٹ نہ جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ قطعی ہے کہ دارا شکوہ جب تک زندہ رہتا، سازشیں برپا رہتیں اور ملک کو امن وامان نصیب نہ ہوتا۔ اس لیے عالم گیر کو وہی کرنا پڑا جو خود اس کے باپ شاہ جہاں سے اس کو ترکے میں ملا تھا۔ شاہ جہاں نے اپنے بھائیوں (داور بخش و شہریار) اور حقیقی بھتیجوں کو قتل کرادیا تھا۔ عالم گیر کو بھی اس قسم کی بھینٹ چڑھانے کا حق تھا۔ ع

ایں گناہے ست کہ در شہرِ شما نیز کنند (۲)

واقعات کا پس منظر اور معاملات کی گہرائی تک پہنچے بغیر اورنگ زیب پر لعن وطعن کرنا، اور انھیں بھائی کا قاتل بتانا، کسی بھی جہت سے درست نہیں۔

(۳)- ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد لکھتے ہیں:

ہندوستانی تہذیب کے تناظر میں باپ کو قید کرنا اور بڑے بھائی کا قتل کرنا ظلم کا مظہر ہو سکتا ہے اور بڑی حد تک تاریخ بھی اس فعل کو اچھا نہیں مان سکتی۔ لیکن ایسا تسلیم کر لینا اس صورت میں جانب داری پر محمول ہوگا، جب ہم پہلے کے واقعات پر غور کیے بغیر صرف اورنگ زیب کو قصور وار قرار دیں۔ (۳)

(۴)- ان سب سے قطع نظر دارا کے قتل کے شرعی وجوہات بھی تھے۔ شرعی لحاظ سے اورنگ زیب اور دارا میں اتحاد ناممکن تھا۔ اس لیے کہ اورنگ زیب انتہائی متقی، پارسا، پابند شرع،

---

(۱) اورنگ زیب عالم گیر: باپ اور بھائیوں کے معاملات، ص:۱۱، مطبوعہ لکھنؤ۔

(۲) اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص:۹۲، ۹۳، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

(۳) اورنگ زیب عالم گیر: باپ اور بھائیوں کے معاملات، ص:۵۳، مطبوعہ لکھنؤ۔

متبع سنت اور ولایت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھا۔ اس کے بر خلاف دارا شکوہ وحدتِ ادیان کے نظریہ سے متاثر، ویدانتی فلسفے کا قائل، بدعقیدہ، بددین، گمراہ اور ملحد تھا۔ اب تو دارا شکوہ کی تمام تحریریں منظر عام پر آچکی ہیں، ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصوف کے نام پر کس درجے پر گمراہی کے غار میں گر چکا تھا۔ (۱)

سیاسی مصلحت کے پیش نظر اورنگ زیب نے اپنے باپ شاہ جہاں کو قید ضرور کیا تھا، لیکن باپ کی عزت و احترام کا بہر گام خیال رکھا تھا اور کسی بھی جہت سے عام قیدی اور عام مجرم جیسا سلوک ہرگز روا نہ رکھا تھا۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے۔

چنانچہ مقدمہ رقعاتِ عالم گیر میں لکھا ہے:

"اورنگ زیب نے باپ (شاہ جہاں) کے احترام کو جس حد تک قائم رکھا اور جس درجہ تک اس نے شاہ جہاں کے مقابل براہِ راست اپنے کو پیش کرنے سے گریز کیا، اس کی مثال مغل تاریخ کے صفحات میں نہیں مل سکتی۔ یہ خود شاہ جہاں تھا جو اپنے باپ (جہاں گیر) کے خلاف علانیہ برسرِ جنگ ہو گیا تھا۔ یہ جہاں گیر تھا جس نے اپنے باپ (اکبر) کے مقابلہ میں اعلانِ جنگ کر دیا تھا، لیکن اورنگ زیب نے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس کی یہ جنگ باپ کے خلاف ہے یا وہ شاہ جہاں سے لڑنے کے لیے کھڑا ہوا ہے۔ اس نے جب کبھی اس کے متعلق کسی کو کچھ لکھا تو اس میں صرف یہ ظاہر کیا کہ اس کا مقابلہ داراؔ (شکوہ) سے ہے، اس کی جنگ داراؔ سے ہوئی اور اگر اس کو عداوت تھی تو داراؔ سے تھی......... اورنگ زیب نے باپ شاہ جہاں کو کامل آزادی میں صرف اسی حد تک تحدید کر دی تھی کہ وہ اس کو کسی صورت سے نقصان نہ پہنچا سکے اور بس! ورنہ نہ اس کے روزانہ کے مشاغل میں کوئی مداخلت کی گئی تھی اور نہ اس کے ذاتی توشہ خانوں کو ہاتھ لگایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اورنگ زیب نے اس بات کا بھی حکم دے دیا تھا کہ شاہ جہاں جو چیز جس وقت طلب کرے، اس کے سامنے حاضر کی جائے۔ لوگوں کا جو ہزار روپیہ اس کے ذمہ ہے، وہ ادا کیا جائے اور جن لوگوں کے وظائف مقرر ہیں، وہ علیٰ حالہ باقی رہیں۔ چنانچہ جہاں آرا کا بھی آخر

(۱) اورنگ زیب عالم گیر: باپ اور بھائیوں کے معاملات، ص: ۵۳، مطبوعہ لکھنؤ۔

وقت تک وہی اثر و اقتدار اور عزت واحترام کو باقی رکھا.......... یہ تو اورنگ زیب کی وہ کارروائیاں تھیں جو اس نے شاہ جہاں کی عزت و وقار اور اس کے احترام کو قائم رکھنے کے لیے تھیں۔"[1]

اورنگ زیب: تاثرات کے آئینے میں:-

شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالم گیر کے ذاتی محاسن و کمالات کے پیش نظر خود ان کے عہد کے علما و مشائخ اور بعد کے مصنفین و مورخین نے دل کھول کر تعریف و توصیف کی ہے اور اپنے گراں قدر تاثرات سے اورنگ زیب کے فضائل و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔

اورنگ زیب کے بارے میں اپنے تاثرات اور قلبی احساسات بیان کرنے والے سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، اختصار کے ساتھ ہم یہاں ان میں سے چند اہم شخصیات کے تاثرات نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کے فضائل و کمالات کا کماحقہ اندازہ ہو سکے۔

اورنگ زیب کے پیر و مرشد خواجہ محمد معصوم بن مجدد الف ثانی سرہندی فرماتے ہیں:

"حضرة سلطان الإسلام، ظل الله تعالیٰ علیٰ الأنام، باسط مهاد العدل والإنصاف، هادم إساس الجور والاعتساف."[2]

خواجہ محمد سعید سرہندی بن مجدد الف ثانی ارقام فرماتے ہیں:

"حضرة ناصر الملة والدين، مرفع الإسلام ومؤيد المسلمين، محی أنوار السنة البيضاء، ماحی آثار البدعة الغبراء."

اور یہی خواجہ سعید، اورنگ زیب کے بادشاہ بننے کے بعد لکھتے ہیں:

"حضرة أمير المومنين، ظل الله فی الأرضين، رافع أعلام الشريعة الغرّاء، قامع بنيان البدعة الغبراء، مالك السلطنة القاهرة، كاسر أعناق الكفرة الأكاسرة، محی السنة والإسلام، رحمة الله علیٰ الأنام."[3]

---

(۱) مقدمہ رقعاتِ عالم گیر، ص: ۴۴۴، ۴۴۷، دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔
(۲) مکتوباتِ معصومیہ، ج: ۳، ص: ۲۴، مطبوعہ کراچی۔
(۳) مکتوباتِ سعیدیہ، ص: ۹۱، ۹۲، مطبوعہ کراچی۔

اورنگ زیب اپنے باپ شاہ جہاں کی نظر میں:-

''بعضے اوقات اندیشہ می آید کہ دارا عدوئے نیکوکاراں واقع شدہ، و مراد بخش بکار تشرّب دل بستگی دارد و محمد شجاع جز سیر چشمی صفتے نہ دارد، مگر عزم و شعور اورنگ زیب اقتضامی کند کہ متحمل ایں امرِ خطیر تواند شد۔''(۱)

ترجمہ: ہمیں بعض اوقات خیال آتا ہے کہ دارا شکوہ نیک لوگوں کا دشمن ہے، مراد بخش کو شراب نوشی سے فرصت نہیں، محمد شجاع میں سیر چشمی کے سوا کوئی اور صفت نہیں، مگر اورنگ زیب کا عزم و شعور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ سلطنت کے اس بارِ گراں کو اٹھالے گا۔

اورنگ زیب: اپنے استاذ ملّا جیون کی نظر میں:-

شہنشاہِ دین پناہ حضرت اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمۃ کی فکر و شخصیت کو عظیم اور ایک باکمال حکمراں بنانے میں آپ کے استاذ گرامی رئیس المفسرین حضرت ملّا احمد جیون قدس سرہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ دربارِ عالم گیری میں آپ کو بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا، دینی و دنیوی معاملات میں آپ ہمیشہ اورنگ زیب کی رہنمائی کرتے اور نیک مشوروں سے نوازتے۔ ملّا احمد جیون کی اسی ہدایت و رہنمائی کا نتیجہ تھا کہ اورنگ زیب ذرّے سے آفتاب بن گئے اور ان کی عظیم سلطنت خلافتِ راشدہ کا نمونہ ثابت ہوئی۔ استاذ سے زیادہ شاگرد کا حال کون جان سکتا ہے؟

استاذ ملّا احمد جیون امیٹھوی نے اپنے ہونہار شاگرد اورنگ زیب عالم گیر کے مناقبِ عالیہ اور مفاخرِ حسنہ کا تذکرہ بڑے عمدہ اور دلکش پیرائے میں کیا ہے اور انھیں ''سلطان المومنین'' ''مالک زمام العالمین'' کے ساتھ دین و شریعت کی نصرت و حمایت کرنے والا، صراطِ مستقیم پر چلنے والا، عدل و انصاف کی بساط بچھانے والا، ظلم و جبر کی بنیاد اکھیڑنے والا، اسلام و سنیت کی نشر و اشاعت کرنے والا، مفاخر و مآثر کا مجموعہ اور فضائل و مناقب کا جامع بتایا ہے۔

اورنگ زیب سے متعلق حضرت ملّا احمد جیون کے گراں قدر تاثرات اور حقیقت آمیز

(۱) احکامِ عالم گیری، ص: ۱۳۰، مکتبۃ الحسنات، دہلی۔

اعترافات ملاحظہ فرمائیں:

"سلطان المؤمنين، مالك زمان العالمين، ناصر الشريعة القويمة، سالك الطريقة المستقيمة، باسط مهاد العدل والإنصاف، هادم إساس الجور والاعتساف، مروج الشريعة الغراء، مؤسس الملة الحنفية البيضاء، صاحب المفاخر والمآثر، جامع المراتب والمناقب، بحر الدرر، أبي المظفر مربى ذى الفضل الصغير والكبير محى الدين محمد اورنك زيب عالمكير." (۱)

اورنگ زیب سے متعلق غیرمسلموں کے تاثرات:-

آر پی ترپاٹھی لکھتے ہیں:

"اورنگ زیب ماہر ادیب اور لائق فوجی لیڈر تھا۔ وہ قلم و شمشیر دونوں پر یکساں مہارت رکھتا تھا۔ اس کو قدرت نے تحمل، عزم مصمم اور پختہ ارادہ کے علاوہ انسانی کمزوریوں کی پرکھ اور سیاسی چالاکی ودیعت کی تھی۔ اس کی بہادری اور حوصلہ مندی میں احتیاط اور ضبط نفس کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ اورنگ زیب میں زبردست قوت برداشت، آزمائش کے لمحات میں صبر و تحمل سے کام لینے، انتھک محنت کرنے اور ہر معاملے کو اچھی طرح پرکھنے کی یکساں صلاحیتیں موجود تھیں۔ اس کے سنجیدہ اور متین اخلاق، قدرتی کم اختلاطی اور پرہیزگاری کے سبب لوگوں کے دلوں میں رعب پیدا ہو جاتا .... تدبر اور فوجی معاملات میں بلاشبہہ اپنے رقیبوں سے بہت آگے تھا۔ اس کے متعلق کچھ کہا جائے لیکن اس پر کسی قسم کی کمزوری کا چاہے وہ جسمانی ہو یا جذباتی یا فکری الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔" (۲)

سری ایشوری پرساد کا قول ہے:

"اورنگ زیب کی زندگی سادہ اور پاک بازانہ تھی، وہ کم خور تھا اور دن رات میں صرف تین گھنٹے سوتا تھا۔ وہ شراب سے اجتناب کرتا تھا اور ہیرے جواہرات کا استعمال شاذ ہی کرتا تھا۔ اس

(۱) مقدمۂ تفسیراتِ احمدیہ، ص:۲، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔
(۲) مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال، ص:۵۵۲، قومی کونسل، دہلی۔

نے سونے چاندی کے برتنوں کا رواج ختم کر دیا اور شاہی خزانے کو "بیت المال" سمجھتا تھا۔ اپنی روٹی کپڑے کے لیے وہ ٹوپیاں سیتا اور قرآنِ کریم کی کتابت کرتا تھا۔ وہ بڑا منصف مزاج بادشاہ تھا اور امیر و غریب، مصاحب (خاص آدمی) اور عامی (عام آدمی) میں امتیاز نہیں برتتا تھا۔"(۱)

زیب النساء بنت اورنگ زیب:-

شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالم گیر (وفات: ۱۷۰۷ء) مغل خاندان کا وہ آخری اولو العزم حکمراں ہے، جن کا علم و فضل، حکمت و دانائی، بیدار مغزی، جفاکشی اور درویشانہ زندگی تاریخی مسلمات سے ہیں۔ عربی کی ایک کہاوت ہے "ابن الفقیه نصف الفقیه" یعنی عالم و فقیہ کا بیٹا آدھا فقیہ ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کی اکثر اولاد علم و حکمت اور ادب و شاعری کے محاسن سے آراستہ تھی۔ ان کے صاحب زادے محمد معظم شاہ عالم بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ شرعی مسائل میں وہ بھرے مجمع میں علما سے مباحثہ کرتے تھے۔ حدیث دانی میں مہارت کے سبب اہل علم انھیں "سلطان المحدثین" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ بیٹوں کی طرح اورنگ زیب عالم گیر کی بیٹیاں بھی بڑی لائق و فائق، صاحب علم اور ادب و شعر گوئی میں کمال رکھتی تھیں۔

زیب النسا بیگم بنت اورنگ زیب صرف اورنگ زیب کی صاحب زادیوں میں نہیں بلکہ من جملہ تمام مغل شہزادیوں میں علم و فضل، فکر و دانش، تدبر و بصیرت اور ادب و شاعری میں ایک منفرد اور ممتاز حیثیت کی حامل ہیں۔ اورنگ زیب عالم گیر کو اپنی اس ہونہار اور باکمال بیٹی پر فخر تھا۔ بہت سارے معاملات میں وہ اپنی اس لائق و فائق بیٹی سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ بزم تیموریہ کے مصنف نے بجا لکھا ہے کہ "تیموری شہزادیوں کے علمی چمنستان کا گل سر سبد زیب النساء ہے۔" ذہانت و لیاقت اور فکر و تدبر میں یہ "رضیہ سلطانہ" سے کم نہ تھیں۔ سلطان شمس الدین التمش کو اپنی باکمال بیٹی رضیہ سلطانہ پر ناز تھا تو سلطان اورنگ زیب کو اپنی صاحب زادی زیب النسا پر ناز ہے۔ ع

(۱) ہندوستانی مسلمان اور اسلامی تہذیب، بحوالہ محبوب العارفین، ص: ۳۰۳۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ

زیب النسا بیگم اس مصرع کی چلتی پھرتی تصویر تھیں۔ انھوں نے اپنی مہارتِ علمی اور لیاقتِ فنی سے کائناتِ علم و سخن کے بہت سارے سادہ خاکوں میں رنگ بھرا ہے اور شعر و ادب کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ زیب النساء بیگم ۱۰؍ شوال ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۹ء کو صبح چار بجے پیدا ہوئی۔ شاہی دستور کے مطابق پہلے قرآن شریف کی تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں ایک شاہی ملازم کی والدہ بی بی مریم (جو کہ حافظ قرآن بھی تھیں) کی نگرانی میں حفظِ قرآن مکمل کیا۔ حفظ قرآن سے خوش ہو کر اورنگ زیب نے اپنی بیٹی زیب النسا کو ۳۰؍ ہزار اور بی بی مریم استانی جی کو ۲۰؍ ہزار اشرفیاں بطور انعام دیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے اپنے وقت کے متبحر علما مقرر کیے گئے، جن میں حضرت ملّا احمد جیون امیٹھوی (مصنف نور الانوار و تفسیراتِ احمدیہ) اور ملّا سعید اشرف کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ بعض درسی کتابیں ملّا احمد جیون سے پڑھیں اور باقی تمام کتب درسیہ کا ملّا سعید اشرف سے درس لیا۔ شعر و شاعری اور خطاطی کا فن بھی ملّا سعید اشرف سے ہی حاصل کیا۔

فن خطاطی میں شہزادی کو کمال حاصل تھا۔ وہ اپنے والد اورنگ زیب کی طرح مختلف اقسامِ خط مثلاً نسخ، نستعلیق اور شکستہ کو بڑی مہارت کے ساتھ خوب صورت انداز میں تحریر کرتی تھی۔ موسیقی کے دلدادہ اور اس کے فن سے کماحقہ آشنا تھیں۔ (۱)

زیب النسا چوں کہ ایک عالمہ، فاضلہ، شاعرہ اور حافظ قرآن خاتون تھیں، بایں سبب ان کی مجلس میں علما، شعرا اور ادبا کی بھیڑ لگی رہتی تھی اور علما کے مابین علمی مسائل میں بحث و تکرار ہوا کرتی تھی۔ شہزادی کی سب سے بڑی خصوصیت علم دوستی اور علما نوازی ہے۔ علم دوستی اور معارف پروری نے زیب النسا کی محفل کو علم و حکمت کی درس گاہ بنادیا تھا۔

شبلی نعمانی کے بقول:

”زیب النساء بیگم کا دربار حقیقت میں ایک علمی اکیڈمی تھی، اس اکیڈمی میں ہر فن کے علما و فضلا تھے جو ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔“(۲)

---

(۱) مغل شہزادیاں ملخصًا، ص:۱۰۰، مطبوعہ، دہلی۔

(۲) مقالاتِ شبلی، ج:۶، ص:۴۵، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔

زیب النسا ایک متقی و پرہیز گار، عبادت گزار، صوم و صلوٰۃ کی پابند اور عصمت مآب شہزادی تھی۔ ان کی عبادت و ریاضت، صبر و قناعت، خدا پرستی، علم پروری، نفاست و نزاکت اور جود و سخاوت بہت مشہور ہیں۔ ایک شہزادی میں ان تمام اعلیٰ صفات کا یکجا ہو جانا، بہت بڑی بات ہے۔

الغرض شہزادی زیب النسا بیگم نوع بنوع اوصاف کی حامل اور کثیر الجہات شخصیت کی مالک تھیں۔ خصوصیت کے ساتھ شعر و شاعری میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ وہ ایک قادر الکلام اور پر گو شاعرہ تھیں۔ ان کے ذوقِ شاعری کو دیکھ کر شعرا حضرات ان کی خدمت میں اپنی معروضات نثر کے بجائے نظم و شعر میں پیش کرتے تھے۔ وہ منظوم معروضات دیکھ کر خوش ہوتیں اور فرحت و انبساط کا اظہار کرتی تھیں۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

”وكانت شاعرة ساحرة تسحر الألباب وتفلق القلوب لاتضاهيها أمرأة في الهند في جودة القريحة وسلامة الفكرة ولطافة الطبع.“(۱)

ترجمہ: زیب النسا ایک ایسی شاعرہ تھیں کہ ان کے سحر انگیز اشعار سے دل و دماغ اور عقلیں مسحور ہو جاتیں۔ عمدگیِ عقل، سلامتیِ فکر اور طبیعت کی لطافت میں ہندوستان کی کوئی خاتون اس کی ہم پلّہ نہیں ہے۔

شہزادی کو شعر و سخن اور ادب و انشاء کا لطیف ذوق وراثت میں ملا تھا۔ ان کے علمی خزانوں میں عمدہ کتب اور نفیس تصانیف کا انبار تھا۔ شعر گوئی کے ساتھ ادب و انشا میں کمال رکھتی تھیں۔ وہ کئی کتابوں کی مصنفہ بھی ہیں۔ مگر صاحب نزہۃ الخواطر کے بقول ”زیب المنشأت“ جو کہ چند رسائل کا مجموعہ ہے، کے علاوہ زیب النسا کی اور کوئی کتاب نہیں پائی جاتی ہے۔

بعض جدید اسکالرس کے بیان کے مطابق وہ (زیب النسا بیگم) تاریخ، فقہ، ریاضی و ہیئت میں بھی درک رکھتی تھیں، اور ان علوم کی کتابیں اکثر مطالعے میں رہا کرتی تھیں۔ (۲)

(۱) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:٩٥، معارفِ عثمانيه، حيدر آباد.
(۲) تعلیم عہد اسلامی کے ہندوستان میں، ص:۱۰۶، مطبوعہ دہلی۔

مجموعۂ کلام میں ایک ''دیوانِ خفی'' بھی ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن ارباب تحقیق کے نزدیک اس کی صحت مشکوک اور مختلف فیہ ہے۔ ان کا دیوان ان کی زندگی ہی میں ضائع ہو گیا تھا۔[1]

نزہۃ الخواطر اور مغل شہزادیاں نامی کتاب سے زیب النسا کے چند اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:

زخیل طبع و نفس اندیشہ کردہ
پری و دیوار اور شیشہ کردہ
ز طیعش موج زن بحرِ معانی
بہ بحرِ شعر آبِ زندگانی
ز نظم و نثر نطقش آں چہ گفتہ
ورنہ سفتہ گوہر ہائے سفتہ
بہ شکند دستی کہ خم در گردنِ یارے نہ شد
کور بہ چشمی کہ لذت گیرِ دیدارے نہ شد
صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت
غنچۂ دل ما زیب و دستارے نہ شد

غیرت نسوانی اور خودداری طبع کے سبب شادی بھی نہیں کی کہ وہ کسی مرد کے شریک بستر ہونا گوارا نہیں کرتی تھیں، زیب النسا کی علمی و روحانی زندگی ہمارے لیے ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج ان کے شعر و سخن، فکر و فن کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:٩٥، معارفِ عثمانیه، دکن.

چھٹا باب

امیٹھی کے علما و مشائخ

شیخ احمد فیاض امیٹھوی:-

شہنشاہِ ہند محمد جلال الدین اکبر کے زمانے میں جن علما و مشائخ نے اپنے علم و فضل سے پورے عہد کو متاثر کیا اور عوام و خواص کے مرکز توجہ بنے، ان میں شیخ احمد فیاض امیٹھوی کا نام بھی شامل ہے۔ عہدِ اکبری کے مایۂ ناز علمی و روحانی ہستیوں میں آپ کا شکار ہوتا ہے۔ علم حدیث و تفسیر، تاریخ اور سیر و مغازی میں مہارت حاصل تھی۔ قرآن مقدس کے حافظ اور بلا کے ذہین تھے۔ مضبوط قوتِ حافظہ کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف ایک ماہ میں قرآن حفظ کر لیا تھا۔

درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور لوگوں کی تعلیم و تلقین میں شب روز گزارتے، زہد و تقویٰ، صبر و شکر اور جذبۂ ایثار میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ تصوف کی طرف خاص میلان تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر عبادت و ریاضت اور مجاہدہ و مراقبہ میں مصروف رہتے۔ تصنع، فخر و ریا اور تکلف کی آلائشوں سے آپ کا دامنِ حیات بے داغ تھا۔ فقر و فاقہ اور تھوڑے پر قناعت آپ کی زندگی کا نمایاں وصف ہے۔ قراءت خلف الامام سے متعلق شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی اور شیخ فیاض امیٹھوی میں بحث و تکرار بھی ہوتی۔

ملّا عبدالقادر بدایونی جنھوں نے شیخ احمد فیاض کو دیکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

"شیخ احمد فیاض امیٹھوی وال (امیٹھی) بڑے عالم، متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ بہت زیادہ معمّر (عمر دراز) ہو گئے۔ چنانچہ چلنے پھرنے کی طاقت بھی نہ رہی تھی۔ اس بڑھاپے کے عالم میں سخت بیمار پڑ گئے۔ بڑھاپے کی ان مصیبتوں کے باوجود انھوں نے ایک سال کے اندر پورا کلام پاک حفظ کر لیا۔ اکثر درسی کتابیں پڑھاتے رہتے تھے۔ اگر کوئی شاگرد پڑھتے ہوئے غلطی کرتا تو محض یاد داشت سے اسے ٹوک دیتے، تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ پر بڑی اچھی نظر تھی۔ شیخ میاں نظام الدین امیٹھی وال کے ہم شہر اور ہم عصر تھے۔ میاں صاحب (فیاض احمد امیٹھوی) کہا کرتے تھے

کہ وہ (نظام الدین امیٹھوی) امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں؟"(۱)

شیخ احمد فیاض امیٹھوی ایک کثیر المطالعہ، فصیح اللسان اور حلو المذاکرہ عالم دین تھے۔ بڑے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ارشاد وافادہ اور درس وتدریس کا مشغلہ انجام دیتے۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

"الشیخ العالم الصالح أحمد الفیّاض الحنفی الأمیتھوی، أحد الفقهاء المشهورین فی عصره وکان له ید بیضاء فی الحدیث والتفسیر والتاریخ والسیر وکان کثیر الحفظ، فصیح العبارة، کثیر المطالعة وحلو المذاکرة، کثیر الدرس والإفادة مع الدین والتقویٰ."(۲)

شیخ جعفر بن نظام الدین امیٹھوی:-

شیخ جعفر بن نظام الدین امیٹھوی ۹۷۵ھ کو قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے۔

خاندانِ ملّا احمد جیون کے جدّ اعلیٰ حضرت مخدوم بہاء الحق خاصۂ خدا امیٹھوی، شیخ جعفر کے سگے نانا ہیں۔ آپ کے والد شیخ نظام الدین بندگی میاں اپنے وقت کے مشہور بزرگ کامل صوفی اور باکمال عالم تھے۔ والدہ ماجدہ بی بی مخدومہ جہاں بنت خاصۂ خدا ایک خدا رسیدہ خاتون اور اپنے زمانے کی "رابعہ بصری" تھیں۔ شیخ جعفر کے ماموں حضرت عبد الرزاق بن خاصۂ خدا آسمانِ شریعت ومعرفت کے بدر کامل تھے۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں ہر ایک کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

ننھیال اور ددھیال دونوں طرف سے شیخ جعفر کو شریعت وطریقت کا حصہ ملا۔ اللہ والوں کی گود میں پرورش پائی۔ والدین، ماموں اور خاص طور سے قاضی حسین سترکھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ اجازت وخرقہ ماموں عبد الرزاق امیٹھوی سے حاصل کیا اور امیٹھی کا بیرونی مقام "بروا" میں رشد وہدایت کی مسند آراستہ کی۔ بادشاہ جہاں گیر نے کچھ قطعۂ آراضی آپ کی خدمت میں پیش کی۔ شیخ جعفر کی سفارش سے مفتی صدر جہاں پھانوی نے اس ویران علاقے میں ایک مسجد بنوائی۔ شیخ

(۱) منتخب التواریخ، ج:۳، ص:۴۳۴، قومی کونسل، دہلی۔
(۲) نزهة الخواطر، ج:٤، ص:٢٧، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد.

حسن سارنگ پوری نے طلبۂ دین اور تشنگانِ علوم کی خاطر یہاں بہت ساری عمارتیں بنوائیں اور عالی شان مدرسے تعمیر کرائے۔ ان عمارات کے قدیم آثار آج بھی موجود ہیں اور دورِ ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔ شیخ جعفر نے اس علاقے میں علومِ ظاہری و باطنی بیش بہا کا فیضان لٹایا اور ہزاروں افراد آپ کے فیضانِ عام سے مالامال ہوئے۔

شیخ موصوف کو علم ظاہر و باطن میں حد درجہ مہارت اور کامل بصیرت حاصل تھی۔ زہد و توکل، عفت و تقویٰ، صبر و قناعت، انقطاع الی اللہ اور کشف و کرامات میں آپ اپنے اقران و معاصرین میں منفرد و ممتاز تھے۔

"وكان آية ظاهرة في القناعة والعفاف والزهد والتوكل والانقطاع إلىٰ الله سبحانه، و يذكر له كشوف و كرامات و وقائع غريبة لايحصيها البيان."(۱)

۱۰۴۵ھ میں وصال فرمایا اور قصبہ امیٹھی کا بیرونی علاقہ "بروا" میں دفن ہوئے۔

شیخ محمد بن نظام الدین امیٹھوی:-

شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی کی علمی جلالت اور روحانی کمال ایک تاریخی سچائی ہے۔ انھیں باکمال باپ کے باکمال بیٹے کا نام شیخ محمد امیٹھوی ہے۔ والد کی طرح والدہ بی بی مخدومہ جہاں بھی اپنے وقت کی عالمہ، فاضلہ، ولیہ اور خدارسیدہ خاتون تھیں۔ شیخ محمد قصبہ امیٹھی کے ایک باکمال اور نامور سپوت تھے۔ علم و حکمت اور روحانیت و سلوک میں کافی بلند مقام رکھتے تھے۔ والد کے وصال کے بعد مسند سجادگی کو زینت بخشی اور خلافت و نیابت کا حق ادا کر دیا۔ مروجہ علوم اور تصوف و طریقت کے فنون والد گرامی سے حاصل کیے اور فائق الاقران ہوئے۔ اپنی زندگی میں متعدّد نکاح کیے اور ہر ایک بیوی سے فرزند تولد ہوا۔

شیخ عبدالغنی فتح پوری کی دختر نیک اختر سے دو لڑکے سقطی اور تاج الدین پیدا ہوئے۔ پھر زید پور میں نکاح کیا، اس بیوی سے بیٹا عبدالرسول کی پیدائش ہوئی۔ بعد ازاں رائے بریلی اور لاہر پور میں بھی نکاح کیے اور فرزند عیسیٰ، اسحاق اور داؤد پیدا ہوئے۔

(۱) نزهة الخواطر، ج:۵، ص: ۱۱۰، ۱۱۱، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد.

استقامت علی الشریعت آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ ہیں۔ دنیاداروں سے کوسوں دور رہتے اور بالعموم ان کی مجلسوں میں شریک نہ ہوتے تھے۔ ہمیشہ یادِ الٰہی، ذکر و فکر اور مراقبہ میں مصروف رہتے۔ تا زندگی خانہ بدوش رہے۔ صرف نماز کے لیے باہر مسجد میں تشریف لے جاتے۔ ولادت سے وفات تک یہی معمول رہا۔

صاحب نزہۃ الخواطر کے بقول:

"الشيخ الصالح محمد بن نظام الدين العثماني الأميتهوي، أحد الرجال المعروفين بالفضل والصلاح ...... وكان رحمه الله صاحب استقامة وكرامة لم يخرج من بيته قط ولد إلىٰ أن توفى إلّا إلى المسجد للصلوٰة وكان لايتردد إلىٰ أرباب الدنيا وأبنائها ولا يحضر بمجالسهم بطريق ولا يخطر بباله سوى الله تعالىٰ بالكلية."(۱)

۲۶ / ذی قعدہ ۱۰۱۱ھ میں وصال ہوا اور والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

شیخ ابو نجیب بن عبید اللہ امیٹھوی:-

شیخ ابو نجیب بن عبید اللہ امیٹھوی یہ ملّا احمد جیون کے سگے چچا (بڑے ابو) اور شیخ عبید اللہ بن عبد الرزاق کے بڑے فرزند ہیں۔ شریعت و طریقت کے سنگم اور علم و ولایت کے مجمع البحرین تھے۔ اپنے چاروں بھائیوں میں علم و فضیلت اور رتبہ و کمال میں فوقیت رکھتے تھے۔

۷ / رجب ۹۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کی خدمت و صحبت میں رہ کر علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل کی اور علم و روحانیت میں کمال پیدا کیا۔ والد کے وصال کے بعد مسندِ سجادگی پر جلوہ گستر ہوئے۔ بے شمار لوگوں کی ہدایت و اصلاح فرمائی اور ان گنت افراد کو زیورِ علم و ادب سے مزین فرمایا۔ آپ کی مقدس پیشانی پر "من رجال العلم والطريقة" کا طغرائے افتخار سجایا گیا ہے۔

افسوس! علم و طریقت کا یہ چمکتا ہوا سورج ۷ / شوال ۱۰۴۰ھ کو غروب ہو گیا۔(۲)

(۱) نزهة الخواطر، ج:۵، ص:۳٦٧، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد.

(۲) نزهة الخواطر، ج:۵، ص:۳٦، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد.

شیخ ابوالمجیب بن عبید اللہ امیٹھوی:-

شیخ ابوالمجیب بن عبید اللہ امیٹھوی، یہ ملّا احمد جیون کے دادا عبید اللہ بن عبد الرزاق کے فرزند ارجمند اور ملّا احمد جیون کے سگے چچا ہیں۔ شریعت و طریقت کے باکمال عالم تھے۔ ۲۷/ رجب ۱۰۰۰ھ کو امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ شیخ ابو نجیب، شیخ عبد اللہ اور شیخ ابو سعید (ملا جیون کے والد) آپ کے سگے بھائی ہیں۔ والد کے علاوہ شیخ جعفر بن نظام الدین عثمانی (بندگی میاں) سے تعلیم و تربیت پائی اور رجالِ علم و طریقت میں محسوب ہوئے۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

"أحد رجال العلم و الطريقة."

آپ شیخ جعفر امیٹھوی کے تلمیذ رشید ہونے کے ساتھ داماد بھی تھے۔ ۲۲/ جمادی الآخرہ ۱۰۳۴ھ میں شیخ ابوالمجیب کا وصال ہوا اور امیٹھی میں تدفین ہوئی۔ [1]

علامہ سیّد قطب الدین امیٹھوی شمس آبادی:-

علامہ سید قطب الدین امیٹھوی ثم شمس آبادی قدس سرہٗ اپنے وقت کے زبردست عالم دین اور معقولات منقولات کے جیّد فاضل تھے علم و حکمت اور فضل و کمال میں ممتاز اور یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ صبر و توکل اور زہد و قناعت کے حامل ایک بے مثال صوفی تھے۔ جلالتِ علمی اور مہارت دینی کے باعث اہلِ علم نے آپ کو "قطب العلما" اور "مدار الفضلا" کا لقب دیا ہے۔ [2]

بلا مبالغہ علامہ قطب الدین امیٹھوی شمس آبادی علم و حکمت کے ایسے بلند و بالا قطب مینار تھے جن کے سامنے بڑے بڑے کج کلاہانِ فن بونے نظر آتے ہیں اور فضل و کمال کے ایسے مرکز و مدار تھے جن کے ارد گرد اچھے اچھے فضلائے دہر گردش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ عہد اورنگ زیب عالم گیر کے قاضی ابو یوسف اور سلم العلوم و مسلم الثبوت کے مایۂ ناز مصنف علامہ قاضی محب

(۱) صبح بهار بحواله نزهة الخواطر، ج:٥، ص:٣٤، حيدر آباد.

(۲) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:٢٣٤، مطبوعه حيدر آباد.

اللہ بہاری، حافظ امان اللہ بنارسی اور علامہ سیّد طفیل محمد بن شکر اللہ اترولوی جیسے یگانۂ روزگار علما آپ ہی کے ممتاز ترین شاگرد ہیں۔ تلامذہ کے تبحّرِ علمی سے استاذ کے علمی تبحّر کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سید قطب الدین شمس آبادی کا اصل آبائی وطن قصبہ امیٹھی ہے، یہیں آپ کی پیدائش ہوئی۔ بعد ازاں امیٹھی سے شمس آباد (قنوج، یوپی) چلے گئے اور اسی جگہ بود و باش اختیار کرلی۔ آپ علامہ قطب الدین شہید سہالوی کے قابلِ فخر تلمیذ ہیں۔ بیشتر کتبِ درسیہ شہید سہالوی سے ہی پڑھیں۔

ابجد العلوم میں ہے:

"أصله من سادات أميتهى قصبة من قصبات بورب رحل عنها إلىٰ شمس آباد قصبة من توابع قنوج و توطن بها ...... وهو قطب العلماء والمدار عليه للفضلاء تلمذ علىٰ قطب الدين الشهيد السهالوی." (۱)

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

"آپ کی اصل امیٹھی مضافاتِ اودھ (لکھنؤ) سے ہے۔ اپنے وطن سے شمس آباد جاکر اسے مطلعِ انوار بنادیا۔ شمس آباد قنّوج کے ملحقات میں ہے (یہ جگہ اب ضلع فرخ آباد میں ایک مشہور قصبہ ہے۔) سیّد صاحب یگانۂ روزگار علّامہ اور فاضلِ بے نظیر تھے، اور دانش ورِ بے نظیر تھے۔ فضلائے عصر سے شرف شاگردی حاصل کیا۔ اس کے بعد ملا قطب الدین شہید سہالوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور علوم و فنون کا بادشاہ بن گئے۔ تحصیلِ علم کے بعد شمس آباد میں مسند تدریس سجائی اور جم غفیر (کثیر تعداد) کو دانش و بینش (علم و حکمت) کے فیض سے مالامال کیا۔"

آپ کے استاذ گرامی ملّا قطب الدین شہید فرماتے تھے:

"جسے مغزِ سخن تک پہنچنے کی خواہش ہو اسے چاہیے کہ سید قطب الدین (امیٹھوی، شمس آبادی) تک پہنچے۔" (۲)

نزہۃ الخواطر میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ درج ہے:

"الشيخ العالم الكبير العلامه قطب الدين الحسينی الأميتهوی ثم الشمس

(۱) ابجد العلوم، ص: ۷۰۳، دار ابن حزم، بیروت۔

(۲) مآثر الکرام، ص: ۱۹، ۳، جامعۃ الرضا، بریلی شریف۔

آبادی أحد العلماء الفحول، درس و أفاد مدة عمره و تخرج علیه خلق کثیر من العلماء."(۱)

علم و حکمت اور فضل و کمال کے اس کوہِ ہمالہ کی سب سے بڑی خصوصیت صبر و قناعت اور عفت و پارسائی کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے۔ فقر و فاقہ اور صبر و قناعت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں مسلسل کئی روز چولھا نہیں جلتا، فاقہ کی مار جھلتے اور قناعت و صبر کا تلخ گھونٹ پیتے، لیکن کسی کے سامنے اپنا حال ظاہر نہیں کرتے۔ بایں ہمہ درس و تدریس کی مسند سجائے تشنگانِ علوم کو دن رات سیراب کرتے اور خوش و خرّم رہتے۔

آپ فقر و فاقہ اور صبر و قناعت کی روحانی لذتوں سے آشنا تھے، اسی لیے تنگیِ ایام اور مصائبِ زمانہ کا شکوہ کیے بغیر خوشی خوشی زندگی گزارتے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

"وکان من القانعین تمر الأیام ولا توقد في بیته نار و یقاسي الفاقات ولا یظهر الحاجات و یدرس طلق الوجه واللسان والحالة هٰذه."(۲)

ترجمہ: سید قطب الدین امیٹھوی بڑے قناعت پسند انسان تھے۔ مسلسل کئی ایام گزر جاتے اور گھر میں آگ (چولھا) نہیں جلتی۔ فقر و فاقہ برداشت کرتے اور اپنا حال ظاہر نہیں کرتے۔ حالت یہ تھی مگر اس کے باوجود چہرہ کھلا رہتا اور درس و تدریس میں مشغول رہتے۔

پوری زندگی درس و تدریس میں گزاری اور قاضی محب اللہ بہاری جیسے علامۃ الدہر شاگرد پیدا کیے۔ ۱۱۲۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۰ر سال تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مرقدِ پاک کو انوار و تجلیات سے بھر دے۔ اور ان کے علمی فیضان سے ہم سب کو مالا مال فرمائے۔

(۱) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:٢٣٣، دائرة المعارف العثمانیة، دکن.
(۲) ابجد العلوم، ص:٢٠٣، دار ابن حزم، بیروت.

شیخ ابو نجیب بن عبد الحکیم امیٹھوی:-

شیخ ابو نجیب بن عبد الحکیم امیٹھوی کا مولد و منشا قصبہ امیٹھی ہے۔ مشہور علمائے عصر میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور آپ کی وجہ سے امیٹھی کی کلاہ افتخار میں چار چاند لگ گیا تھا۔ مروجہ درسی کتابیں علمائے عصر سے پڑھیں اور طریقت کی تعلیم شیخ مجتبیٰ بن مصطفیٰ قلندر عباسی لاہر پوری سے حاصل کی اور ایک زمانے تک ان کی صحبت میں رہ کر روحانی مراتب میں اضافہ کیا اور آگے چل کر خود مردِ قلندر اور باکمال صوفی ثابت ہوئے۔ علم ظاہر و باطن سے آراستہ ہو کر لکھنؤ تشریف لے گئے جہاں نواب فدائی خان نے اپنی قربت سے نوازا اور بھرپور خاطر مدارات کی۔ ایک مدت گزارنے کے بعد نواب فدائی خان سے الگ ہو گئے۔ شعر و سخن اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اپنی علمیت و قابلیت کا ثبوت دیا۔ برج بھاشا میں آپ کے پُرمغز اشعار پائے جاتے ہیں۔

فارسی اور ہندی (اردو) میں کئی مفید کتابیں لکھیں: "شواھد نجیبی" اور "رموزاتِ نجیبی" فارسی زبان میں ہیں، جب کہ "گیان بھید" اردو میں ہے۔[1]

شیخ ابو یوسف بن ابی یزید امیٹھوی:-

شیخ ابو یوسف بن ابی یزید امیٹھوی، یہ محمد معروف عثمانی امیٹھوی کی اولاد سے ہیں۔

شیخ ابو نجیب کی طرح شیخ ابو یوسف امیٹھوی کا مولد و منشا بھی قصبہ امیٹھی ہے۔ اپنے وقت کے جیّد عالم اور ولی کامل تھے۔ جب سفر حج کے لیے نکلے تو لاہر پور میں شیخ مجتبیٰ بن مصطفیٰ قلندر سے ملاقات ہو گئی، شیخ مجتبیٰ کی قلندرانہ صورت دیکھتے ہی ان پر فریفتہ ہو گئے اور ان کی بافیض صحبت میں تقریباً ۲۰ر سال کا طویل عرصہ گزار دیا اور معرفت و ولایت کے بلند مقام پر فائز ہو گئے۔

کچھ عرصہ تک دہلی میں مقیم رہے، پھر امیٹھی چلے گئے اور یہیں ۱۳ر ذی قعدہ ۱۰۵ھ میں وصال ہوا۔ بعض اصحاب نے "جنت یافتہ یوسف" سے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔[2]

---

(۱) نزھۃ الخواطر، ج:٦، ص:۱۸، ۱۹، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد.

(۲) نزھۃ الخواطر، ج:٦، ص:۱۹، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد.

شیخ نور الہدیٰ بن مودود امیٹھوی:-

شیخ نور الہدیٰ بن مودود امیٹھی کے اجلّہ علما میں سے ہیں۔ علم وفضل میں مشہور اور یگانہ روز گار تھے۔ قصبہ امیٹھی میں پیدائش ہوئی اور یہیں پروان چڑھے۔ شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی آپ کے پر دادا ہیں۔ شیخ موصوف حافظ قرآن تھے۔ مروجہ علوم وفنون کی تکمیل شیخ غلام نقشبندی بن عطاء اللہ لکھنوی و دیگر علمائے عصر سے کی اور ۱۵/ سال کی ننھی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ کے مایۂ ناز عالم بن گئے۔ بڑے ذہین وفطین، دین دار اور عظیم الشان عالم تھے۔ بحث ومناظرہ سے خاص دل چسپی تھی۔ تاحیات درس وافادہ کا بازار گرم رکھا اور ہزاروں افراد آپ کے وجود بافیض سے مالا مال ہوئے۔

۱۳/ رجب المرجب ۱۱۳۳ھ کو راہی ملک عدم ہو گئے۔

نزہۃ الخواطر میں شیخ نور الہدیٰ کی فکر وشخصیت کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے:

"الشیخ العالم الکبیر نور الهدیٰ بن مودود بن عبد الواسع بن نظام الدین العثمانی الأمیتهوی، أحد العلماء المشهورین .... وکان مفرط الذکاء، متین الدیانة، کبیر الشان."[1]

مولانا نجم الہدیٰ بن نور الہدیٰ امیٹھوی:-

مولانا نجم الہدیٰ عثمانی امیٹھوی، شیخ نظام الدین عثمانی (بندگی میاں) کی نسل سے ہیں۔ والد کا نام نور الہدیٰ ہے۔ قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے اور نشوونما پائی۔ والد گرامی نور الہدیٰ عثمانی (جو کہ شیخ غلام نقش بندی لکھنوی کے اصحاب ورفقا میں تھے۔) سے تعلیم وتربیت پائی اور علمائے کبار میں شمار کیے گئے۔ تاحیات وعظ وتبلیغ اور تدریس وافادہ میں مشغول رہے۔ صبر وتوکل اور تقویٰ وپارسائی کی زندگی گزاری۔ ۲۴/ صفر ۱۱۸۱ھ میں انتقال ہوا۔[2]

مولانا یٰسین بن جنید امیٹھوی:-

شیخ صالح یٰسین بن جنید قصبہ امیٹھی کے نامور علما ومشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے دادا شیخ

(۱) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:٣٩٧، دائرة المعارف العثمانية، حیدر آباد.
(۲) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:٣٨٠، مطبوعه حیدر آباد.

شبلی، شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی کے پرپوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مولانا نجم الہدیٰ امیٹھوی کی طرح آپ بھی شیخ نظام الدین بندگی میاں کی اولاد سے ہیں۔

بچپن ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، اس لیے تعلیم و تربیت اور مروّجہ علوم کی تحصیل شیخ نور الہدیٰ امیٹھوی سے کی۔ طریقت و معرفت کے جملہ امور بھی انھیں سے حاصل کیے اور اپنے والد کی جگہ مسندِ وعظ و ارشاد پر متمکّن ہوئے اور تاحیات درس و تدریس اور وعظ و تلقین کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ عالم ہی کیا جو عامل بالشریعت، قانع اور متقی نہ ہو؟

سبحان اللہ! مولانا یٰسین امیٹھوی عالم باعمل، دین دار، صابر و شاکر، قانع متقی و پارسا اور آئینہ کے مانند صاف و شفاف ایک صوفی صافی بزرگ تھے۔

نزہۃ الخواطر کے الفاظ ہیں:

"أحد عباد الله الصالحین ..... و کان قانعا عفیفا دینا یدرس و یفید"(۱)

۹۸/ سال کی عمر میں ۱۱۸۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

مولانا فقیہ الدین دیوی ثم امیٹھوی:-

حضرت العلام شیخ فقیہ الدین بن صدیق الدین دیوی ثم امیٹھوی ان علمائے کبار میں سے ایک ہیں، جو اپنے علم و فضل اور تقویٰ و صلاح کے باعث عوام و خواص کے منظورِ نظر اور مرکزِ توجہ تھے۔ آپ کا اصل وطن دیویٰ ہے۔ یہیں آپ کی پیدائش ہوئی اور زندگی کے ابتدائی ماہ و سال یہیں گزارے۔ اس کے بعد قصبہ امیٹھی میں رہائش پذیر ہو گئے۔ عالم و فاضل اور صاحبِ تقویٰ و صلاح تو تھے ہی، اس پر مستزاد یہ کہ ایک عمدہ، پُرگو اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ایک فارسی دیوان اپنے ذوقِ سخن کی یادگار ہے۔ اس کا ایک شعر ہے ؎

سینۂ چاک من و حلقۂ دام تو یکیست　　　ہر کہ احوالِ مرا دید گرفتار تو شد

۱۱۹۵ھ میں انتقال ہوا اور امیٹھی میں مدفون ہو گئے۔(۲)

---

(۱) نزھة الخواطر، ج:٦، ص:٤١٩، دائرة المعارف العثمانية، حیدر آباد.

(۲) نزھة الخواطر، ج:٦، ص:٢٢٩، معارف عثمانیه، حیدر آباد.

شیخ عاصم بن یٰسین امیٹھوی:-

مشائخ چشتیہ میں ایک معتبر نام شیخ عاصم بن یٰسین امیٹھوی کا بھی ہے۔ آپ کا خاندانی تعلق شیخ نظام الدین بندگی میاں امیٹھوی سے ہے۔ دادا موسیٰ بن عبد الرقیب کے انتقال کے بعد مسند سجادگی کو زینت بخشی اور صوفیانہ اقدار کی تمام تر پاسداری کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور موعظت وار شاد کا کام انجام دیتے رہے۔ اپنے آبا و اجداد کے تذکارِ جمیل پر ایک کتاب بنام "اربعہ عناصر" لکھی۔ یہ کتاب ۱۲۵اھ میں لکھی گئی ہے۔ تو اس اعتبار سے آپ کا سنِ وفات ۱۲۵اھ کے بعد ہی شمار کیا جائے گا۔

"له أربعة عناصر" كتاب في أخبار آبائه."(۱)

مولانا امیر الدین علی شہید امیٹھوی:-

مولانا امیر الدین علی امیٹھوی اپنے تمام تر علمی محاسن و کمالات کے ساتھ ایک نڈر قائد اور بے باک مجاہد تھے۔ قوم و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے اور بالآخر شہادت کا میٹھا جام پی کر اخروی سعادت سے مالا مال ہوئے اور امیٹھی کا یہ دلیر مجاہد ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گیا۔ مولانا امیر الدین امیٹھوی، حضرت ملّا احمد جیون کے خاندان کے ایک باکمال عالمِ دین تھے۔ پانچ واسطے سے آپ کا شجرۂ نسب ملا احمد جیون تک پہنچتا ہے۔

واقعہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے کفار و مشرکین نے جب ہنومان گڑھی کی "عالم گیری مسجد" کو شہید کر ڈالا تو حمیتِ اسلام کی خاطر شاہ غلام حسین دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جواب آں غزل کے طور پر مولانا امیر الدین علی امیٹھوی، شاہ غلام حسین کے خون کا بدلہ لینے آمادۂ جہاد ہوئے اور اپنے ارد گرد غازیانِ اسلام کا ایک جتھہ تیار کر لیا اور ہنومان گڑھی کے کفار سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ شرائطِ جہاد کے ساتھ شرائطِ امامت کے فقدان کے باعث اکثر سنی اور شیعہ علما پس و پیش میں مبتلا تھے۔ حاکمِ لکھنؤ نواب واجد علی شاہ کے دربار میں مقدمہ پیش ہوا اور بالآخر رزیڈنٹ کی طرف سے جہاد سے متعلق امتناعی حکم نامہ جاری ہو گیا۔ لیکن پھر بھی امیر المجاہدین مولانا

---

(۱) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:١٢٤، معارفِ عثمانيه، حيدر آباد.

امیر الدین امیٹھوی غیرتِ ایمانی اور حمیّتِ اسلامی کے جذبوں سے سرشار ہو کر جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔ حاکمِ وقت کے فرمان کے مطابق حکومت کے افسران اس معاملے میں سدّ راہ بن گئے۔ شجاع گنج کے مقام پر بار لو افواج (حکومت کی افواج) اور غازیانِ اسلام کے مابین تصادم اور جھڑپیں ہوئیں اور مقابلہ آرائی تک کی نوبت آگئی، اور اسی معرکہ میں آپ شہید ہو گئے۔

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف مولوی رحمٰن علی کی صراحت کے مطابق "بتاریخ بست و ششم صفر روز چہار شنبہ سال ہفتاد و دوم از صدی سیزدہم ہجری امیر المجاہدین (مولوی امیر الدین امیٹھوی) شربتِ شہادت چشیدہ بروضۂ رضوان شتافت۔"

۲۶ر صفر ۱۲۷۲ھ بروز بدھ امیر المجاہدین مولانا امیر الدین علی امیٹھوی جامِ شہادت نوش فرما کر راہی ملکِ عدم ہو گئے۔ دورانِ جنگ بعض عقیدت مندوں نے کہا کہ اگر حکم ہو تو حضرت کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے، اس وقت آپ نے برجستہ یہ مصرع پڑھا: ع

سرِ میدان کفن بر دوش دارم

بعدِ شہادت جب تاریخ گو شعرا نے مصرع پر غور کیا تو اس کا عدد آپ کے سالِ شہادت کے مطابق نکلا یعنی ۱۲۷۲ھ۔

منشی ظہیر الدین بلگرامی نے آپ کے مصرع پر اضافہ کرتے ہوئے یہ قطعہ تحریر کیا۔

بتاریخ شہیدانِ کفن پوش
چہ حاجت تا سنش من بر نگارم
کہ خود فرموں آں میر شہیداں
سر میدان کفن بر دوش دارم[1]

(۱) تذکرہ علمائے ہند، فارسی، ص: ۳۰۰، نول کشور، لکھنؤ۔

شیخ موسیٰ بن عبدالرقیب امیٹھوی:-

شیخ موسیٰ بن عبدالرقیب بن جعفر بن نظام الدین عثمانی امیٹھوی کی پیدائش ۱۰۳۳ھ میں امیٹھی میں ہوئی۔ والد گرامی شیخ عبدالرقیب سے مروجہ علوم وفنون کے علاوہ طریقت وروحانیت کی تعلیم حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد ان کے علمی و روحانی امین و جانشیں مقرر ہوئے اور دین متین کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ فضل وکمال اور تقویٰ وصلاح میں مشہورِ زمانہ تھے۔ ۱۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ (۱)

(۱) نزهة الخواطر، ج:٦، ص:٣٧٧، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد.

دار العلوم اہلِ سنّت ملّا جیون

قصبہ امیٹھی، لکھنؤ، یوپی

مجمع المظفر میں حضرت ملا احمد جیون قدس سرہ کا مولد و مسکن قصبہ امیٹھی لکھنؤ، یوپی زمانہ قدیم سے علم و حکمت اور ولایت و روحانیت کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں کی خاک سے بے شمار علمائے کرام، مشائخ عظام اور بزرگان دین پیدا ہوئے اور آسمان علم و روحانیت پر بدر کامل بن کر چمکے۔ امیٹھی کی پاک سرزمین پر حضرت مخدوم بہاء الحق خاصۃ خدا، حضرت نظام الدین شاہ بندگی میاں، حضرت یوسف شاہ قلندر اور حضرت ملا احمد جیون علیہم الرحمۃ والرضوان کے مزارات آج بھی مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔ ان بزرگان دین کی دینی و ملی، علمی و ادبی اور روحانی یادیں اس مردم خیز علاقے سے تا حال وابستہ ہیں۔ آزادی کے بعد مسلمانوں کی ہجرت، بے سمانگی، تعلیمی زبوں حالی اور دعوت و تبلیغ میں کمی کے باعث دیگر مقامات کی طرح قصبہ امیٹھی بھی متاثر ہوا۔ یہاں علم دین اور دعوت و تبلیغ کی بڑی کمی پائی جانے لگی۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گمراہ فرقے یہاں اپنے باطل عقائد و نظریات کی تبلیغ و توسیع میں لگ گئے۔ ایسے نازک وقت میں دین و سنیت کا سچا درد رکھنے والے چند مخلص علمائے کرام اور داعیان ملت آگے بڑھے اور اس مبارک و مسعود قصبے کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے کوشاں ہوئے۔

الحمد للہ اسی علمی و دعوتی جد و جہد کے نتیجے میں ۱۱ر جون ۲۰۰۴ء مطابق ۲۲ر ربیع الاول ۱۴۲۵ھ کو مفکر اسلام حضرت علامہ عبد المبین نعمانی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی اور حضرت حافظ عبد الجلیل صاحب قبلہ کے دست ہائے اقدس سے "دار العلوم اہل سنت ملا احمد جیون" قصبہ امیٹھی لکھنؤ کی بنیاد رکھی گئی اور اس کا قیام عمل میں آیا۔

مقام مسرت ہے کہ حضرت سید انصار صاحب قبلہ دام ظلہ کی قیادت و سرپرستی میں راقم المعروف غلام جیلانی مصباحی کی صدارت اور جناب محمد وارث صاحب، جناب شریف میاں صاحب، جناب عبد الرشید منتری صاحب اور جناب محمد علی عرف فقیر صاحب کے تعاون سے ادارہ روز افزوں شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ فی الوقت ادارے میں حفظ و قرأت، اعدادیہ، اولی اور درجہ ہشتم تک پرائمری کی تعلیم کا بہتر انتظام ہے۔ مقامی و بیرونی طلبہ کی کل تعداد ۱۷۳ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس محبوب ادارے کو خوب خوب ترقی عطا فرمائے۔ آمین

دعا گو: **فقیر غلام جیلانی مصباحی**

صدر المدرسین دار العلوم اہل سنت ملا احمد جیون، قصبہ امیٹھی لکھنؤ، یوپی

Publisher
ASHRAFIYA ISLAMIC FOUNDATION
Hyderabad, Deccan